" والله ما انشرح صدري قط أن أفضل علياً علي أبي بكر ، و عمر رحم الله أبا بكر ، ورحم الله عمر ، و رحم الله عثمان ، و رحم الله علياً ، و من لم يحبهم فما هو بمؤمن فان أوثق عملي حبي اياهم رضوان الله عليهم و رحمته اجمعين ."[1]

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے کبھی بھی حضرت علی ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ پر فضیلت دینے کا شرح صدر نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر ؓ پر رحم فرمائیں، حضرت عمر ؓ پر رحم فرمائیں، حضرت عثمان ؓ پر رحم فرمائیں، حضرت علی المرتضیٰ پر رحم فرمائیں، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے، میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اُن پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اس قول سے معلوم ہوا کہ پہلے آپ میں حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان پر ؓ فضیلت دینے کے سلسلہ میں جو "تشیع" تھا وہ "تشیع یسیر" اور بہت کم درجہ کا "تشیع" تھا، جس سے بعد میں آپ" نے رجوع بھی فرمالیا تھا، اس لئے کہ آپ" خود اپنے اس قول میں چاروں خلفائے راشدین ؓ کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں اور جو اُن سے محبت نہ کرے وہ آپ" کے نزدیک مؤمن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ" کے اس واضح ارشاد کے بعد جو حضرات آپ کو "شیعہ" کہتے تھکتے نہیں، اُن کا یہ طرزِ فکر اور اُن کا یہ دعویٰ بجائے خود اصلاح کے قابل ہے۔

نیز امام ابو مسلم البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ "امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے "تشیع" سے رجوع فرمالیا تھا۔"

چنانچہ امام ابن عساکر لکھتے ہیں:

"وقد روي عنه أنه رجع عن ذلك ، كتب الي أبو نصر عبد الرحيم بن عبد الكريم ، أنا أبو بكر البيهقي ، أنا أبو عبد الله الحافظ ، قال : سمعت أبا العباس قاسم بن القاسم السياري شيخ خراسان في عصره ، يقول : سمعت

---

[1] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳۶/ ۱۹۰ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

ابا مسلم البغدادي ، يقول: عبيد الله بن موسىٰ من المتروكين، تركه أبو عبد الله أحمد بن حنبل لتشيعه ، وقد عوتب أحمد بن حنبل عليٰ روايته عن عبد الرزاق فذكر أنه رجع عن ذلك ..... الخ ."[1]

ترجمہ: مروی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے "شیعیت" سے رجوع فرما لیا تھا، شیخ ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "میں نے ابومسلم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "عبیداللہ بن موسیٰ ایک متروک راوی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اُن کے "تشیع" کی وجہ سے ترک کر دیا ہے، اور جب امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے کی باری آئی تو آپؒ نے اُن سے روایت لے لی، چنانچہ لوگوں نے جب آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: ("امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں نے تب لی ہے کہ) اُنہوں نے "شیعیت" سے رجوع فرما لیا ہے....."

نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے، جو درج ذیل ہے:

۵۵۳۴-عن ابن جريج قال، أخبرني عمر بن عطاء بن أبي الخوار أن نافع بن جبير أرسله الىٰ السائب بن يزيد يسأله عن شيئٍ رآه منه (معاوية) في الصلاة؟ قال: صليت معه الجمعة في المقصورة ، فلما سلم قمت في مقامي وصليت ، فلما دخل أرسل الىَّ فقال : لا تعد لما فعلت ، اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلاة حتىٰ تتكلم أو أن تخرج ، فان النبي صلى الله عليه وسلم أمر بذلك ."[2]

ترجمہ: عمر بن عطاءؒ کو نافع بن جبیرؒ نے سائب بن یزیدؓ کے پاس بھیجا کہ اُن سے ایک ایسی بات پوچھیں جو اُنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں کرتے دیکھی ہے۔

---

[1] (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۶/۱۸۹، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[2] (المصنف لعبد الرزاق الصنعاني: ۲/۴۱۶، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت)

(سائبؓ نے جواب میں) کہا کہ: "میں نے حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز (اگلی صف کے) حفاظتی جنگلے میں ادا کی۔ پس جب اُنہوں نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور (بقیہ) نماز (سنتیں) پڑھنے لگا۔ پھر جب وہ (اپنے گھر میں) داخل ہو گئے تو مجھے بلوایا اور فرمایا کہ: "جو تم نے کیا، آئندہ ایسے نہ کرنا، جب تم جمعہ کی نماز (دو فرض) ادا کر چکو تو کلام کیے بغیر، یا اس مقام سے نکلے بغیر (سنت) نماز نہ پڑھو! کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔"

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بھی روایت کی ہے، جو درج ذیل ہے:

﴿باب التكبير على الجنازة﴾

٦٣٩٣- عن معمر عن الزهري عن ابن المسيب و أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نعى رسول الله صلى الله عليه وسلم النجاشي لأصحابه وهم بالمدينة فصفوا خلفه فصلى عليه و كبر أربعاً وبه نأخذ. "[1]

﴿نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھنے کا بیان﴾

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو نجاشی کی موت کی اطلاع دی اور وہ اُس وقت مدینہ منورہ میں تھے، پس اُنہوں نے (نماز جنازہ کے لئے) آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں، آپ ﷺ نے نجاشی کا نماز جنازہ پڑھا اور چار تکبیریں پڑھیں، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اس حدیث کے آخر میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"و به نأخذ."

ترجمہ: اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ساری دُنیا کی خاک چھان لیں، چراغ کے بدلے آفتاب ہاتھ میں لے کر تلاش کرنا

---

[1] المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، ٣/ ٤٧٩، الناشر: المكتب الإسلامي (بيروت)

شروع کردیں، آپ کو حضرت معاویہ ؓ، اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی بیان کردہ احادیث پر عمل کرنے والا کوئی ایک شیعہ بھی ساری دنیا میں نہیں ملے گا۔

امام عبدالرزاق پر "تشیع شدید" کا الزام اور روایات کی حقیقت:

یاد رہے کہ جن روایات میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا "تشیع شدید" مروی ہے اُن میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح طور پر ثابت نہیں۔ مثلاً:

امام عبدالرزاق پر حضرت عثمان غنی ؓ کی گستاخی کا الزام:

"ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ "امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی ؓ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔"

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"خطیب بغدادیؒ اور ابن عساکرؒ دونوں نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق محدث حضرت عثمان ؓ کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔"[1]

اصل روایت اس طرح ہے:

"أخبرنا التنوخي ، أخبرنا أبو الفرج محمد بن جعفر من ولد صالح صاحب المصلي ، حدثنا أبو زكريا غلام أحمد بن أبي خيثمة قال : كنت جالسا في مسجد الجامع بالرصافة مما يلي سويقة نصر عند بيت الزيت ، وكان أبو خيثمة يصلي صلوته هناك ، وكان يركع بين الظهر والعصر ، وأبو زكريا يحيي بن معين قد صلي الظهر وطرح نفسه بازائه ، فجاءه رسول أحمد بن حنبل فأوجز في صلوته وجلس ، فقال له : أحوك أبو عبد الله احمد بن حنبل يقرأ عليك السلام ويقول لك: هوذا تكثر الحديث عن عبيد الله بن موسي العبسي وأنا وانت سمعناه يتناول معاوية بن أبي سفيان وقد تركت الحديث عنه . قال : فرفع يحيي بن معين رأسه وقال للرسول : اقرأ علي أبي

---

[1] (ملاحظہ ہو: (تاریخ بغداد، ۱۳/ ۲۴۷) اور (تاریخ دمشق، ۳۸/ ۱۲۹) بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۶۵)

عبد الله ، وقل له يحيي بن معين يقرأ عليك السلام ، وقال لک أنا وأنت سمعنا عبد الرزاق يتناول عثمان بن عفان فاترک الحديث عنه ، فان عثمان أفضل من معاوية ."[1]

ترجمہ: ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ: "جامع مسجد کے چمن میں جو بیت زیت کے نزدیک "سویقت نصر" نامی جگہ کے ساتھ ملا ہے بیٹھا ہوا تھا، اور ابوخیثمہ وہاں نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ ظہر اور عصر کے درمیان وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، اور ابوزکریا یحییٰ بن معینؒ نے ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے آپ کو اُن کے سامنے ڈالا ہوا تھا کہ اتنے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قاصد آیا تو ابوخیثمہ نے اپنی نماز کو مختصر کیا اور بیٹھ گئے، قاصد نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا کہ آپ کے بھائی ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ سلام کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جو عبیداللہ بن موسیٰ عبسی سے بکثرت روایات نقل کرتا ہے، حالاں کہ میں نے اور آپ نے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے سنا ہے تو میں نے اس سے حدیثیں نقل کرنا ترک کر دیا ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ پھر یحییٰ بن معین نے اپنا سر اُٹھایا اور قاصد سے فرمایا کہ: ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) سے کہنا کہ یحییٰ بن معینؒ سلام کہہ رہے تھے اور آپ کو کہہ رہے ہیں کہ میں نے اور آپ نے عبدالرزاق کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہوئے سنا ہے، لہٰذا آپ عبدالرزاق سے روایات نقل کرنا ترک کر دیں، کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

پہلا راوی "ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی" ضعیف ہے!:

تو اس روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی ضعیف ہے۔ چنانچہ [illegible] بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) "تاریخ بغداد" میں لکھتے ہیں:

" حدثني علي بن محمد بن نصر الدينوري قال : سمعت حمزة بن يوسف السهمي يقول : أبو الفرج محمد بن صالح بن جعفر البغدادي

---

[1] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، ۲: ۴۲۷، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت (لبنان)

من ساكني البصرة في الجزيرة ضعيف لا يحتج بحديثه ، ما رأيت له أصلا جدا ، ولا رأيت أحدا يثني عليه خيرا ."[1]

ترجمہ: علی بن محمد بن نصر دینوری کہتے ہیں کہ میں نے حمزہ بن یوسف سہمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "ابوالفرج محمد بن صالح بن جعفر بغدادی جزیرہ میں بصرہ کا رہنے والا ضعیف ہے، اس کی حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا، میں نے اس کوئی اصل نہیں دیکھی، اور نہ ہی کسی کو اس کا ذکر خیر کرتے دیکھا ہے۔

اور علامہ صلاح الدین الصفدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں:

"ضعفه حمزة السهمي ."[2]

ترجمہ: حمزہ سہمی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسرا راوی "ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ" مجہول الحال ہے!

اور اس کا دوسرا راوی ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ مجہول الحال ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں۔

بلکہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ایک اور روایت نقل کر کے گویا اس مذکورہ بالا قابل اعتراض روایت کی بالکل ہی تردید کر دی ہے۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"نا أحمد بن زهير قال : سمعت يحيى بن معين وقيل له : ان أحمد بن حنبل قال : ان عبيد الله بن موسى يرد حديثه للتشيع فقال كان والله الذي لا اله الا هو عبد الرزاق أعلى في ذلك منه مائة ضعف ولقد سمعت من عبد الرزاق أضعاف وأضعاف ما سمعت من عبيد الله "[3]

---

[1] (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۲/ ۱۵۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

[2] (الوافی بالوفیات للصفدی: ۲/ ۲۲۶، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[3] (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۶/ ۱۸۹، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

ترجمہ: احمد بن زہیر کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا اور اُن سے کہا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث اُن کے "تشیع" کی وجہ سے رد کر دیتا ہے، تو انہوں نے فرمایا: "قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں عبدالرزاق اس تہمت سے کوسوں دُور ہیں۔ اور بھتا آپ نے عبید اللہ سے سماع کیا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ میں نے عبدالرزاقؒ سے سماع کیا ہے۔

ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کی طوطا چشمی:

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بغض وعناد کہ جس کے اثبات میں انہوں نے امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی "تاریخ دمشق" سے وہ روایت تو بڑے اہتمام کے ساتھ نقل کر دی کہ جس سے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عثمان ؓ کا ناقد و گستاخ ہونا ثابت ہو رہا تھا لیکن عین اُس کے متصل اُس کی تردید میں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی "تاریخ دمشق" کی وہ روایت کہ جس سے اس مذکورہ بالا روایت کی تردید اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہو رہا تھا نقل نہیں کی اور اُس سے آنکھیں چرا کر فوٹو چکر ہو گئے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عمر فاروق ؓ کی گستاخی کا الزام:

دوسری روایت میں آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر کو "انوک" یعنی (نعوذ باللہ!) "کذاب" کہا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ذہبیؒ ان کے مزید حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "علی ابن عبداللہ صنعانی بیان کرتے ہیں کہ: "زید ابن مبارکؒ زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے، اور بکثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر بعد میں نہ صرف ان کی صحبت ترک کر دی، بلکہ ان کی روایات پر مشتمل تمام کتابوں کو بھی جلا ڈالا، لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، تو بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے سامنے عبدالرزاق، ابن جدعان کی وہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لئے حضرت عباس ؓ اور حضرت علی ؓ جب حضرت عمر ؓ کے پاس گئے تو انہوں نے عباس ؓ کو کہا کہ: "تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے

آئے ہو اور حضرت علی ﷺ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے۔ زید ابن مبارک نے بتایا کہ یہاں پہنچے تو عبدالرزاق رُک گئے، پھر کہا: ﴿ انظر الیٰ هذا الأنوک ! یقول : "من ابن أخیک ... من ابیها لا یقول رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم ﴾ یعنی ذرا دیکھو! اس جھوٹے (حضرت عمر ﷺ) کو کبھی کہتا ہے بھتیجے کی وراثت اور کبھی کہتا ہے "بیوی کے باپ" کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت، زید ابن المبارک کہتے ہیں: "یہ بات سن کر میں اُٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر نہیں گیا، نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

اب جو شخص حضرت عمر ﷺ کو بے دھڑک "أنوک" (کذاب) کہہ دے کیا وہ معمولی درجہ کا شیعہ ہو سکتا ہے؟"[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اس عبارت میں دو طرح دجل وفریب سے کام لیا ہے:

۱- ایک تو یہ کہ اس عبارت کی نسبت انہوں نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے، حالاں کہ یہ عبارت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ہی نہیں، بلکہ علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ نقل کی ہے۔

۲- اور دوسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں صرف اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے، اس عبارت پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا، جو انہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کر کے کیا ہے۔

ذیل میں ہم وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں جو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اور پھر اس پر امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے تعاقب میں اپنا گراں قدر تبصرہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

" قال العقیلي : سمعت علي بن عبد الله بن المبارک الصنعاني

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۶۵، ۶۶)

يقول : كان زيد بن المبارک قد لزم عبد الرزاق فأكثر عنه ، ثم خرق كتبه ، ولزم محمد بن ثور ، فقيل له في ذلک فقال : كنا عند عبد الرزاق فحدثنا بحديث معمر عن الزهري عن مالک بن أوس بن الحدثان الحديث الطويل فلما قرأ قول عمر لعلي والعباس : فجئت أنت تطلب ميراثک من ابن أخيک وجاء هذا يطلب ميراث امرأته ، قال عبد الرزاق : أنظروا الي الأنوک ! يقول - تطلب أنت ميراثک من ابن أخيک ، ويطلب هذا ميراث زوجته من أبيها لايقول : رسول الله صلي الله عليه وسلم ، قال زيد ابن المبارک : فلم أعد اليه ولا أروي عنه ." قلت : هذه عظيمة وما فهم قول أمير المؤمنين عمر ، فانک يا هذا ! لو سكت لكان أولي بک ، فان عمر انما كان في مقام تبيين العصومة والبنوة ، والا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفي ، وبتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق متطع ، بل الصواب أن نقول عنک : أنظروا الي هذا الأنوک الفاعل عفا الله عنه ، كيف يقول عن عمر هذا ، ولا يقول قال : أمير المؤمنين الفاروق ، وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق ، فانه مأمون علي حديث رسول الله صلي الله عليه وسلم صادق ."[1]

ترجمہ: عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زید بن مبارک زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے اور بہ کثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر (بعد میں نہ صرف اُن کی صحبت ترک کر دی بلکہ) اُن کی (روایات پر مشتمل تمام) کتابوں کو بھی جلا ڈالا، اور محمد بن ثور کو لازم پکڑ لیا۔ لوگوں نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ (ایک مرتبہ) ہم عبدالرزاق کے پاس (موجود) تھے کہ انہوں نے ہمارے سامنے ابن حدثان کی (ایک طویل) حدیث بیان کی، چنانچہ جب وہ اس جملے پر پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي : ۸/۲۲۶ ، ۲۲۷ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة)

ہو، اور حضرت علی ؓ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے، تو عبدالرزاق کہنے لگے کہ: "اس جھوٹے (حضرت عمر ؓ) کو دیکھو! (حضرت عباس ؓ سے) کہتا ہے کہ تو اپنے بھتیجے کی وراثت طلب کر رہا ہے، اور یہ (حضرت علی ؓ) اپنی بیوی کے باپ کی وراثت طلب کر رہا ہے، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت۔ زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) نہ میں وہاں لوٹ کر گیا اور نہ ہی میں نے عبدالرزاق سے کوئی روایت نقل کی۔

میں (علامہ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی بات (انہوں نے عبدالرزاق کے بارے میں کہہ دی) ہے، اور انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر ؓ کی بات کو نہیں سمجھا، پس اے فلاں! اگر تو خاموش رہ جاتا تو یہ تیرے حق میں زیادہ بہتر ہوتا، کیوں کہ حضرت عمر ؓ (اس وقت) عصومت (بچا ہونے) اور بعوت (بیتا ہونے) کو واضح کرنے کی جگہ میں تھے، اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کے حق کو تمام عاذق اور ماہر لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے، بلکہ اس کا صحیح اور درست مطلب ہم تیری طرف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھو! اس بیوقوفی کرنے والے شخص کی طرف کہ "عمر ؓ سے یہ مروی ہے" کہہ رہا ہے اور یہ نہیں کہہ رہا کہ "امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ فرمایا، بہر حال ہم اپنے اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں، کیوں کہ وہ حدیث رسول ﷺ میں معتمد علیہ اور سچے ہیں۔

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

علاوہ ازیں ایک تو یہ کہ اس روایت کا راوی علی بن عبداللہ بن مبارک الصنعانی مجہول الحال اور نامعلوم ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی سند میں "ارسال" یعنی "انقطاع" ہے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قلت: في هذه الحكاية ارسال، والله اعلم بصحتها." [1]

---

[1] (میزان الاعتدال فی نقد أسماء الرجال للذهبي: ۲/ ۶۱۱، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس حکایت میں ارسال ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے صحیح ہونے کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور یہ اُصول ہے کہ جو روایت "مرسل" یعنی "منقطع" ہو وہ مردود اور ناقابل التفات ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین البہدانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:

" فان المرسل اكثر الناس على ترك الاحتجاج به "[1]

ترجمہ: اکثر و بیشتر حضرات محدثین کا مسلک یہ ہے کہ مرسل روایت ناقابل حجت ہوتی ہے۔

اور علامہ محب الدین فہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۱ھ) لکھتے ہیں:

" المرسل لاتقوم به حجة "[2]

ترجمہ: مرسل روایت کے ذریعہ حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

اور علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

" والمرسل عندنا لا تقوم به حجة "[3]

ترجمہ: اور مرسل روایت کے ذریعہ ہمارے نزدیک حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

اور علامہ زین الدین السلامی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

" و قد ذكر الترمذي لأهل العلم فيه قولين : أحدهما أنه لا يصح ومراده أنه لا يكون حجة "[4]

ترجمہ: اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (مرسل روایت کے حکم کے بارے میں) اہل علم کے دو قول نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ (مرسل روایت) صحیح نہیں ہے۔ (اس سے) آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ حجت نہیں بن سکتی۔

---

[1] (الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار للهمداني ۱/ ۱۵، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن)

[2] (النسر الأبيض والمورد الأعذب في المحاكمة بين الامامين في السند المعنعن ۲/ ۳، الناشر: مكتبة الغرباء الأثرية المدينة المنورة)

[3] (النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي ۲/ ۲۱، الناشر: أضواء السلف، الرياض) و (المقنع في علوم الحديث لابن الملقن ۱/ ۱۲۸، الناشر: دار فواز للنشر، السعودية)

[4] (التقرير على الترمذي للسلامي ۱/ ۵۳۲، الناشر: مكتبة المنار، الزرقاء، الأردن)

اور امام برہان الدین الابناسی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"و اما الحديث المرسل فليس بحجة عندنا." [1]

ترجمہ: اور بہر حال مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

لہٰذا یہ روایت بھی مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام والی روایت کا جائزہ:

ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ:

"ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے آلودہ مت کرو!"

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ونسبوه الى التشيع سمعت مخلداً الشعيري يقول: "كنت عند عبد الرزاق فذكر رجل معاوية رضي الله عنه فقال: " لا تقذر مجلسنا بذكر ولد أبي سفيان."[2]

ترجمہ: علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے، میں نے مخلد شعیری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے معاویہ کا تذکرہ چھیڑا، تو عبدالرزاق نے کہا: "ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو!"۔[3]

اس جملے سے بھی موصوف (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) کا عام شیعہ نہیں بلکہ پکا اور کٹر شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔[4]

---

[1] (النکت الوفیات عما فات علوم ابن الصلاح: ۱/۱۱۱، الناشر: مکتبۃ الرشد)

[2] (میزان الاعتدال: ۲/۱۲۷ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۴)

[3] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۴)

[4] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۶۵)

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اس روایت کی سند میں احمد بن زکریا الحضرمی اور محمد بن اسحٰق بن یزید البصری دونوں نامعلوم ہیں، لہٰذا یہ روایت بھی مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو:

" الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا "

میں سے قرار دیا ہے، چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں

''امام سفیان ابن عیینہ نے عبدالرزاق محدث کو آیت " الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا " کا مصداق قرار دیا ہے۔'' [1]

اس روایت کی سند میں احمد بن محمود الہروی نامعلوم راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی مردود اور ناقابل التفات ہے۔

مختصر یہ کہ یہ اور ان جیسی دیگر تمام روایات باطل، مردود، ناقابل التفات اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''اختلاط'' کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے علاوہ اختلاط کے الزام کا بھی ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ائمہ اسماء الرجال نے موصوف کے متعلق ''تشیع'' کے علاوہ ''اختلاط و تغیر و تدلیس'' کا بھی ذکر کیا ہے، اس حقیقت کا ان کے وکلائے صفائی بھی انکار نہیں کر سکتے۔'' [2]

اختلاط کے الزام کی حقیقت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''اختلاط'' کے الزام کی حقیقت ہے تو اس بارے میں امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۸۱ھ) فرماتے ہیں:

" أخبرني أحمد بن حنبل قال : أتينا عبد الرزاق قبل المائتين وهو

---

[1] (کتاب الضعفاء للعقیلی : ۳/ ۱۰۹، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۶۳)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۶۳)

صحيح البصر ومن سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع ."[1]

ترجمہ: ہم امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۲۰۰ھ سے پہلے گئے تھے اور اُن کی نظر صحیح تھی، جس نے اُن کے نابینا ہونے کے بعد سُنا ہے تو اُس کا سماع ضعیف ہے۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں:

" فيه نظر لمن كتب عنه بآخرة ."[2]

ترجمہ: جس نے اُن کے آخری دور میں اُن کی روایات لکھی ہیں تو اُس کی روایات محلِ نظر ہیں۔

یاد رہے کہ "اختلاط" کے بارے میں محدثین کا یہ اُصول ہے کہ جس نے جس ثقہ وصدوق راوی کی روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہوں تو وہ صحیح ہوتی ہیں، البتہ "اختلاط" کے بعد والی روایتیں کمزور ہوتی ہیں۔

اختلاط سے پہلے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایات کا سماع:

اختلاط سے پہلے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جن راویوں نے حدیث کا سماع کیا ہے، اُن کے نام ذکر کرتے ہوئے علامہ ابوالبرکات ابن الکیال رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۹ھ) لکھتے ہیں:

" وممن سمع منه (أي من عبد الرزاق) قبل الاختلاط احمد و اسحاق بن راهويه وعلي بن المديني ويحيٰ بن معين ووكيع بن الجراح ..... واسحاق بن منصور ومحمود بن غيلان ..... اسحاق بن ابراهيم السعدي وعبيد الله بن محمد المسندي ومحمد بن يحيٰ بن أبي عمر العدني ويحيٰ بن جعفر البيكندي ويحيٰ بن موسى البلخي الملقب خت ..... واحمد بن يوسف السلمي وحجاج بن يوسف الشاعر وحسن بن علي الخلال وسلمة بن شبيب وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد وعمرو بن محمد الناقد واحمد بن رافع ومحمد بن مهران الجمال ."[3]

---

[1] (تاریخ أبي ... الدمشقي ۱/۴۵۷ - الناشر: مجمع اللغة العربية، دمشق)

[2] (تحفة ... والمنتزع من السنائي ۱/۶۹، الناشر: دار الوعي، حلب)

[3] (كواكب النيرات في معرفة من لرواة الثقات لابن الكيال ۱/۲۷۶ ... ۲۸۰، الناشر: دار المأمون، بيروت)

ترجمہ: ﴿۱﴾ احمد بن حنبل ﴿۲﴾ اسحٰق بن راہویہ ﴿۳﴾ علی بن مدینی ﴿۴﴾ یحییٰ بن معین ﴿۵﴾ وکیع بن جراح ..... ﴿۶﴾ اسحٰق بن منصور ﴿۷﴾ محمود بن غیلان ..... ﴿۸﴾ اسحٰق بن ابراہیم سعدی ﴿۹﴾ عبداللہ بن محمد مسندی ﴿۱۰﴾ محمد بن یحییٰ بن ابوعمر عدنی ﴿۱۱﴾ یحییٰ بن جعفر بیکندی ﴿۱۲﴾ یحییٰ بن موسیٰ بلخی ..... ﴿۱۳﴾ احمد بن یوسف سلمی ﴿۱۴﴾ حجاج بن یوسف الشاعر ﴿۱۵﴾ حسن بن علی بلال ﴿۱۶﴾ سلمہ بن شبیب ﴿۱۷﴾ عبد الرحمن بن بشر بن حکم ﴿۱۸﴾ عبد بن حمید ﴿۱۹﴾ عمرو بن محمد ناقد ﴿۲۰﴾ احمد بن رافع ﴿۲۱﴾ محمد بن مہران حمال۔ (ترجمہ ختم)

چوں کہ ان حضرات کا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سماع "اختلاط" سے پہلے کا ہے، لہٰذا امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی مطلق روایات پر "اختلاط" کی جرح کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "تغیر وتدلیس" کا الزام:

اسی طرح "تدلیس" کے بارے میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں "مدلس" کی "عن" والی روایت معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا کسی ثقہ راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر "تدلیس" کی جرح کوئی جرح ہی نہیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر "جرح" کا الزام:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر "جرح" دو طرح سے ہے:

۱- اوّل یہ کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق اور معمر دونوں کو "کثیر الخطاء" کہا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"..... فانهما (أي عبد الرزاق ومعمراً) جميعاً كثيري الخطأ."[1]

ترجمہ:..... کیوں کہ یہ دونوں (عبدالرزاق اور معمر) "کثیر الخطاء" ہیں۔

حالاں کہ یہ "جرح" جمہور کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابلِ احتجاج ہے۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۷ھ) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

---

[1] (علل الحدیث لابن حاتم الرازی: ۵/۲۱۰، الناشر: مطابع الحمیضی)

"یکتب حدیثه و لا یحتج به ."[1]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اُسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

چوں کہ یہ "جرح" بھی جمہور کے مقابلے میں ہے اس لئے یہ بھی مردود اور ساقط الاعتبار ہے۔

۳- دوسرے یہ کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ عباس بن عبدالعظیم نے عبدالرزاق کے بارے میں کہا ہے:

"ان عبد الرزاق کذاب ."[2]

ترجمہ: عبدالرزاق "کذاب" ہے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"..... اس پر مستزاد یہ کہ عبدالرزاق کا سچا ہونا بھی مختلف فیہ ہے، اگرچہ بہت سے محدثین نے ان کو سچا اور صدوق کہا ہے، مگر عباس بن عبدالعظیم جو خاص طور پر اُن کے آبائی شہر "صنعاء" گئے تھے اور کافی عرصہ اُن کے پاس رہے تھے قسم اٹھا کر کہتے ہیں:

"والله الذي لا اله الا هو ان عبد الرزاق كذاب ، و محمد بن عمر الواقدي اصدق منه ."

ترجمہ: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبدالرزاق انتہائی درجے کا جھوٹا ہے، اور محمد بن عمر الواقدی ان سے زیادہ سچے تھے۔[3]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا ایک اور دجل وفریب:

یہ عبارت اصل میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "الکامل في ضعفاء الرجال" میں نقل کی ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو اس عبارت کے حوالہ جات میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا نام ذکر کیا ہے تو وہ ایک خاص دجل اور فریب کے طور پر ذکر کیا ہے

---

[1] (الجرح و التعدیل لابن ابي حاتم: ۶/ ۳۹، الناشر: مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر اباد، الدكن، الهند)

[2] (الضعفاء الكبير للعقيلي: ۳/ ۱۰۷، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/ ۵۳۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (الكامل في الضعفاء: ۳/ ۵۳۸، سير أعلام النبلاء: ج ۹/ ۵۷۱، ميزان الاعتدال: ۲/ ۱۲۸، ۱۲۹، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۹)

تاکہ قارئین کرام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو صرف علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے "کذاب" نہیں کہا ہے، بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی تکذیب کی ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کر کے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کیا ہے اور اس واقعہ کی سخت تردید کی ہے، مگر سخت حیرت ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پر کہ انہوں نے علمی خیانت اور اپنے مکروہ دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے اپنے مطلب کی تو عبارت نقل کرلی، لیکن جس مقصد کے لئے خود علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اُس سے آنکھیں چرالیں۔

ذیل میں ہم علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اردو ترجمہ کے نقل کرتے ہیں کہ جس میں انہوں نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا زبردست تعاقب کیا ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اُس سے آنکھیں چرائی رکھیں ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"العقيلي في كتاب الضعفاء له في ترجمة عبدالرزاق حدثنا محمد بن أحمد بن حماد سمعت محمد بن عثمان الثقفي قال : لما قدم العباس بن عبد العظيم من عند عبد الرزاق من صنعاء قال لنا ونحن جماعة : ألست قد تجشمت؟الخروج الي عبد الرزاق؟فدخلت اليه،وأقمت عنده حتي سمعت منه ما أردت والله الذي لا اله الا هوان عبد الرزاق كذاب والواقدي أصدق منه ." قلت : بل والله ما بر عباس في يمينه ، وليس ما قال يعمد الي شيخ الاسلام ، ومحدث الوقت ، ومن احتج به كل أرباب الصحاح ، وان كان له أوهام مغمورة وغيره أبرع في الحديث منه فيرميه بالكذب ، ويقدم عليه الواقدي الذي اجمعت الحفاظ علي تركه،فهو في مقالته هذه خارق للاجماع بيقين ."[1]

---

[1] (سیر أعلام النبلاء للذهبي : ۸/۲۲۶ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة)

ترجمہ: عقیلی اپنی کتاب "الضعفاء الکبیر" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن احمد بن حماد نے ہمیں بیان کیا کہ میں نے محمد بن عثمان ثقفی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب عباس بن عبدالعظیم عبدالرزاق کے پاس سے "صنعاء" سے واپس تشریف لائے تو ہم سے فرمایا اور ہم ایک جماعت کی شکل میں تھے کہ کیا میں نے عبد الرزاق تک پہنچنے میں مشقتیں نہیں جھیلیں؟ میں اُن کے پاس گیا اور اُن کے پاس قیام کیا یہاں تک کہ میں نے اُن سے (حدیث کا) سماع کیا جتنا کہ میں چاہتا تھا، قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں کہ عبدالرزاق کذاب ہے اور واقدی اُس سے زیادہ سچا ہے۔" میں (علامہ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ بلکہ اللہ کی قسم اعباس اپنی قسم میں بری نہیں ہوئے، اُنہوں نے شیخ الاسلام، محدث وقت اور ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ جنہیں تمام ارباب صحاح حجت مانتے ہیں اس قسم کے الفاظ بول کر بہت برا کیا، اگرچہ اُن کے اوہام وخیالات فاسد اور باطل ضرور تھے، لیکن حدیث میں وہ واقدی سے زیادہ کامل تھے ان پر یہ کذاب ہونے کی تہمت لگا رہا ہے، اور ان پر واقدی کو مقدم کر رہا ہے کہ جس کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے، پس وہ اپنی اس بات میں یقیناً اجماع کی مخالفت کر رہا ہے۔

روایت ہذا کی فنی حیثیت:

اس روایت کا راوی "محمد بن احمد بن حماد الدولابی" بذات خود ضعیف ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن عدي: ابن حماد متهم فيما قاله في نعيم بن حماد لصلابته في أهل الرأي. وقال حمزة السهمي: سألت الدارقطني عن الدولابي، فقال: تكلموا فيه لما تبين من أمره الأخير. وقال ابن يونس: كان الدولابي من أهل الصنعة حتى التصنيف وكان يضعف." [1]

ترجمہ: ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ابن حمادؒ اُس بات میں متہم ہے جو اُس نے نعیم بن

---

[1] میزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ۴۵۹/۳، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت، لبنان

حمادؒ کے بارے میں کہی ہے، کیوں کہ اہل رائے کے معاملہ میں یہ سخت ہے۔ اور حمزہ کنانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنیؒ سے دولابیؒ کے بارے میں سوال کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ محدثین نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اُس بات کی وجہ سے جو اُس کے آخری معاملہ میں ظاہر ہوئی۔ اور ابن یونسؒ کہتے ہیں کہ دولابیؒ اہل صنعت میں سے تھا یہاں تک کہ تصنیف بھی کرتا تھا، اور یہ ضعیف تھا۔

لہٰذا یہ روایت بھی باطل، مردود اور ناقابل حجت ہے۔

اور ایک دوسری روایت جو زید بن مبارک سے مروی ہے اُس میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو "کذاب یسرق" کہا ہے۔[1]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"ابن عساکر نے بروایت زید بن مبارک عبدالرزاق محدث کے متعلق "کذاب یسرق" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔"[2]

لیکن اس روایت میں حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد ابوعبداللہ نعیمیؒ نقل روایت میں غیر محتاط ہیں۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن السمعاني : سألت أبا القاسم الحافظ (ابن عساكر)عنه فقال : ما كان يعرف شيئاً ." وسألت ابن ناصر عنه ، فقال : كان يذهب الى الاعتزال ، وكان حاطب ليل ، يسمع من كل أحد ."[3]

ترجمہ: ابن سمعانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابن عساکرؒ سے ابوعبداللہ نعیمیؒ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: "وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔" اور میں نے ابن ناصر سے اُن کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "وہ یکسوئی کی طرف جاتے تھے اور

---

[1] " عن زيد بن المبارك : " ان عبد الرزاق كذاب يسرق " (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۶/۱۹۱ ، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[2] (تاريخ دمشق لابن عساكر: ج ۳۸ ص ۱۳۰ ، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۳)

[3] (تاريخ الإسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۳۶/۱۴۴ ، الناشر: دار الكتاب العربي بيروت / لبنان)

گفتگو میں رطب و یابس ملاتے تھے اور ہر کسی سے روایات کا سماع کر لیتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ "جرح" امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہما رحمۃ اللہ علیہما کبار ثقات کی توثیق کے مقابلے میں مردود اور باطل ہے۔

خلاصۂ کلام:

اس ساری بحث و تمحیص کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱- جمہور اہل فن محدثین عظام کے نزدیک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ و صدوق یعنی صحیح الحدیث و حسن الحدیث راوی ہیں، بشرطیکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور روایت اختلاط سے پہلے کی ہو۔

۲- جمہور محدثین کی "توثیق" کے بعد بعض روایتوں میں وہم ثابت ہو جانے سے اُن کا راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ ثقہ و صدوق ہی رہتا ہے، البتہ وہم ثابت ہو جانے والی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے، یعنی ایسی صورت میں وہم کا اثر صرف نفس روایت پر پڑتا ہے اُس کے راوی پر نہیں پڑتا۔

۳- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد "یخطئ" وغیرہ جرحیں بھی مردود ہو جاتی ہیں۔

۴- جمہور محدثین کی توثیق کے بعد اوّل تو فضائل و مناقب کی احادیث کو "مناکیر" قرار دینا ہی صحیح نہیں ہے، دوسرے اگر "مناکیر" کو محض جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلس روایتوں ہی سے ہے۔

۵- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "اختلاط" کا الزام ثابت ہے اور چوں کہ ۲۰۰ھ کے بعد آپؒ نابینا ہو گئے تھے، اس لئے آپؒ کے نابینا ہو جانے کے بعد جس نے آپؒ سے حدیث کا سماع کیا اُس کا سماع ضعیف ہے!

۶- "اختلاط" کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ جس ثقہ و صدوق راوی کی روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہوں وہ تو صحیح ہوتی ہیں، البتہ "اختلاط" کے بعد والی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں۔

۷- چوں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایتیں "اختلاط" سے پہلے کی ہیں اور بعض "اختلاط" کے بعد کی، لہٰذا آپ کی مطلق روایات پر "اختلاط" کی جرح کرنا کوئی جرح ہے ہی نہیں۔

۸- نیز چوں کہ "تدلیس" کا الزام بھی آپؒ پر ثابت ہے اور "تدلیس" کے بارے میں محدثین کا اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی "عن" والی روایت (معتبر متابعت یا معتبر شاہد کے بغیر) ضعیف ہوتی ہے اور چوں کہ

آپ ایک ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ثقہ وصدوق راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر "تدلیس" کی جرح کوئی جرح ہی نہیں ہوتی، لہٰذا آپ پر بھی "تدلیس" کی جرح کوئی جرح شمار نہیں ہوگی۔

۹- اسی طرح آپ پر جوں کہ "تشیع" کا الزام بھی ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آپ کا رافضی شیعہ ہونا قطعاً ثابت نہیں، بلکہ آپ میں جو "تشیع" پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت علی ؓ کی حضرت عثمان ؓ پر افضلیت کا "تشیع" تھا جو ایک تو یسیر تھا اور دوسرا غیر مفسر۔

۱۰- قرینہ اس پر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی حضرت علی ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ پر فضیلت دینے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، اور حضرت علی ؓ پر رحم کرے، جو اُن سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے، اور میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، اللہ اُن سب سے راضی ہو اور اُن سب پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔[1]

آپؒ کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس "تشیع یسیر" سے بھی رجوع فرمالیا تھا جو پہلے آپ کے قلب میں تھا۔

۱۱- آپؒ نے اپنی کتاب "المصنف" میں جہاں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایات اخذ کی ہیں تو وہیں حضرت معاویہ ؓ سے بھی روایات لی ہیں، آپ لاکھ ڈھونڈیں آپ کو حضرت معاویہ ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرنے والا کوئی شیعہ ساری دُنیا میں ایک بھی نہیں ملے گا۔

۱۲- جن روایات میں آپ کا "تشیع شدید" مروی ہے مثلاً حضرت عثمان ؓ کی گستاخی والی روایت، حضرت عمر ؓ کو "الوک" کہنے والی روایت اور ابوسفیان ؓ کے بیٹے کے تذکرے سے ہماری مجلسوں کو آلودہ نہ کرو والی روایات ہیں تو ان میں سے کوئی ایک روایت بھی بہ سند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

۱۳- آپ کی روایت پر دو طرح سے جرح مروی ہے:

۱- امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ اور معمرؒ دونوں کو "کثیر الخطاء" کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ امام ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح جمہور محدثین کی تعدیل وتوثیق کے مقابلہ میں ہے اس لئے یہ جرح باطل اور مردود ہے۔

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۹/۳۶، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

۴-اور دوسرے عباس بن عبدالعظیم نے آپ کو "کذاب" کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا راوی محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت بھی باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

پس اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ثقہ وصدوق راوی اور ایک عظیم عبقری سنی محدث اور ایک مشہور راوئ حدیث اور اپنے زمانے کے یکتائے روزگار صاحب علم وقلم عالم تھے، آپ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا الزام بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

﴿۲﴾

مؤرخِ اسلام امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۳۱۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: محمد، کنیت: ابوجعفر، والد کا نام: جریر اور دادا کا نام: یزید ہے۔

والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔''

آپؒ طبرستان (موجودہ ایران) کے علاقہ ''ماژندران'' کے رہنے والے تھے، اسی مناسبت سے آپؒ کو طبری کہا جاتا ہے۔

ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت طبرستان کے مشہور شہر ''آمل''[1] میں عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کے عہد خلافت میں ۲۲۴ھ بمطابق ۸۳۸ء میں وقت ہوئی، جب ہر چہار سو علم وفضل کے چرچے اور زہد وورع کی مثالیں زبان زد عوام تھیں۔

تحصیل علم:

سات سال کی عمر میں آپؒ نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، آٹھ سال کی عمر میں امامت جیسا اہم فریضہ سر

---

[1] ''آمل'' بحیرۂ خزر سے بیس (۲۰) کلومیٹر جنوب میں، کوہ البرز سے دس (۱۰) کلومیٹر شمال میں اور ایک سو اسی (۱۸۰) کلومیٹر مشرق میں تہران سے دور دریائے ہراز کے ساحل پر واقع ہے۔

انجام دینے لگے، نو سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کر دی، اور جب اپنی زندگی کے بارھویں سال میں آپؒ نے قدم رکھا تو تحصیل علوم وکسب فنون کی خاطر گھر سے نکل پڑے، سولہ سال کی عمر کو پہنچے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا دل میں داعیہ پیدا ہوا، اس لئے بغداد کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابتداء میں آپؒ نے "رے" میں علم حاصل کرنا شروع کیا پھر "کوفہ" کا رخ کیا اور وہاں محمد بن بشارؒ، اسمٰعیل بن موسیٰ سدیؒ، ہناد بن السریؒ، محمد بن عبد الاعلیٰ الصنعانیؒ، احمد بن منیعؒ، یعقوب بن ابراہیم الدورقیؒ، اور محمد بن علاء الہمدانیؒ سے شرف تلمذ طے کیا۔

اس کے بعد "شام" اور "بیروت" چلے گئے اور وہاں عباس بن ولید البیروتیؒ کی صحبت میں قرآن مجید کی مختلف روایات قرأت کی مشق کی، اور پھر "مصر" روانہ ہو گئے، درمیان میں ایک بار پھر "شام" جانا ہوا، اور پھر وہاں سے "مصر" واپسی ہوئی جہاں آپؒ نے "فقہ شافعی" کی تعلیم حاصل کی۔

دوران تعلیم آپؒ کے تمام تر اخراجات آپؒ کے والد محترم ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ انتقال کے وقت والد نے آپؒ کے لئے ایک زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا جس سے آپؒ اپنا گزر بسر کرتے تھے۔

شیوخ واساتذہ:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مشہور شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ محمد بن حمید رازی تمیمی (المتوفی ۲۴۱) "رے" میں ﴿۲﴾ ابو ہمام ولید بن شجاع (المتوفی ۲۴۳) "کوفہ" میں ﴿۳﴾ عمران بن موسیٰ لیثی بصری (المتوفی ۲۴۰ھ) "بصرہ" میں ﴿۴﴾ احمد بن منیع بغوی ابو جعفر (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۵﴾ محمد بن علاء ہمدانی ابو کریب (المتوفی ۲۴۷ھ) "کوفہ" میں ﴿۶﴾ محمد بن عبد الملک بن شوارب بصری اُموی (المتوفی ۲۴۴ھ) ﴿۷﴾ محمد بن بشار عبدی بصری (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۸﴾ یعقوب بن ابراہیم دورقی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۹﴾ بشر بن عبد الاعلیٰ صنعانی الہمدانی (المتوفی ۲۴۵ھ) ﴿۱۰﴾ ربیع بن سلیمان ازدی (المتوفی ۲۵۰ھ) ﴿۱۱﴾ حسن بن محمد زعفرانی بغدادی شافعی (المتوفی ۲۶۰ھ) ﴿۱۲﴾ اسماعیل بن یحییٰ مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۳﴾ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم مالکی مؤرخ (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۴﴾ ہناد بن سری تمیمی (المتوفی ۲۴۳ھ) ﴿۱۵﴾ سلیمان بن عبد الرحمان خلاد طلحی (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۶﴾ یونس بن عبد الاعلیٰ صدفی (المتوفی ۲۶۴ھ) ﴿۱۷﴾ علی بن سراج مصری ابو الحسن (المتوفی ۲۵۲ھ) ﴿۱۸﴾ احمد بن یحییٰ ثعلب کوفی (المتوفی

۳۰۸ھ) ﴿۱۹﴾ شیخ عباس بن ولید بیروتی (المتوفی ۲۷۰ھ)

لیکن اسماعیل بن ابراہیم مزنی، اسماعیل بن ربیع بن سلیمان مرادی، اور محمد بن عبدالحکم آپؒ کے شیوخ میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

علمی اسفار:

علاوہ ازیں تحصیل علم کے لئے آپؒ نے مختلف ملکوں اور شہروں شام، عراق، مصر، بغداد اور کوفہ و بصرہ وغیرہ جیسے ممالک کی خاک چھانی اور بیسیوں ارباب علم و عمل اور اصحاب فضل و کمال کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے تمام علوم و فنون میں کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں آفتاب نصف النہار جیسے بام عروج کو چھوا، اور امام، مجتہد، مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ اور لغوی اور مقری وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے ملقب ہوئے۔

درس و تدریس:

تحصیل علم کے بعد تقریباً دس (۱۰) سال تک آپ بغداد میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور تقریباً اتنے ہی سال تک منصب "افتاء" پر بھی فائز رہے اور اس دوران فقہ شافعی کے مطابق فتوے بھی دیتے رہے، جس کی بناء پر آپ کا شمار کبار علمائے شوافع میں ہونے لگا۔

تلامذہ و شاگرد:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور شاگرد یہ ہیں:

﴿۱﴾ ابوشعیب عبداللہ بن الحسن حرانیؒ (المتوفی ۲۹۵ھ) یہ عمر میں آپؒ سے بڑے تھے ﴿۲﴾ امام حافظ ابوقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ (المتوفی ۳۶۰ھ) ﴿۳﴾ شیخ قاضی ابوبکر بن کامل (المتوفی ۳۵۰ھ) ﴿۴﴾ امام ابو احمد عبداللہ بن عدیؒ (المتوفی ۳۶۵ھ) ﴿۵﴾ قاضی ابوالفرج معافی بن زکریا نہروانی معروف بہ ابن طرارؒ (المتوفی ۳۹۰ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

تصانیف:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ جامع البيان في تفسير القرآن (یہ اہل سنت کے ہاں سب سے قدیم تفسیر اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔) ﴿۲﴾ تاريخ الرسل والملوك المعروف بتاريخ الطبري (تاریخ کے لحاظ سے یہ کتاب بھی اولیں ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔) ﴿۳﴾ تهذيب الآثار وتفصيل معاني ثابت عن رسول الله ﴿۴﴾ اختلاف الفقهاء ﴿۵﴾ أدب النفوس الجيدة واخلاق النفيسة ﴿۶﴾ آداب القضاء ﴿۷﴾ آداب المناسک ﴿۸﴾ التبصير في معالم التنزيل ﴿۹﴾ بسيط القول في أحكام الاسلام ﴿۱۰﴾ الذيل المذيل ﴿۱۱﴾ صريح السنة۔

امام ابن جریر طبری اساطین علم کی نظر میں:

مندرجہ ذیل اساطین علم نے امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے:

﴿۱﴾ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

"أبو جعفر محمد بن جرير الطبري ، الامام المشهور ، مجتهد ، صاحب مذهب مستقل"[1]

ترجمہ: ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام، مجتہد اور ایک مستقل صاحب مذہب ہیں۔

﴿۲﴾ امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں:

"الحبر البحر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري ... وكان مجتهداً لايقلد أحداً قاله في العبر . قال امام الأئمة ابن خزيمة ما أعلم علي الأرض أعلم من محمد بن جرير ، وقال أبو حامد الاسفرائيني الفقيه لو سافر رجل الي الصين حتي يحصل تفسير محمد بن جرير لم يكن كثيراً وكذلك أثني

---

[1] (تهذيب الأسماء واللغات : ۲/۳۲۶ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

ابن تيمية علي تفسيره للغاية ... وكان ذا زهد وقناعة ... قال الخطيب "كانت الأئمة تحكم بقوله وترجع الي رأيه لمعرفته وفضله بجمع من العلوم مالم يشاركه فيه احد من أهل عصره ."[1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علم کے بحرِ ذخار تھے ... کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، جیسا کہ "العبر" میں ہے۔ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "روئے زمین پر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا عالم میرے علم میں نہیں ہے۔" امام ابو حامد اسفرائینی فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو پانے کے لئے چین (یعنی دور دراز) کا بھی سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات شمار نہیں ہوگی۔" اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ ... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ زہد و قناعت کے پیکر تھے۔ امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت و فضیلت کے سبب وقت کے امام آپؒ کے قول کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے اور آپؒ ہی کی رائے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ ... امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے دیگر علوم فنون پر دسترس حاصل تھی کہ جن میں اُن کے ہم عصر علماء میں سے کوئی ایک بھی اُن کی مشارکت نہ کر سکا۔ (ترجمہ ختم)

﴿۳﴾ امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی کا حوالہ:

امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سنة عشر وثلاث مائة فيها ببغداد توفي الحبر البحر الامام أحد العلماء الأعلام صاحب التفسير الكبير والتاريخ الشهير والمصنفات العديدة والأوصاف الحميدة أبو جعفر محمد بن جرير الطبري كان مجتهداً لايقلد أحداً . قال امام الأئمة المعروف بابن خزيمة ما علي وجه الأرض أفضل من محمد بن جرير ولقد ظلمته الحنابلة ." وقال الفقيه الامام مفتي الأنام ابو

---

[1] العقد المذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي (۱/ ۳۰۱، الناشر: دار ابن كثير، دمشق، بيروت)

حامد الاسفرائيني : "لوسافر رجل الى الصين حتى يحصل تفسير محمد بن جرير لم يكن كثيراً." قلت وناهيك بهذا الثناء العظيم والمدح الكريم من هذين الامامين الجليلين البارعين النبيلين . ومولده بطبرستان سنة أربع وعشرين ومائتين ، وكان ذا زهد وقناعة ، توفي في أواخر شوال من السنة المذكورة،وكان اماماًفي فنون كثيرةمنها التفسيروالحديث والفقه والتاريخ وغيرذلك. وله مصنفات مليحة في فنون عديدة يدل على سعة علمه وغزارة فضله،وكان ثقة في نقله وتاريخه . قيل تاريخه أصح التواريخ وأثبتها وذكره الشيخ أبو اسحاق في طبقات الفقهاء من حملة المجتهدين ."[1]

ترجمہ ۳۱۰ھ میں علم کے بحرِ غار امام، بہت بڑے عالم، بڑی تفسیر، مشہور تاریخ اور مختلف کتابوں کے مصنف اور اوصاف حمیدہ کے مالک' ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ امام الائمہ جو کہ امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ: "(اس وقت) میری معلومات کی حد تک (تمام) روئے زمین پر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے افضل کوئی شخص نہیں ہے۔ لیکن حنابلہ نے ان پر (بہت بڑا) ظلم کیا ہے۔" اور فقیہ امام مفتی الانام ابو حامد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اگر کوئی شخص محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے چین (یعنی دور دراز) کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" میں کہتا ہوں کہ ان دو جلیل القدر بارع اور نبیل اماموں نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں جو بڑی ثناء اور عمدہ تعریف بیان کی ہے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ آپؒ کی جائے پیدائش طبرستان ہے جس میں ۲۲۴ھ میں آپؒ پیدا ہوئے۔ آپؒ بڑے زاہد اور قناعت اختیار کرنے والے تھے۔ آپؒ نے اسی مذکورہ سال (۳۱۰ھ) میں ماہ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، آپؒ نے اسی مذکورہ سال (۳۱۰ھ) میں ماہ شوال کے اواخر میں وفات پائی۔ امام

---

[1] (مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان للیافعی : ۲/۱۹۵، الناشر : دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

طبری رحمۃ اللہ علیہ بیسیوں فنون کے امام تھے، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ جیسے فنون شامل ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے مختلف علوم وفنون میں انتہائی عمدہ اور بہترین کتابیں تصنیف کی ہیں، جو کہ آپؒ کی وسعت علمی اور کثرت فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ نقل روایت اور تاریخ میں آپؒ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ: "تاریخ کی کتابوں میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ ثابت (سچی اور پکی) ہے۔" شیخ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو "طبقات فقہاء" مجتہدین میں سے گردانا ہے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

" أبو جعفر محمد بن جرير طبري من أهل طبرستان امام في الفقه والحديث والتفسير والتاريخ . مات ببغداد سنة عشر وثلاث مائة ." [1]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے رہنے والے ہیں۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ کے امام ہیں، آپ کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

﴿۵﴾ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" و في ذي القعدة منها أحضر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري الى دار الوزير عيسى بن علي لمناظرة الحنابلة في أشياء نقموها عليه فلم يحضروا ولا واحد منهم ." [2]

ترجمہ: اور (۳۰۹ھ) کے ذی قعدہ کے مہینے میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وزیر عیسیٰ بن علی کے گھر تشریف لے گئے، تاکہ جن بعض چیزوں کے بارے میں

---

[1] بيان الوهم والايهام في كتاب الأحكام للفاسي : ۵/ ۶۴، الناشر : دار طيبة ، الرياض)

[2] البداية والنهاية لابن كثير : ۱۱/ ۱۵۲، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

حنابلہ نے آپ پر ظلم کیا ہے، آپ اس بارے میں ان سے مناظرہ کریں، لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی سامنے نہ آسکا۔

﴿۶﴾ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) بھی لکھتے ہیں کہ

"وفي ذي القعدة أحضر أبو جعفر محمد بن جرير الطبري دار علي بن عيسى لمناظرة الحنابلة فحضر ولم يحضروا فعاد الى منزله وكانوا قد تقدموا عليه أشياء ....."[1]

ترجمہ: ذی قعدہ کے مہینہ میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ حنابلہ سے مناظرہ کرنے علی بن عیسیٰ کے گھر تشریف لے گئے، آپ تو حاضر ہو گئے تھے، لیکن وہ لوگ حاضر نہیں ہوئے، اس لئے آپ واپس اپنی منزل کی طرف لوٹ آئے۔ دراصل حنابلہ کو آپ کے بارے میں چند اشکالات تھے۔

﴿۷﴾ علامہ ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوالفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

"وكان حافظاً لكتاب الله، عارفاً بالقراءات، بصيراً بالمعاني وكان من المجتهدين لم يقلد أحداً وكان فقيهاً عالماً عارفاً بأقاويل الصحابة والتابعين ومن بعدهم"[2]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ کے حافظ، قراءات کے پہچاننے والے، معانی پر بصیرت رکھنے والے تھے۔ آپ مجتہدین میں تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ آپ فقیہ، عالم اور اقوال صحابہ، وتابعین اور تبع تابعین کے پہچاننے والے تھے۔

الغرض امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار خیر القرون کے اُن ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے جنہوں نے آنے

---

[1] المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي ۱۳: ۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] المختصر في أخبار البشر، لأبي الفداء، أسماء الرواة ۲: ۷۱، الناشر: المطبعة الحسينية)

والی نسلوں کے لئے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کا ایک ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا کہ جس سے قیامت تک آنے والی اُمت مسلمہ سیراب ہوتی رہے گی۔

وفات حسرت آیات:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں مؤرخہ ۲۸ شوال ۳۱۰ھ بمطابق ۱۸ فروری ۹۲۳ء کو بہ عمر ۸۶ سال ہفتہ کی شام کو عصر کے قریب بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور "باب یعقوب" میں واقع اپنے مکان میں مدفون ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپؒ کے نماز جنازہ میں اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کہ جن کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں، کئی ماہ تک آپ کی نماز جنازہ ادا ہوتی رہی۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے گھر میں دفن کرنے کا سبب:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا، عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض فقہی مسائل اور "حدیث غدیر خم" کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔ حالاں کہ ائمہ اہل السنۃ میں سے کون ہے، جس کا کوئی قول بھی کسی فقہی مسئلے یا کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں شیعوں سے نہ ملتا ہو؟ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ جس شخصیت میں شیعیت کی بو بھی ہو وہ اس کو معاف نہیں کرتے، مگر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے متعلق وہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

> "وأما التفاسير التي في أيدي الناس فأصحها تفسير محمد بن جرير الطبري فانه يذكر مقالات السلف بالأسانيد الثابتة وليس فيه بدعة ولا ينقل عن المتهمين مقاتل بن بكير والكلبي "[1]

ترجمہ: اور بہرحال وہ تمام تفاسیر جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں (معروف و متداول) میں تو اُن سب میں سب سے زیادہ صحیح تفسیر امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، کیوں کہ وہ ثابت سندوں کے ساتھ سلف کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور اس میں کوئی

---

[1] (الفتاوی الکبری لابن تیمیۃ: ۵/ ۸٤، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

نئی چیز نہیں ہوتی، اور نہ آپؒ مقاتل اور کلبی وغیرہ جیسے متہم راویوں سے (کوئی روایت) نقل کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں اُن کے دشمن ہو گئے تھے۔ اُن کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد اُنہوں نے "مقابر مسلمین" میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الىٰ الرفض ، ومن الجهلة من رماه بالالحاد وحاشاه من ذلك كله ." [1]

ترجمہ: آپؒ اپنے گھر میں دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنبلیوں اور بعض نچلے طبقہ کے کمینے لوگوں نے دن میں آپ کو دفن کرنے سے روک دیا اور آپ کی رفض کی طرف نسبت کی، اور بعض جاہلوں نے آپ پر ملحد ہونے کی تہمت لگائی، حالاں کہ آپ ان چیزوں سے بالکل پاک ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی زیادتی پر امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" لقد ظلمته الحنابلة " [2]

ترجمہ: آپؒ پر حنابلہ نے ظلم کیا ہے۔

اس کے بعد آپؒ کی بدنامی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ آپؒ ہی کے ہم عصروں میں ایک اور شخص محمد بن جریر طبری کے نام سے معروف تھا اور وہ شیعہ تھا، لیکن کوئی شخص جس نے کبھی آنکھیں کھول کر خود تفسیر ابن جریر اور تاریخ طبری کو پڑھا ہے، اس غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتا کہ ان کا مصنف شیعہ تھا، یا یہ دونوں کتابیں اُس شیعہ محمد بن جریر طبری کی

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۱/۱۶۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۱/۱۶۶، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

لکھی ہوئی ہیں۔[1]

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو بنیادی اعتراضات:

بنیادی طور پر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو قسم کے مشہور اعتراضات کیے جاتے ہیں:

پہلا مشہور اعتراض:

۱- پہلا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپ شیعہ اور روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

دوسرا مشہور اعتراض:

۲- دوسرا مشہور اعتراض یہ ہے کہ آپ کی تفسیر " جامع البیان فی تاویل القرآن " اور آپ کی تاریخ " تاریخ الأمم و الملوک المعروف بتاریخ الطبري " میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم السلام کی شدید ترین توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہیں۔

ذیل میں سردست ہم صرف انہیں دو اعتراضات کی اصل حقیقت اور ان کا جواب پیش کرتے ہیں:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر شیعہ و روافض کے لئے احادیث گھڑنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ ثابت کرنے کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " لسان المیزان " سے حافظ احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے سیاق و سباق نیز اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے سے آنکھیں چراتے ہوئے نقل کیا ہے تاکہ کسی طرح اس سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ ہونا ثابت ہو سکے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" الحافظ المتقن احمد بن علی السلیمانی (م ۴۱۳ھ) فرماتے ہیں کہ

---

[1] سنی ابن جریر اور شیعہ ابن جریر دونوں کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "لسان المیزان: ۵/ ۱۰۰ - ۱۰۳" تکملہ ملاحظہ فرمائیں۔ آج کل بعض لوگ بڑی بے تکلفی کے ساتھ تاریخ طبری کے مصنف کو شیعہ مؤرخ بلکہ غالی شیعہ تک قرار دے رہے ہیں۔ غالباً ان کا خیال ہے کہ بے چارے اُردو خواں لوگ کہاں اصل کتاب کو پڑھ کر حقیقت حال معلوم کر سکیں گے؟۔

" كان يضع للروافض ."[1]

ترجمہ: محمد بن جریر بن یزید طبری رافضیوں کے لئے احادیث گھڑتے تھے۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کی اصل حقیقت:

حالاں کہ اگر کوئی بھی انصاف پسند شخص " لسان المیزان " کی مذکورہ بالا پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اُس پر تبصرے کے ساتھ پڑھ لے تو برملا اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا شیعیت سے دُور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ وہ ایک سچے اور پکے سُنّی عالم ہیں۔

چنانچہ ذیل میں ہم "لسان المیزان" کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق اور ترجمہ نیز اُس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تاکہ قارئین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب کھل جائے اور اُن کا مجہوث طشت از بام ہو جائے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن جرير بن يزيد الطبري الامام الجليل المفسر أبو جعفر صاحب التصانيف الباهرة مات سنة عشر وثلاث مائة ثقة صادق فيه تشيع يسير ومؤالاة لاتضر، أقذع أحمد بن علي السليماني الحافظ فقال: كان يضع للروافض كذا قال السليماني وهذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار أئمة الاسلام المعتمدين وما تدعي عصمته من الخطأ ولا يحل لنا أن نؤذيه بالباطل والهوى فان كلام العلماء بعضهم في بعض ينبغي أن يتأتى فيه ولاسيما في مثل امام كبير فلعل السليماني أراد الآتي انتهى ولو حلفت أن السليماني ما أراد الا الآتي لبررت والسليماني حافظ متقن كان يدري مايخرج من رأسه فلا أعتقد أنه يطعن في مثل هذا الامام بهذا الباطل والله أعلم.

والصواب أن التشيع لأنه صحح حديث غدير خم وقد اعتذر شيخنا أبو

---

[1] لسان المیزان لابن حجر العسقلانی: ۵/ ۱۰۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۲۸)

حيان بكلام السليماني فقال في الكلام علي الصراط في أوايل تفسيره وقال أبو جعفر الطبري وهو امام من أئمة الامامية الصراط بالفساد لغة قريش الي آخر المسالة وتبهت عليه لئلا يغتر به فقد ترجمه أئمة النقل في عصره وبعده فلم يصفوه بذلك وانما ضره الاشتراك في اسمه واسم ابيه ونسبه وكنيته ومعاصرته وكثرة تصانيفه والعلم عند الله تعالي قاله الخطيب "[1]

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمۃ اللہ علیہ بڑے امام، مفسر اور قابل فخر کتابوں کے مصنف ہیں سن ۳۱۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ ثقہ اور صادق ہیں۔ آپ میں تھوڑا بہت تشیع اور موالات (اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) تھا جو کہ مضر نہیں۔ آپ کو احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ نے برا بھلا کہا اور کہا کہ: آپ "روافض کے لئے احادیث گھڑتے تھے، جیسا کہ سلیمانی نے کہا ہے، لیکن یہ بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے ظن کاذب کا نتیجہ ہے، بلکہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو ائمہ اسلام کے کبار اور معتمد علیہ علماء میں سے ایک ہیں اور خطاء سے ان کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور ہمارے لئے حلال نہیں ہے کہ ہم انہیں باطل چیزوں اور اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے تکلیف پہنچائیں حالاں کہ سلیمانی حافظ ہیں، متقن ہیں وہ جانتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے دماغ سے نکل رہا ہے، پس میں اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتا کہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام کے بارے میں اس قسم کی باطل باتوں کے ذریعے طعن کیا ہو۔ ہاں! البتہ ہم ان کے تشیع سے برأت کا اعلان کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے حدیث "غدیر خم" کی تصحیح کی ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ حافظ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں لفظ "صراط" پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں" صراط بالسین" یہ قریش کی لغت ہے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (لسان المیزان لابن حجر العسقلاني: ۵/ ۱۱۰، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات - بيروت)

الی آخر المسالة اور میں نے اس بات پر اس لئے متنبہ کیا ہے تا کہ اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے، کیوں کہ ائمہ نقل نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور ان کی زندگی کے بعد بھی آپ کی سوانح عمری لکھی ہیں لیکن انہوں نے (اس قسم کی باتوں سے) آپ کو ان جیسی چیزوں کے ساتھ متصف نہیں کیا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جو ضرر پہنچا ہے وہ آپ کے نام، آپ کے والد کے نام، آپ کی نسبت، آپ کی کنیت، آپ کی معاصرت اور آپ کی کثرت تصانیف میں دوسروں کی مشارکت کی وجہ سے پہنچا ہے۔ واللہ اعلم قال الخطیب۔ (ترجمہ ختم)

اور صرف یہی نہیں بلکہ تھوڑا آگے چل کر اپنی اسی کتاب "لسان المیزان" میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذكر شيخنا في الذيل بما تقدم أوّلاً وكأنه سقط من نسخته أراد الآتي بعد لعل السليماني الي آخره وكأنه لم يعلم بأن في الرافضة من شاركه في اسمه واسم أبيه ونسبه وانما يفترقان في اسم الجد ولعل ما حكي عن محمد بن جرير الطبري من الاكتفاء في الوضوء بمسح الرجلين انما هو هذا الرافضي فانه مذهبهم."[1]

ترجمہ: اور ہمارے شیخ نے ذیل میں اس بات کو ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، گویا ان کے نسخے سے "لعل السلیمانی ..... الخ" کے بعد "اراد الآتی" کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں اس بات کا (قطعاً کوئی) علم نہیں تھا کہ روافض میں سے ایک شخص ان کے نام، ان کے والد کے نام اور ان کے نسب میں ان کے (برابر کا) شریک تھا اور ان دونوں میں فرق ان کے داداؤں کے نام سے ہوتا ہے (کہ امام طبری سنّی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام یزید ہے اور امام طبری رافضی کے دادا کا نام رستم ہے) اور یہ جو محمد بن جریر طبری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وضوء میں (صرف) پاؤں پر مسح کرنے کو کافی سمجھتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس سے یہی امام طبری رافضی مراد ہوں، کیوں کہ یہ

---

[1] لسان المیزان لابن حجر العسقلانی: ۶/۱۰۳، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بیروت، لبنان)

شیعوں کا مذہب ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ان کی عبارت کے سیاق وسباق کو حذف کر کے، نیز ان کے تبصرے سے نظریں چراتے ہوئے اپنی پسند کا مطلب نکال کر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور نامراد جسارت کی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ: "دفن ليلاً بداره لأن العامة اجتمعت، ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض، ثم ادعوا عليه الالحاد ....."[1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے جنہوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان پر رفض یعنی رافضی ہونے کا پھر اس کے ساتھ ساتھ ان پر ملحد ہونے کا بھی الزام لگایا گیا۔

امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اس کے سیاق وسباق کو حذف کر کے نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں موصوف کے جاندار تبصرے سے نظریں چرا کر ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر ایک مذموم علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اس کے سیاق وسباق اور ان کے جاندار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین باتمکین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی کی علمی خیانت اور اخلاقی بددیانتی کی قلعی مکمل طرح سے کھل کر ان کا بھانڈا پھوٹ جائے اور اصل حقیقت خوب اچھی طرح کھل کر قارئین کرام کے سامنے آجائے۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"وفي هذه السنة توفي محمد بن جرير الطبري صاحب التاريخ

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر الجزری: ۸/ ۱۳۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۹

ببغداد ومولده سنة أربع وعشرين ومائتين ودفن ليلاً بداره لأن العامة اجتمعت ومنعت من دفنه نهاراً وادعوا عليه الرفض ثم ادعوا عليه الالحاد وكان علي بن عيسى يقول: "والله! لو سئل هؤلاء عن معني الرفض والالحاد ماعرفوه ولافهموه هكذا ذكره ابن مسكويه صاحب تجارب الأمم وحوشي ذلك الامام عن مثل هذه الأشياء "[1]

ترجمہ: اور اسی سال (۳۱۰ھ میں صاحب تاریخ الامم والملوک) محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں وفات پائی۔ آپ کی پیدائش ۲۲۴ھ میں ہوئی تھی۔ آپ رات کے وقت اپنے گھر ہی میں دفن کیے گئے، کیوں کہ عام لوگ جمع ہو گئے تھے اور انہوں نے دن کے وقت آپ کو دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان لوگوں نے آپ کے خلاف رافضی ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر اس کے بعد آپ کے ملحد ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ امام علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں سے "رفض" اور "الحاد" کا مطلب مفہوم پوچھا جائے تو نہ تو یہ لوگ اس کو جانتے ہوں گے اور نہ ہی اس کو سمجھتے ہوں گے (عوام کالانعام جو ہوئے) اسی طرح صاحب" تجارب الأمم" امام ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ حاشاو کلا کہ ان جیسی چیزوں کا امام طبری رحمۃ اللہ علیہ سے صدور ہوا ہو۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی اور شیعہ ثابت کرنے کے لئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت بھی اس کے سیاق وسباق نیز امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے کے بغیر ہی اپنی مرضی اور پسند کا مطلب نکال کر توڑ مروڑ کر نقل کر دی ہے۔

چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الي الرفض." [2]

---

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير الجزري، ۶/ ۶۷۷، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت، لبنان)

[2] البداية والنهاية لابن كثير، ۱۱/ ۱۴۷، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۶۹)

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور ان کی نسبت "رفض" کی طرف کردی تھی۔ (ترجمہ ختم)

حسب سابق یہاں پر بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی علمی خیانت اور اپنی اخلاقی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام ابن کثیر کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کی عبارت اُس کے سیاق وسباق نیز امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں آپؒ کے تبصرہ کے بغیر ہی نقل کردی ہے۔

اب ذیل میں ہم "البداية و النهاية" کی پوری عبارت بمع اس کے سیاق وسباق نیز امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق اور آپؒ کے دفاع میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاندار تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں، تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمائے اہل سنت دشمنی کا خوب سے خوب تر پرچار ہو جائے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" ودفن في داره لأن بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الي الرفض ومن الجهلة من رماه بالحاد وحاشاه من ذلك كله بل كان أحد ائمة الاسلام علماً وعملاً بكتاب الله وسنة رسوله "[1]

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے، کیوں کہ بعض عام حنابلہ اور اُن کی رعایا نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور اُن کی نسبت رفض کی طرف کرنے لگ گئے تھے۔ بعض جاہل لوگ آپؒ کی نسبت "الحاد" کی طرف بھی کرنے لگتے ہیں۔ حاشا وکلا کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی جائے، بلکہ وہ تو ائمہ اسلام میں سے ایک امام ہیں، اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے باعمل عالم ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نہ رافضی تھے اور نہ ہی ملحد بلکہ وہ ایک بڑے اور پکے سنی عالم، مفسر قرآن اور مؤرخ اسلام تھے۔ آپؒ کے خلاف یہ سب کچھ ایک خاص پروپیگنڈے کے طور پر کیا گیا

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۱۱/۱۴۷، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

چنانچہ وطن عزیز ملک پاکستان کے مشہور و معروف تجزیہ کار و کالم نگار جناب اور یا مقبول جان صاحب کے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض باطل و فاسد افکار و نظریات اور بعض منفی خیالات کے رد میں عصر حاضر کے عظیم محقق، ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم دین مولانا عبدالمتین منیری صاحب دامت کاتم العالیہ "امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مظلومیت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"شیعہ حضرات نے اس لئے آپؒ کے شیعہ ہونے کی تشہیر کی تاکہ حدیث و روایت کے ایک ستون پر سے اعتماد اٹھ جائے اور ایک اہم امام حدیث و فقہ کی صورت مسخ ہو جائے۔" [1]

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ ان میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" (اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکاؤ) پایا جاتا تھا تو وہ مضر نہیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"فيه تشيع يسير وموالاة لاتضر." [2]

ترجمہ: آپؒ میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے کہ:

"فيه تشيع يسير وموالاة لاتضر." [3]

ترجمہ: آپؒ میں تھوڑا بہت "تشیع" اور "موالات" پایا جاتا ہے جو کہ مضر نہیں۔

سلف صالحین کے نزدیک لفظ "تشیع" کا مفہوم:

اور علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۶ھ) نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"قال غير الخطيب: ودفن لبلاً خوفاً من العامة لأنه كان يتهم بالشيعة." [4]

---

[1] (اشکریہ ایپ سائٹ "فکر و خبر" بھٹکل، انڈیا)

[2] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي: ۴۹۹/۳، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

[3] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ۱۰۰/۵، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، لبنان)

[4] (معجم الأدباء إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب للحموي: ۲۴۴۱/۶، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

ترجمہ: امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور کا قول ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ عوام کے خوف سے رات کے وقت دفن کیے گئے، کیوں کہ وہ "شیعیت" سے متہم تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے متقدمین وعلمائے متاخرین ہر دو کے نزدیک لفظ "شیعیت" کا مفہوم الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

لفظ "تشیع" کا مفہوم علمائے متقدمین کے نزدیک:

چنانچہ علمائے متقدمین کے نزدیک لفظ "شیعیت" کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے وہ "شیعہ" ہے، لہٰذا یہ بات عین ممکن ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی وجہ سے "شیعیت" کے نام سے متہم کیا جاتا ہے۔

لفظ "تشیع" کا مفہوم علمائے متاخرین کے نزدیک:

اور علمائے متاخرین کے نزدیک "شیعیت" کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خالص قسم کا رافضی ہو اس کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ علي عثمان وأن عليا كان مصيبا في حروبه وأن مخالفه مخطئٌ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة۔"[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں لفظ "تشیع" کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور اُن کے مخالف خطاء پر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں "شیعہ" سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک "شیعیت" "خالص" "رفض" کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی

---

[1] (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني ۹۴۱ . الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية . الهند.)

ہے اور نہ ہی اُس کی عزت کی جا سکتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور اس بات کا اعتراف خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی ہے۔

چنانچہ وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..... متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اُس شخص کو جو تمام اُصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے "شیعہ" قرار دیا ہے۔"[1]

اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اُس شخص کو جو تمام اُصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو "شیعہ" قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ اس سے اُس شخص کا اس معروف و متداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلے میں ہے، اس لئے کہ لفظ "شیعہ" مشایعت بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، شیعہ حضرات خالی زبانی دعویٰ کی حد تک ان سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اس لئے متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ "شیعہ" کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی یا حضرات اہل بیت کا پیروکار ہو۔ گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ شیعہ اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آ گیا اور اس لفظ کا بکثرت اطلاق اس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت کے اصل پیروکار لوگوں نے اس لفظ کا استعمال اپنے لئے کرنا ترک کر دیا اور انہوں نے اپنا نیا نام "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فالشيعة والتشيع والمشايعة في اللغة تدور حول معني المتابعة والمناصرة والموافقة بالرأي والاجتماع علي الأمر أو المماثلة عليه. ثم غلب هذا الاسم - كما يقوله صاحب اللسان، والقاموس، وتاج العروس -

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۸)

علي كل من يتولي عليا وأهل بيته وهذه العلة محل نظر ،ل أنه اذا تأمل الباحث في المعني اللغوي للشيعة والذي يدل علي المتابعة والمناصرة ، ثم نظر الي أكثر فرق الشيعة التي غلب اطلاق هذا الاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتها بالشيعة من الناحية اللغوية ، لأنها غير متابعة لأهل البيت علي الحقيقة ، بل هي مخالفة لهم ومجافية لطريقهم. ولعل هذا ما لاحظه شريك بن عبد الله حينما سأله سائل :أيهما أفضل ابوبكر أو عليّ؟ فقال له:"ابوبكر" فقال السائل:" تقول هذا وأنت شيعيّ!" فقال له :"نعم! من لم يقل هذا فليس شيعيّاً والله لقد رقي هذا الأعواد علي ، فقال :ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ، ثم عمر ، فكيف نرد قوله وكيف نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً. فالامام شريك لاحظ أن غير المتابع لعليٍّ لايستحق اسم التشيع ،لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذا آثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة .وقد لجأ المتابعون ل أهل البيت عليْ الحقيقة ، والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجأوا الي ترك هذا اللقب لماغلب اطلاقه عليْ أهل البدع المخالفين لأهل البيت، كما يشير صاحب التحفة الاثني عشرية الي ذلك فيقول: ان الشيعة الأولي تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا أنفسهم بأهل السنة والجماعة ."[1]

ترجمہ: پس "شیعہ، تشیع اور متابعت، متابعت، مناصرت، رائے میں موافقت کرنے، کسی بات پر اجتماع کرنے یا کسی معاملہ میں مدد کرنے کے معنی کے اردگرد گھومتا ہے۔

---

[1] (أصول مذهب الشيعة الإمامية الاثني عشرية - عرض ونقد للقفاري: ١/ ٣١ - ٣٢) و (الفواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم لابن العربي: ١/ ٢٧٤، الناشر: دار الجيل - بيروت - لبنان)

[2] (آل رسول الله وأولياؤه للعاصمي: ١/ ١٢٤) و (مختصر التحفة الاثني عشرية: ١/ ٣١٠ - الناشر: المطبعة السلفية - القاهرة) و (الشيعة والتشيع - فرق وتاريخ للشيخ احسان الهي ظهير: ١/ ١٦٠، الناشر: ادارة ترجمان السنة - لاهور - أباكستان)

پھر اس لفظ کا غالب استعمال (صاحب لسان البیان، قاموس اور تاج العروس کی تصریحات کے مطابق) ہر اس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی ؓ اور حضرات اہل بیت ؓ کو والی مقرر کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے۔ اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ "شیعہ" اور اس لفظ کے لغوی معنی میں غور و فکر کرے جو متابعت اور مناصرت پر دلالت کرتا ہے، پھر شیعہ حضرات کے اُن اکثر و بیشتر فرقوں کی طرف دیکھے کہ جن پر اس نام کا غالب اطلاق ہوتا ہے تو اسے ایسے لگے گا کہ از روئے لغت لفظ "شیعہ" کا اطلاق ان پر درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور (یہ بھی) ہو سکتا ہے کہ شریک بن عبداللہ نے یہ بات اس وقت ملاحظہ فرمائی ہو جب کہ ایک شخص نے آکر ان سے یہ سوال کیا کہ: "حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت علی ؓ میں سے کون افضل ہے؟" تو آپ نے فرمایا کہ: "ابوبکر ؓ افضل ہیں!" سائل نے کہا "آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا "ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔" اللہ کی قسم! حضرت علی ؓ کا موقف اور اُن کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: "خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر ؓ ہیں پھر حضرت عمر ؓ ہیں، پھر ہم کیسے حضرت علی ؓ کی بات کو رد کر دیں یا اسے جھٹلا دیں؟ حالاں کہ اللہ کی قسم! حضرت علی ؓ جھوٹے نہیں تھے۔

امام شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرمایا کہ جو شخص حضرت علی ؓ کا پیروکار نہ ہو، وہ اپنے لئے "شیعہ" نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں، اس لئے لفظ "شیعہ" حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے شیعوں کا "رافضی" نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ "شیعہ" کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا، اس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب "تحفہ اثنا عشریہ" نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "لفظ "شیعہ" جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو

پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور (آئندہ کے لئے مستقل طور پر) اپنا لقب "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب "الفرق الاسلامیة" لکھتے ہیں:

" وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط أساساً بأطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده. فعلى هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول: "أنهم يقدمون علياً على عثمان فقط." [1]

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ "شیعہ" کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار ادلتے بدلتے عقائد ونظریات کے ساتھ مربوط ہے۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ "شیعہ" کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: "وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھتے تھے اور بس۔"

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں فاضل حاشیہ نگار لکھتے ہیں:

" وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة. لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها. لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة. وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعلي بعد اتفاقهم علي تقديم ابي بكر وعمر ايهما أفضل، فقدم قوم عثمان وسكتوا أو ربّعوا بعليّ، وقدم قوم علياً، وقوم توقفوا، لكن استقر امر أهل السنة علي تقديم عثمان." [2]

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو شیعہ کہا جاتا تھا، لیکن درحقیقت یہی اہل

---

[1] (الفرق الاسلامية: ۴۷/۱)

[2] (حاشية الفرق الاسلامية: ۴۷/۱)

سنت والجماعت تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کی افضلیت کا مسئلہ ان کے اُن اُصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اُسے گمراہ قرار دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان ؓ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا، یا حضرت علی ؓ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی ؓ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان ؓ کے حضرت علی ؓ پر مقدم ہونے پر مستقر ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱- ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں اہل سنت والجماعت کا پرانا نام "شیعہ" بمعنی حضرت علی ؓ اور حضرات اہل بیت ؓ کے پیروکار لوگ تھا لیکن جب اس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی ؓ اور حضرات اہل بیت ؓ کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اس موجودہ دور میں "شیعہ" کہا جاتا ہے تو تب اہل سنت والجماعت نے اپنا یہ پرانا نام بدل کر اپنے لئے "اہل سنت والجماعت" کا ایک نیا نام منتخب کر لیا، لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ "شیعہ" لکھا ہوا نظر آئے تو اس سے اُس عالم کا اہل سنت والجماعت میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

اور دوسری یہ کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علماء حضرت عثمان ؓ پر حضرت علی ؓ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی "اہل سنت والجماعت" ہی میں سے ہیں "شیعہ" نہیں ہیں۔[1]

نتیجہ:

پس مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہو گیا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ شمس الدین ذہبی اور علامہ یاقوت حموی کے حوالے سے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو جو موجودہ دور کا "رافضی شیعہ" ثابت کرنے

---

[1] اس موضوع پر مزید تفصیلی کلام اور تحقیقی مباحث "علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ" کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔ رفیع

کی اپنی سے جو غیر اجتہادی، مذموم مساعی اور ناکام کوششیں کی ہیں وہ باطل، مردود اور ناقابل التفات ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ علمائے اہل سنت والجماعت کے ایک نابغہ روزگار مؤرخ، ایک نامور مفسر، ایک عظیم محقق اور ایک صحیح العقیدہ سچے اور پکے سنی عالم دین ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر توہین آمیز روایات نقل کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی تفسیر "جامع البیان فی تأویل القرآن" اور آن کی تاریخ "تاریخ الملوک والأمم المعروف بتاریخ الطبري" میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شدید ترین توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور یہی نہیں بلکہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں

"امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "جامع البیان فی تاویل القرآن" اور "تاریخ الأمم والملوک" میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام ؓ کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء اور محفوظیت صحابہ عظام ؓ کے منافی ہیں..... حالاں کہ انبیائے کرام علیہم السلام بعد از نبوت ہی نہیں بلکہ قبل از نبوت بھی صغائر و کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کے برعکس تفسیر طبری میں منقول موضوع اور اسرائیلی روایات کی رُو سے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف قصداً و عمداً ابتدائی حسیس اور گھٹیا صغائر و کبائر کی نسبت کرنا پڑتی ہے۔..... کیا اس موقع پر یہ جواب کہ "وہ سند لکھ کر بری الذمہ ہو گئے ہیں۔" بجائے خود "توہین و گستاخی" نہیں ہے؟"..... بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری "سند" بیان کرنے کے بعد بری الذمہ ہو گئے ہیں[1] قرآن وحدیث ﴿یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا﴾ و ﴿کفی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع﴾ کی صریح مخالفت ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۷۰، ۷۱)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تاریخ وتفسیر میں توہین آمیز روایات نقل کرنے کی حقیقت:

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ زمانہ خیر القرون میں نقل حدیث وروایت میں تقریباً تمام متقدمین، مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث وروایات ان کی سند کے تذکرے کا سہارا لے کر لاتے تھے، ان کی سند صحیح ہو یا نہ ہو یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم بھی ہو اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا احادیث وروایات کے نقل کرنے سے مؤاخذہ سے انہیں بری کر دیتا تھا کیوں کہ اس زمانے میں اسانید کا علم لوگوں کے سینوں میں مکمل طور پر محفوظ تھا، وہ جب بھی کسی سے کوئی حدیث یا روایت نقل کرتے تھے تو فوراً سند کی کسوٹی پر اس کی صحت وسقم کو پرکھ لیتے تھے، اگر سند صحیح ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو صحیح مان لیتے اور اگر سند صحیح نہ ہوتی تو اس حدیث یا روایت کو ٹھکرا دیتے تھے۔ اس لئے سند کے ذکر کرنے سے نقل حدیث وروایت کے سلسلے میں وہ حضرات مکمل طور پر ہر طرح کے مؤاخذہ سے بری تھے۔

گویا اُس زمانے میں احادیث وروایات کی صحت وسقم کو پرکھنے کا معیار اور تھا اور اس زمانے میں اور ہے اس لیے آج کل کے زمانے کو اُس زمانے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

علمائے اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''علم حدیث'' میں علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کی حیثیت بنیاد کی ہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ''مسند ابو داؤد طیالسیؒ، مسند عبید اللہ بن موسیٰ، مسند امام احمد بن حنبلؒ، مسند اسحاق بن راہویہؒ، مسند عبد بن حمیدؒ، مسند امام دارمیؒ، مسند ابو یعلی موصلیؒ، مسند حسن بن سفیانؒ، مسند بزار ابو بکرؒ اور ان جیسی کتابوں میں اُن کے مصنفین کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اُس کی روایت کردہ احادیث لائیں چاہے وہ احادیث حجت بنیں یا نہ بنیں (اس کی کوئی قید نہیں ہے)۔''

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ماضی قریب کے عظیم محقق اور نامور محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدۃ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں:

"وهذا الذي قال ابن الصلاح في عادة أصحاب المسانيد: هو شأن المتقدمين من المحدثين والمفسرين والمؤرخين، فقد جرت عادتهم أن يوردوا كل ما في الباب من الأحاديث والأخبار، ولو كان غير صحيح الأسناد، أو كان اسناده باطلاً يعلمون بطلانه، اتكالاً منهم على ذكر سنده

فان ذكر السند يُبرئ الذمة من المؤاخذة في ايراده، اذ قد كان (علم الاسناد) بعيش فيهم على أتم وجه. وما أحسن ما قاله الأستاذ السيد محب الدين الخطيب في كلمة له في (مجلة الأزهر) في المجلد ٢٣ (ص ٢٣١) عنوانها: "(و المرجع الأولي في تاريخنا)". و بدأ فيها بالحديث عن كتاب (تاريخ الأمم والملوك) للامام المحدث المفسر المؤرخ ابن جرير الطبري رحمه الله تعالى، فقال: "ان مثل الطبري ومن في طبقته من العلماء الثقات المتثبتين – في ايرادهم الأخبار الضعيفة – كمثل رجال النيابة – القضاء – الآن اذا أرادوا أن يبحثوا في قضية فانهم يجمعون كل ما تصيل اليه ايديهم من الأدلة والشواهد المتصلة بها مع علمهم بتفاهة بعضها او ضعفه اعتماداً منهم على ان كل شيء سيقدر قدره. وهكذا الطبري وكبار حملة الأخبار من سلفنا كانوا لا يفرطون في خبر مهما علموا من ضعف ناقله خشية أن يفوتهم باهماله شيء من العلم ولو من بعض النواحي، الا انهم يوردون كل خبر معزواً الى راويه، ليعرف القارئ قوة الخبر من كون رواته ثقات أو ضعفه من كون رواته لا يوثق بهم وبذلك يرون أنهم أدوا الأمانة ووضعوا بين أيدي القراء كلّ ما وصلت اليه أيديهم.

قال الحافظ ابن حجر في ترجمة الطبراني:– سليمان بن أحمد – من (لسان الميزان) ان الحفاظ الأقدمين يعتمدون في رواياتهم الأحاديث الموضوعة –مع سكوتهم عنها –على ذكرهم الأسانيد لاعتقادهم أنهم متى أوردوا الحديث باسناده فقد برئوا من عهدته، واسندوا أمره الى النظر في اسناده.

وقال شيخنا الامام الكوثري رحمه الله تعالى في كتابه (المقالات، ص ٣١٢ و ٣٢١):

"و اما المحدثون و المفسرون الذين ذكروه - أي الحديث الموضوع - و سكتوا عليه فلا يدل صنيعهم هذا على صحته عندهم اصلاً، لأن السلف كانوا يعتقدون براءة ذمتهم من عهدة الخبر الباطل اذا ذكروه بسنده لما في السند من بيان البطلان..... ومن يزعم خلاف ذلك فقد جهل ما هنالك وقول تقويل بلا آفك !."

وابن جرير الطبري على جلالة قدره في الحديث والتفسير والفقه والتاريخ لم يضمن اصلاً صحة ما اورده في (تاريخه)، بل قال في فاتحته: (۵/۱): "فما كان في كتابي يستكره قارئه او يستشنعه سامعه من أجل انه لم يعرف له وجهاً في الصحة، ولا معنى في الحقيقة، فليعلم انه لم يُؤت ذلك من قبلنا، وانما أُتي من قبل بعض ناقليه الينا، وانما ادينا ذلك على نحو ما أُدي الينا." وقال هناك أيضاً: (۳/۱): "اذ لم نقصد بكتابنا هذا قصد الاحتجاج."[1]

ترجمہ: اوپر جس بات کا ذکر علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے "اصحاب مسانید" کے بارے میں کیا ہے، یہی قدیم مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا شیوہ رہا ہے، کیوں کہ اُن کی عادت یہ تھی کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث واخبار ان کی سند کا سہارا لے کر ذکر کرتے ہیں، چاہے ان کی سند صحیح ہو یا صحیح نہ ہو یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم ہو، اس لئے کہ سند کا ذکر کرنا ان روایات کے لانے پر مؤاخذہ سے انہیں بری کر دیتا ہے، کیوں کہ ان کے زمانہ میں علم الاسناد مکمل طور پر سینوں میں محفوظ ہوتا تھا۔

استاذ سید محب الدین خطیب نے (مجلۃ الازہر ج ۲۳ ص ۲۲۳) کے شمارہ میں "ہماری تاریخ میں پہلے مراجع" کے زیر عنوان "امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "تاریخ الامم والملوک" پر روشنی ڈالتے ہوئے کتنی سچی بات لکھی ہے کہ

---

[1] (التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة لأبي غدة ص ۹۱)

''امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے طبقہ کے دوسرے معتبر اور جید علماء کے ضعیف روایات نقل کرنے کی مثال آج کل کے دور میں عدالتی پروسیکوٹر کی سی ہے کہ جب وہ کسی مقدمہ کی تحقیق کر رہے ہوتے ہیں تو اس سے متعلقہ دست یاب ہونے والے تمام دلائل اور شواہد اکٹھا کرتے ہیں۔ حالاں کہ انہیں ان میں سے بعض کے بودے اور ضعیف ہونے کا خوب اچھی طرح علم بھی ہوتا ہے، لیکن وہ اس اعتماد پر اسے نقل کر لیتے ہیں ہر چیز کو (خود ہی) اس کی قدر و قیمت کے مطابق تول لیا جائے گا۔''

اسی طرح امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن جیسے دوسرے عالمین روایات ہمارے اسلاف اپنے تک پہنچنے والی کسی خبر کے بارے میں ضعف جاننے کے باوجود اس روایت میں اس وجہ سے تفریط نہیں کرتے تھے کہ اسے چھوڑ دینے سے علم کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے۔ البتہ اتنا ضرور کرتے ہیں کہ وہ ہر ایک روایت کو اس کی سند کے ساتھ لاتے ہیں تاکہ قاری معتبر راویوں کی پہچان کی بنیاد پر اس روایت کی مضبوطی کو جان سکے (اور اسے پرکھ سکے) یا پھر غیر معتبر راویوں کی بنیاد پر اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کا فیصلہ کر لے۔ اس طرح وہ حضرات سمجھتے تھے کہ ان کے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے انہوں نے اپنے پڑھنے والوں تک (خوب) دیانت داری کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں امام سلیمان بن احمد طبرانی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: ''متقدمین حفاظ حدیث موضوع اور من گھڑت احادیث ان کی سندوں کے ساتھ روایت کر کے ان پر سکوت اختیار کر لیتے تھے، کیوں کہ انہیں خوب اچھی طرح سے یہ بات معلوم تھی کہ جب انہوں نے ایک حدیث سند کے ساتھ روایت کر دی ہے تو وہ اپنے عہدے سے برآ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اس روایت (کی صحت و علم) کا معاملہ اس کی سند میں غور و خوض کرنے کی طرف پھیر دیتے تھے۔''

ہمارے استاذ علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ''مقالات'' میں فرماتے ہیں کہ:

''رہے محدثین اور مفسرین کہ جو موضوع اور من گھڑت حدیث ذکر کر کے اس پر سکوت اختیار

کر لیتے ہیں، تو اس کا (ہرگز) یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ کیوں کہ سلف صالحین (حفاظ محدثین علمائے کرام) یہ سمجھتے تھے کہ جب وہ ایک غلط، ضعیف اور کمزور روایت کو (بھی) سند کے ساتھ ذکر کر دیں تو وہ اس غلط، ضعیف اور کمزور روایت کے نقل کرنے کے عہدہ سے برآ ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ سند کے اندر (بھی) اس روایت کے باطل ہونے کا ذکر موجود ہوتا ہے۔ ..... اور جو شخص اس کے خلاف سمجھے تو وہ ابھی تک اس (حقیقت) سے جاہل ہے اور (ان حضرات کے بارے میں) اس کا یہ گمان ان پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان 'حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ میں بالکل اس بات کی ضمانت نہیں دیتی کہ انہوں نے جو روایات اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہوں، بلکہ انہوں نے تو خود اپنی تاریخ کے شروع میں لکھا ہے کہ:

''لہٰذا ہماری اس کتاب (تاریخ طبری) میں کسی خبر و روایت کو پڑھنے والا اجنبی محسوس کرے، یا سننے والا صحیح قرار دے صرف اس بنا پر کہ وہ اس روایت کو درست نہیں سمجھتا تو اسے جان لینا چاہیے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی ملمع سازی یا رنگ آمیزی نہیں کی، بلکہ بعض ناقلین سے وہ ہمیں اسی طرح آ پہنچی ہے، پس ہم نے اس کو اسی طرح آگے لکھ دیا جس طرح وہ ہم تک پہنچی ہے۔'' (ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں صحیحین (بخاری و مسلم) کے علاوہ حدیث کی جو دیگر بڑی بڑی کتابیں جیسے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن دار قطنی، سنن دارمی اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ ہیں تو انہوں نے اپنی کتابوں میں صرف صحیح روایات کے لانے کا التزام نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہر قسم کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی اسناد بھی ذکر کر دیں تا کہ روایات کی صحت و سقم کا اندازہ قارئین از خود ان کی اسناد سے لگا سکیں کہ اگر کسی روایت کی سند صحیح ہو تو اسے قبول کر لیں اور اگر صحیح نہ ہو تو اسے رد کر دیں۔

چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف صحیح روایات کو نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے بلکہ جو روایت ان تک پہنچتی گئی انہوں نے اس روایت کو اس کی سند کے ساتھ من و عن نقل کر دیا اور یہ ذمہ داری قاری پر چھوڑ

دی کہ وہ جس روایت کی سند صحیح پائے اسے صحیح قرار دے اور جس روایت کی سند صحیح نہ پائے اسے رد کر دے۔

طرفہ تماشا:

لیکن یہ ایک عجیب طرفہ تماشا ہے کہ اگر یہی کام مذکورہ بالا محدثین امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام دارقطنیؒ، امام دارمیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ حضرات کریں تو وہ محمود قرار پائیں اور اگر امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کریں تو وہ مطعون اور رافضی قرار پائیں؟۔ خدایا! یہ کیا تماشا ہے؟۔ اس کے بارے میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

فما هو جوابكم فهو جوابنا.

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ کہنا کہ:

"..... بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ "سند" بیان کرنے کے بعد بری الذمہ ہو گئے ہیں' قرآن وحدیث ﴿ يا أيها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا ـــ ﴾ و ﴿ كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ماسمع ﴾ کی صریح مخالفت ہے۔"[1]

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۷۳، ۷۴)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا محض سند بیان کر کے بری الذمہ ہو جانے سے اس وقت قرآن وحدیث کی مخالفت لازم آتی جب کہ وہ اپنی منقول شدہ روایات وواقعات پر کلی اعتماد کر کے آنے والی اُمت کے لئے انہیں حرف آخر کے طور پر پیش فرما دیتے، حالاں کہ انہوں نے اپنے صاف اور واشگاف الفاظ میں لکھا ہے:

"اذ لم نقصد بكتابنا هذا قصد الاحتجاج بذلك "[1]

ترجمہ: اس کتاب (تاریخ طبری) کے لکھنے کا یہ مقصد نہیں کہ لوگ اسے بطور حجت اور دلیل کے پیش کرنے کا قصد کرنے لگ جائیں۔ (ترجمہ ختم)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عصر حاضر کے نامور محقق مولانا عبد التین منیری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ الأمم والملوك المعروف تاريخ الطبري، ۱/ ۷، الناشر: دار التراث، بيروت)

''جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اس لئے نہیں مرتب کی تاکہ لوگ اس سے سند لیں اور حجت پکڑیں، بلکہ ان تک جو پہنچا' آئندہ نسل کے لئے من وعن پیش کر کے علم وروایت کی حفاظت کی اپنی ذمہ داری ختم کر دی۔ اب تحقیق کے مرحلوں سے گزار کر اسے مستند بنانا آپ کا کام ہے۔''

(بشکریہ ویب سائٹ ''فکر وخبر'' بھٹکل (انڈیا)

چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تحقیق اور اُن کی اسانید کی صحت پر علمی دُنیا میں کافی تحقیقی کام ہوا بھی ہے اور ہو بھی رہا ہے۔

بطور مثال کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

﴿۱﴾..... ''تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة من روايات الامام الطبري والمحدثين.'' تصنیف: ڈاکٹر احمد دون، صفحات ۶۹۴۔

اس کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین دور رفتہ سے متعلق امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ روایات و دیگر محدثین کی نقل کردہ روایات سے موازنہ کر کے ایک ایک راوی اور ایک ایک واقعہ پر سیل حاصل بحث کی گئی ہے۔

﴿۲﴾..... ''مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري.'' تصنیف: یحیٰی بن ابراہیم بن علی الیحیی، صفحات: ۲۵۸۔

اس کتاب میں ''تاریخ طبری'' کے اہم ضعیف راوی ابو مخنف کی ایک ایک روایت کی چھان بین اور اُس کی تحقیق کی گئی ہے۔

﴿۳﴾..... ''رجال تفسير الطبري جرحاً وتعديلاً'' تصنیف: محمد حسن بن حسن الحلاق، صفحات ۶۰۸۔

اس کتاب میں تفسیر طبری کے جملہ راویوں کی فرداً فرداً تحقیق کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں دو عظیم علماء ''شیخ احمد شاکر'' اور ''شیخ محمود شاکر'' کی رائے بیان کی گئی ہے۔

﴿۴﴾..... ''صحيح تاريخ الطبري وضعيف تاريخ الطبري.'' تصنیف: محمد طاہر البرزنجی، اشراف: محمد حسن حلاق۔

تیرہ (۱۳) جلدوں میں مطبوعہ اس کتاب میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک روایت کے بارے میں اُس کے صحیح یا ضعیف ہونے کے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔

اس طرح طبری کی سند کے ایک ایک راوی اور روایت کردہ واقعات کی تحقیق کی گئی ہے اور اُن کا موازنہ مستند محدثین کی روایات سے کیا گیا ہے۔

خاص طور پر سعودیہ کی یونی ورسٹیوں میں ان موضوعات پر ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقی مقالات تیار ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اور کئی یونی ورسٹیوں میں ان تشنہ موضوعات پر باقاعدہ مقالات لکھے جا رہے ہیں۔'' ؎

حیرت ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے ان مقالہ نگاروں میں سے کسی ایک مقالہ نگار اور محقق کے ذہن میں بھی اس وسوسہ کا شائبہ تک نہ گزرا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام تر روایات جمع کر کے عظیم صحابی کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی اور اُن پر تنقید کی ہے؟۔

؎ (بشکریہ ویب سائٹ ''قمر نیوز'' بھٹکل (انڈیا) بتغیر یسیر)

﴿۳﴾

مفسر قرآن امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۳۷۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، کنیت: ابوبکر، لقب: جصاص، اور والد کا نام: علی ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"احمد بن علی بن حسین..... الخ۔"

"جصص" عربی میں "چونے" کو کہتے ہیں اور آپؒ چوں کہ "چونے" کا کام کرتے تھے اس لئے "جصاص" کے لقب سے مشہور ہوئے، اور چوں کہ آپؒ کی ولادت "رے" نامی شہر میں ہوئی تھی، اس لئے "رازی" بھی کہلانے لگے، نیز چوں کہ آپؒ "حنفی المذہب" بھی تھے اس لئے حنفی بھی کہلانے لگے۔ آپؒ بجا طور پر امام زمانہ، مجتہد وقت، علامۂ عصر، حافظ الحدیث، صاحب عفت ودیانت اور عابد وزاہد عالم تھے۔

ولادت باسعادت:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ ۳۰۵ھ بمطابق ۹۱۷ء کو پیدا ہوئے، اور پچیس سال کی عمر میں بغداد کی طرف منتقل ہو گئے، وہیں سکونت اختیار کی، اور وہیں کے فقہاء سے علم حاصل کیا، اور آپؒ ہی پر "ریاست حنفیہ" منتہی ہوتی ہے۔

علمی مقام:

بعض علماء نے آپؒ کو "طبقۂ اصحاب تخریج" میں شمار کیا ہے، لیکن یہ آپؒ کی ذات کے ساتھ انصاف نہیں

ہے، چنانچہ بعض فضلاء نے آپؒ کو "طبقہ اصحاب تخریج" میں شمار کرنے کو درحقیقت آپؒ پر ظلم کرنے کے مترادف گردانا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ کی گراں قدر تصانیف اور علمی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو شمس الائمہ وغیرہ فقہاء جن کو ﴿اصحاب مجتهدين في المسائل﴾ میں شمار کیا گیا ہے آپؒ کے سامنے بمنزلہ طفل دبستان کے نظر آتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں آپ کو کیوں کر ﴿طبقة مجتهدين في المسائل﴾ میں شمار نہ کیا جائے؟۔

تقویٰ وطہارت:

علامہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے امام تھے، زہد وتقویٰ میں آپ مشہور تھے، آپ کو عہدۂ قضاء سونپا گیا، لیکن آپ نے اُس کو قبول سے انکار کر دیا، دوبارہ عہدہ سونپا گیا، لیکن پھر بھی آپؒ نے قبول نہیں فرمایا۔

اساتذہ وشیوخ:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اصحاب علم اور ارباب فضل وکمال کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے:

﴿۱﴾ ابی سہل الزجاج۔

﴿۲﴾ ابوالحسن الکرخی۔

ان کے پاس آپ کافی لمبا عرصہ رہے اور انہیں کے یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تدریس کرتے رہے اور وہیں ان کی رحلت ہوئی۔ زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ پچیس برس کی عمر میں آپؒ بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم کیا، پھر "اہواز" کی طرف روانہ ہو گئے، پھر دوبارہ "بغداد" تشریف لائے اور پھر اپنے استاذ ابوالحسن الکرخی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور مشورے سے امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ "نیشاپور" چلے گئے، اور ابھی آپؒ "نیشاپور" ہی میں تھے کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ۳۴۰ھ میں پھر "بغداد" واپس تشریف لائے اور امام ابوبکر احمد بن موسیٰ خوارزمی، امام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدیؒ فقیہ جرجان، امام قدوریؒ کے استاذ امام ابوالفرج احمد بن محمد بن عمرؒ (جو کہ ابن مسلمہ کے لقب سے مشہور ہیں) امام ابوجعفر محمد بن احمد نسفیؒ، امام ابوالحسین محمد بن احمد بن احمد الزعفرانیؒ، اور امام ابوالحسین محمد بن احمد الطیب الکارخیؒ

قاضی واسطہ قاضی اسمٰعیل کے والد سے علم فقہ حاصل کیا۔

جب کہ حدیث کی روایت دو اساتذہ سے کی:

(۱) عبدالباقی بن قانع۔

اپنی آپ تفسیر "احکام القرآن" میں آپ نے بہ کثرت روایات ان سے اخذ کیں۔

(۲) ثعلب کے غلام ابوعمر۔

تصانیف:

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور گراں قدر تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ احکام القرآن ﴿۲﴾ شرح مختصر شیخ ابوالحسن الکرخی ﴿۳﴾ شرح مختصر الطحاوی ﴿۴﴾ شرح جامع محمد بن حسن ﴿۵﴾ شرح اسماء الحسنیٰ ﴿۶﴾ کتاب اصول الفقہ (یہ کتاب امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصول فقہ میں یہ ایک مفید کتاب ہے۔) ﴿۷﴾ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات اور اُن کے جوابات (یعنی اپنے اوپر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات)

وفات حسرت آیات:

علامہ ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر پا کر یوم دو شنبہ (پیر کے دن) ۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ کو بمقام نیشاپور وفات پائی (اور اس طرح علم کا یہ ماہتاب ۱۰ سمندر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔) آپ کی نماز جنازہ آپ کے ساتھی امام ابوبکر الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔[۷]

امام ابوبکر الجصاص اور اُن کی تفسیر "احکام القرآن":

اس میں شک نہیں کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" اس باب میں کوئی پہلی تصنیف نہیں ہے، بلکہ آپ سے پہلے بھی کئی علماء نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے، لیکن آپ کی یہ تصنیف "احکام القرآن" اس موضوع اور اس فن میں تصنیف شدہ دیگر تمام تفاسیر سے کئی ایک وجوہ کی بناء پر ممتاز اور فائق شمار کی جاتی ہے مثلاً:

۱- آیات احکامات سے شرعی مسائل کے استنباط کرنے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا ملکہ اور قوۃ بہ نسبت

---

۷ (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي، ۱/ ۸۵، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، آلي اكستان)

دوسرے علماء کے کہیں زیادہ ہے۔

۲-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ آیات احکامات سے مسائل مستنبط کرنے کے ساتھ ساتھ علماء کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں، پھر اس سے قرآن وسنت اور لغات عربیہ اور اپنی فکری ونظری قوت سے خوب شرح وبسط کے ساتھ دلائل ذکر کرتے ہیں۔

۳-پھر صرف یہی نہیں بلکہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجتہدانہ علم وفضیلت کی روشنی میں ان دلائل کی توجیہات اور مرجوح دلائل کا مرجوح اور راجح کا راجح ہونا بھی بیان فرماتے ہیں۔

۴-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ مسائل شرعیہ سے متعلقہ آیات کی تفسیر بڑی بالغ نظری سے فرماتے ہیں۔

۵-جہاں کہیں قرآن وحدیث یا ائمہ مجتہدین کی آراء کا کوئی تعارض یا ٹکراؤ آجائے تو امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اُن میں بڑے اہتمام سے تطبیق دیتے ہیں۔

۶-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ جہاں اسلامی اور تشریعی اُمور کے مظاہر ومحاسن بیان فرماتے ہیں تو وہیں کسی عالی مقام شخصیت کے صفات محمودہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

مثلاً ایک جگہ اسلامی اور تشریعی مظاہر محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "دس چیزیں فطرت سے ہیں ..." اور پھر اُس کے بعد دو عالی مقام انسانوں (انبیاء) کی صفات محمودہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ مذکورہ دس فطری چیزیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں سے ثابت ہیں۔

۷-امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ تاریخ سے متعلقہ تمام چیزوں کے ذکر کرنے کا غایت درجہ اہتمام فرماتے ہیں۔

یہ چند خصوصیات اس کتاب کی ایسی ہیں جن میں کوئی دوسری کتاب اس کی ہمسری نہیں کرسکتی۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن ان تمام تر فضائل اور ظاہری وباطنی خوبیوں کے باوجود دشمنوں اور حاسدوں کی طعن وتشنیع سے آپ کسی طرح بھی بچ نہ سکے، کسی نے آپ پر معتزلی ہونے کا الزام لگایا ہے تو کسی نے حضرت معاویہ ؓ سے قدح ہونے کا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (امام جصاصؒ) معتزلی عقائد سے متاثر تھے اور اُن کا یہ رجحان اُن کی تفسیر میں صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، امام ابوبکر جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وعناد میں جملہ ''دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ'' سے سبقت لے گئے ہیں، موصوف کی تفسیر ''احکام القرآن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے قلم نے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا زہر بکھیرا ہے:

''صدق الله مولانا العظيم قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر ــــ'' ''ترجمہ: ظاہر ہو چکا ہے بغض اُن کے مونہوں سے اور جو چھپا رکھا ہے اُن کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

محقق اہل سنت اور شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابو ریحان عبدالغفور صاحب سیال کوٹی لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ ان (امام جصاصؒ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خدا واسطے کا بیر اور بغض ہے، احکام القرآن میں کوئی موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے ان پر ضرور چوٹ کرتے ہیں، بلکہ موقع نہ ہو تو موقع نکال لیتے ہیں۔

اُن کے نزدیک چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قابل ''تولی'' نہیں بلکہ ہیں ہی قابل تبرا، اس لئے بایں ہمہ علم وفضل اور امامت واجتہاد اپنے مقام رفیع سے کہیں نیچے اُتر کر اُن پر خوب تبرا کرتے ہیں، چوں کہ مجتہد ہیں اس لئے اُن کا یہ تبرا بھی مجتہدانہ شان کا حامل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسا تبرا نہ اُن سے پہلے آپ نے کسی سُنی حنفی امام سے سُنا ہوگا نہ اُن کے بعد۔''[1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ:

اس میں شک نہیں کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی معرکۃ الآراء تصنیف ''احکام القرآن'' میں بعض باتیں ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن پر بظاہر نقد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ ہم بادی النظر میں نکیر

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۲)

کے فقیر بن کر آپؒ پر طعن وتنقید اور خواہ مخواہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعض ایسی باتوں کا تحقیق کی گہرائی میں جا کر علمی وتحقیقی کا جائزہ لیں، اور اُن کی اصلیت سامنے لے کر آئیں۔

چنانچہ جن باتوں کی وجہ سے آپؒ عرصۂ دراز سے طعن وتنقید کا ہدف اور نشانہ بنتے چلے آئے ہیں وہ ہائیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بعض مسائل میں آپؒ معتزلی مذہب سے متاثر تھے۔

۲۔ حنفی مذہب کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق رہا، جسے بعض لوگ "تعصب مذہبی" بھی کہہ دیتے ہیں۔

۳۔ بعض علمی شخصیات کے متعلق آپ کا موقف تھوڑا بہت سخت رہا۔

۴۔ تفسیری میدان میں آپؒ نے کثرت اعتراضات سے کام لیا۔ (''اعتراض'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک کلام کو اس طرح بیان کرنا کہ اُس سے کوئی دوسرا کلام لازم آئے۔)

۵۔ بعض راویوں پر آپؒ نے بلا دلیل جرح وتنقید کی۔

۶۔ قرآنی آیات کی تفسیر آپؒ نے بعض ضعیف احادیث سے کر دی اور اُن احادیث کا ضعیف ہونا بتلایا تک نہیں۔

چوں کہ ہماری اس کتاب کا موضوع حضرت معاویہؓ کی ذات کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت کی عبارات کا دفاع کرنا ہے، اس لئے موقع ومحل کی مناسبت سے ہم یہاں صرف امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر کیے جانے والے اُن ہی اعتراضات کا جواب دیں گے جن میں پہلے آپؒ کو معتزلی اور پھر اعتزال کی آڑ میں حضرت معاویہؓ کا ناقد وگستاخ ٹھہرایا گیا ہے۔ رہے دوسرے اعتراضات تو اُن کا جواب اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ہم اپنی دوسری کتاب ''عبارات اکابر'' میں پیش کریں گے۔

بعض مسائل میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے معتزلی مذہب سے متاثر ہونے کی حقیقت:

پہلا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ بعض علماء نے آپؒ کو فکری اور نظریاتی طور پر ''معتزلی افکار ونظریات'' سے متاثر لکھا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کے تمام تر کمالات جمیلہ واوصاف حمیدہ اور آپ کے عالم وزاہد اور متقی وپرہیزگار ہونے اور آپؒ کے قاضی القضاۃ جیسے بڑے منصب کو ٹھکرانے کا اجمالی طور پر اعتراف کرنے

کے بعد لکھتے ہیں:

"وقيل: كان يميل الى الاعتزال وفي تآليفه مايدل علىٰ ذلك في رؤية الله وغيرها، نسأل الله السلامة." [1]

ترجمہ: اور کہا جاتا ہے کہ آپ "معتزلی مذہب" کی طرف مائل تھے، اور آپ کی تصانیف میں ایسے نظریات پائے جاتے ہیں جو "رؤیت باری تعالیٰ" وغیرہ مسائل میں اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

پہلا جواب:

لیکن اوّل تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت لفظ "قیل" کے ساتھ ذکر کی ہے، جس سے اس کا ضعیف ہونا خود ثابت ہو رہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوالبقاء ایوب بن موسیٰ الکفوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ) لکھتے ہیں:

"و (قيل) فيما فيه اختلاف وفي بعض شروح الكشاف: فيه اشارة الىٰ ضعف ما قالوا." [2]

ترجمہ: اور لفظ "قیل" کا استعمال اُس جگہ کیا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو، اور تفسیر کشاف کی بعض شروح میں ہے کہ لفظ "قیل" میں ضعیف جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ روایت باطل، مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے اور اس قدر کمزور ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا جواب:

اور دوسرے یہ کہ بعض معتزلی علماء اور منصور باللہ جیسے بعض دوسرے حضرات نے "طبقات معتزلہ" کے بارہویں طبقہ میں آپ کا ذکر کیا ہے، جس کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ آپ کو معتزلی کہنا شروع کر دیا، حالاں کہ جہاں تک ہم نے دیکھا ہے علمائے محققین میں سے جن جن علماء نے آپ کا تذکرہ کیا ہے، خصوصاً جنہوں نے "تراجم

---

[1] (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۱۲/ ۳۳٤، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

[2] (الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية للكفوي: ۱/ ۲۸۸، الناشر: مؤسسة الرسالة)

حنفیہ" کا کام کیا ہے، اُن میں سے آپ کا معتزلی افکار و نظریات کا حامل ہونا یا معتزلی عقائد سے متاثر ہونا کسی ایک نے بھی ذکر نہیں کیا۔ [1]

پس ثابت ہوا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نہ تو معتزلی المذہب تھے اور نہ ہی معتزلی مذہب سے متاثر تھے بلکہ آپ ایک پکے اور سچے سنی حنفی المذہب عالم تھے۔

ہمارے اس دعوے پر مندرجہ ذیل قرائن دلالت کرتے ہیں:

پہلا قرینہ:

اوّلاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپؒ کی نسبت معتزلہ کے مذہب کی طرف کی ہے اُن کے دو فریق ہیں

۱- ایک فریق تو وہ ہے جس نے آپؒ کو "طبقات معتزلہ" میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ بعض معتزلی مؤلفین کہ جنہوں نے معتزلی مذہب میں کتابیں تالیف کی ہیں۔

۲- اور دوسرا فریق وہ ہے جس نے اگرچہ آپؒ کو صاف طور پر معتزلی تو نہیں کہا، لیکن معتزلہ کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے، جیسے علامہ ذہبیؒ اور بعض دیگر آپؒ کے ہم عصر علماء۔ اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن علماء نے آپؒ کا معتزلی مذہب کی طرف مائل ہونا ذکر کیا ہے انہوں نے بھی صرف اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ معتزلی علماء نے آپؒ کا تذکرہ "طبقات معتزلہ" میں کیا ہے، حالاں کہ محض "طبقات معتزلہ" میں آپؒ کا تذکرہ ہو جانے سے آپؒ کا معتزلی المذہب ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جن معتزلی علماء نے طبقات معتزلہ تالیف کیے ہیں جیسے امام قاضی عبدالجبار، اور علامہ ابن المرتضیٰ وغیرہ چوٹی کے علماء ہیں، ان لوگوں نے ایسے ایسے علماء کا "طبقات معتزلہ" میں تذکرہ کیا ہے کہ جن کا ذرہ کا یا قریب کسی بھی طرح کا معتزلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

"طبقات معتزلہ" کے مؤلفین نے ان کتابوں کو چند طبقات پر تقسیم کیا ہے:

---

[1] "هذا في حين أن بعض المؤلفين في طبقات المعتزلة (وهم من المعتزلة) عدوه من الطبقة الثانية عشر من طبقاتهم ... وجاء في كتاب تراجم الرجال: ذكره المنصور بالله في طبقات المعتزلة ... هذا ولم أجد أحداً من المتقدمين ممن كتبوا في التراجم ولا سيما تراجم الحنفية ذكر ان الجصاص من المعتزلة سوى هؤلاء المذكورين." (أبو بكر الرازي الجصاص: منهجه في التفسير لخليل فتش (بحث و احتمال): ص ۵۳۶، ۵۳۷، الناشر: دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة)

پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ حضرت عثمان ؓ حضرت علی ؓ) کا تذکرہ کیا۔ دوسرے طبقہ میں دیگر اکابر صحابہ ؓ کا تذکرہ کیا۔ تیسرے طبقہ میں اکابر تابعین رحمہم اللہ کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح چلتے رہے یہاں تک کہ بارہویں اور آخری طبقہ میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو معتزلی المذہب کہے گا کہ علمائے معتزلہ نے آپ کا تذکرہ "طبقات معتزلہ" میں کیا ہے، تو پھر اس سے حضرات خلفائے راشدین ؓ دیگر اکابر صحابہ ؓ اور اکابر تابعین رحمہم اللہ کا بھی معتزلی المذہب ہونا لازم آئے گا اور یہ بات عقلاً محال اور واقعہ کے خلاف ہے۔

دوسرا قرینہ:

اور ثانیاً اس وجہ سے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں بیسیوں ایسے مسائل سے پالا پڑا کہ جن میں معتزلہ نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے، اس کے باوجود آپؒ نے معتزلی مذہب نہیں اپنایا، بلکہ الٹا ایسے مسائل میں اہل سنت والجماعت کا دفاع کیا ہے، چنانچہ اثبات عذاب قبر اور اثبات ثواب قبر، وعد اور وعید، اور قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے نہ کہ مخلوق ہونے وغیرہ جیسے مسائل جو معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان عرصہ دراز سے معرکۃ الآراء چلے آرہے ہیں، آپؒ نے اہل سنت والجماعت کی خوب کھل کر وکالت اور اُن کا دفاع کیا ہے اور اس کے مقابلے میں معتزلہ کا خوب سے خوب تر رد کیا ہے۔

کیا حضرت معاویہ ؓ آیت استخلاف وآیت تمکین کے مصداق ہیں؟

دوسرا اعتراض امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے متعلق آپ کا مؤقف تھوڑا بہت سخت رہا ہے۔ چنانچہ اثنائے تفسیر میں بعض مقامات پر آپؒ نے ایسا کلام فرمایا ہے جو عدل وانصاف کی بہ نسبت بغض ونفرت کے زیادہ قریب ہے۔ بطور نمونہ کے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال:

۱۔ سورۃ الحج کی اس آیت مبارکہ ﴿ الذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور ﴾[1]

---

[1] الحج: ۲۲/ ۴۱

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ (ترجمہ ختم) [1] (آسان ترجمہ قرآن: ۲/۱۰۲۶)

اس کی تفسیر میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"هذه صفة الذين أذن لهم في القتال بقوله تعالىٰ: ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ ..... الىٰ قوله ..... ﴿الذين ان مكنهم في الأرض اقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ وهذه صفة المهاجرين، لأنهم الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق، فأخبر تعالىٰ أنه ان مكنهم في الأرض اقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر، وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله في الأرض، وهم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي (رضي الله عنهم) وفيه الدلالة الواضحة علىٰ صحة امامتهم لاخبار الله تعالىٰ بأنهم اذا مكنوا في الأرض قاموا بفروض الله عليهم، اذا مكنوا في الأرض، فوجب أن يكونوا ائمة القائمين بأوامر الله منتهين زواجره ونواهيه. ولايدخل معاوية في هؤلاء، لأن الله انما وصف بذلك المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم، وليس معاوية من المهاجرين ولا هو من الطلقاء" [2]

یہ اُن لوگوں کی صفت ہے جنہیں قتال کی اجازت دے دی گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ہے: ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ ..... الىٰ قوله ..... ﴿الذين ان مكنهم في الأرض اقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ یہ مہاجرین کی صفت ہے، اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار بخشے تو وہ

---

[1] (أحكام القرآن للجصاص: ص: ۵/۸۳، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت، لبنان)

نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کریں گے، یہ خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ) کی صفت ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار بخشا تھا، اس سے ان حضرات کی امامت کی صحت پر واضح دلیل موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انہیں جب زمین میں اقتدار حاصل ہوجائے گا تو یہ اُن فرائض کی ادائیگی کریں گے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہوں گے، انہیں زمین میں اقتدار بخشا گیا، اس لئے انہیں ایسے ائمہ تسلیم کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی ادائیگی پر کمربستہ اور اُس کے زواجر و نواہی سے کنارہ کش رہے، حضرت معاویہ ؓ ان میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت سے اُن مہاجرین کو متصف کیا تھا جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے تھے، حضرت معاویہ ؓ مہاجرین میں سے نہیں ہیں، بلکہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں "فتح مکہ" کے دن حضور اقدس ﷺ نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرمادیا تھا ایسے لوگوں کو "طلقاء" کہا جاتا ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر پاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"امام جصاص آیت تمکین: ﴿الذین ان مکنھم فی الأرض﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرات ابوبکر ؓ، عمر ؓ، عثمان ؓ، علی ؓ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی، اس لئے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض و واجبات کو قائم کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا اس لئے خلفائے راشدین خدا وندی اوامر و احکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات و محرمات سے باز رہنے والے تھے۔

معاویہ ؓ اُن کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہ ؓ مہاجر نہ تھے بلکہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔[1]

---

[1] (احکام القرآن للجصاص: ۳/۲، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ۹۳)

حضرت معاویہ ؓ آیت استخلاف وآیت تمکین کے مصداق نہیں ہیں!

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں کون سی کوئی ایسی قابل اعتراض بات ہے کہ جس سے حضرت معاویہ ؓ کی ذات یا آپ کا مقام صحابیت کسی بھی طرح مجروح ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا صفات سے صرف اُنہی مہاجرین صحابہ کرام ؓ کو متصف کیا ہے جنہیں اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، اور وہ چار حضرات ہی ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ۔ حضرت معاویہ ؓ چوں کہ ان مہاجرین صحابہ ؓ میں سے نہ تھے، بلکہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں "فتح مکہ" کے دن حضور اقدس ﷺ نے ہر قسم کی گرفت اور سزا سے آزاد فرما دیا تھا اور ایسے لوگوں کو "طلقاء" کہا جاتا ہے، اس لئے حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر حضرات خلفائے راشدین ؓ کے ساتھ متصف کردہ صفات میں شامل کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔ کیا حضرت معاویہ ؓ کے اپنے ذاتی اوصاف وکمالات اور فضائل ومناقب اس سے کم ہیں کہ انہیں بلاوجہ چند ایک ایسی صفات کے ساتھ متصف کر دیا جائے کہ جن سے صرف حضرات خلفائے راشدین ؓ ہی متصف ہو سکتے ہیں؟۔

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ چوں کہ خلافت راشدہ بتصریح حدیث فقط چار صحابہ (حضرات خلفائے راشدین ؓ) ہی میں منحصر ہے، بعد کے خلفاء حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ خلفاء کی خلافت اگرچہ ان حضرات کی ہی خلافت کے نقش قدم پر تھی، لیکن چوں کہ موعود نہیں تھی، اس لئے بادی النظر میں جو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ شاید حضرت معاویہ ؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ موعودہ ہی ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو حضرات خلفائے راشدین ؓ کی ذات سے ممتاز کرنے کے لئے علیحدہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ حضرت معاویہ ؓ کی ذات پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے تو وہ یہ کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "طلقاء" میں سے شمار کیا ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کہ "طلقاء" میں سے ہونا کوئی عیب کی بات نہیں، ہم اس مسئلہ پر شروع کتاب میں سیر حاصل بحث ہم کر آئے ہیں۔ فلیراجع

دوسری مثال:

۲- اسی طرح سورۃ النور کی اس آیت مبارکہ

﴿ وعد الله الذي آمنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض ..... ﴾ [1]

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا..... الخ۔ [2]

کی تفسیر میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فيه الدلالة علي صحة نبوة النبي صلي الله عليه وسلم لأنه قصر ذلك علي قوم بأعيانهم ..... فوجد مخبره علي ما أخبربه فيهم . وفيه الدلالة علي صحة امامة الخلفاء الأربعة أيضاً ، لأن الله استخلفهم في الأرض ومكن لهم كما جاء الوعد . ولا يدخل فيهم معاوية لأنه لم يكن مؤمناً في ذلك الوقت ." [3]

ترجمہ: اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو ایک متعین گروہ کے ساتھ فرما کر خاص کر دیا ہے، پھر اُس نے اس گروہ یعنی صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ کیے گئے جس وعدے کی حضور ﷺ کے ذریعے خبر دی تھی واقعاتی طور پر وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی، اس میں خلفائے اربعہ ﷺ کی خلافت کی صحت پر بھی دلالت موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائی تھی اور غلبہ دیا تھا، ان میں حضرت معاویہ ﷺ شامل نہیں ہیں، کیوں کہ آیت کے نزول کے وقت آپ ایمان نہیں لائے تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: "اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین ﷺ کی امامت صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو

---

[1] (النور: ۲۴/۵۵)

[2] (آسان ترجمہ قرآن، ۲/۱۰۸۴، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[3] (أحكام القرآن للجصاص، ۵/۱۹۰، ۱۹۱، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

خلافت ارضی سے نوازا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے زمرے میں اس لئے داخل نہیں کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا"۔[1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صاف اور بے غبار ہے!:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے، اس لئے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان ہی نہیں لائے تھے تو وہ اس کے مصداق کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ پتہ نہیں لوگ خواہ مخواہ کھینچا تانی کر کے انہیں اس آیت کا مصداق کیوں کر ٹھہراتے ہیں؟ نیز اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ وموعودہ ہی کے طرز پر تھی، لیکن چوں کہ وہ خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے براہ راست اور اصالۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس آیت کا اطلاق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، البتہ تبعاً اور ثانوی درجہ میں دیگر حضرات خلفائے راشدین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر خلیفہ راشد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

تیسری مثال:

۳- پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"موصوف سورۃ الحجرات کی آیت ﴿ فقاتل التي تبغي ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر تھے، اس کے برخلاف معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا باغی تھے، علاوہ ازیں جس نے بھی ان کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔"[2]

اور ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلہ فیشن لکھتے ہیں:

" فهذه الأقوال فيها تشهير بمعاوية وانتقاص من شانه وكان أولى بالجصاص رحمه الله أن يترك مثل هذا التحامل عليه وأن يفوض امره الى الله ، خصوصا أن معاوية معدود من الصحابة ، وهو أيضا من كتاب الوحي الذين ارتضاهم رسول الله واختارهم بنفسه لهذه المهمة الخطيرة ..... و ينبغي للانسان أن يلتزم بالأدب اذا ما تعرض للحديث عن مثل هذه

---

[1] (احکام القرآن، ص ۴۰۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۵۳)

[2] (احکام القرآن، ص ۴۹۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۵۴)

هذه الشخصية وأن يفوض أمرها الى الله "۔[1]

ترجمہ: پس ان اقوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کا پہلو پایا جاتا ہے زیادہ مناسب یہ تھا کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر اس طرح درپے ہونے کو ترک کرتے اور اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے، بالخصوص اس وجہ سے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، نیز آپ "ان" کاتبین وحی" میں سے ہیں کہ جنہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہتم بالشان کام (وحی) کی خاطر اپنی ذات کے لئے منتخب کر رکھا تھا... آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) جیسی شخصیت کے بارے میں کوئی بات کرنے لگے تو ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور (اگر اس طرح کی شخصیت کی ذات میں کوئی خلاف واقع بات نظر آجائے تو) اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"جصاص کا یہ طرزِ عمل سخت قابل اعتراض ہے اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور اُن کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے۔

مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات و نظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔"[2]

امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟

ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سمیت دیگر معترضین حضرات سے بھی یہ بات پوچھتے ہیں کہ امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو اگر "باغی" نہیں کہا جا سکتا تو پھر اُسے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ اگر آپ لوگ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو ایک برحق جماعت مانتے ہو (جیسا کہ واقع میں بھی یہ لوگ حق پر تھے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو باغی ماننا پڑے گا۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] (أحمد أبو بكر الرازي الجصاص ومنهجه في التفسير - ص ۵۶۷ - الناشر: دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۳)

اور اُن کی جماعت کو ناحق اور باغی کہتے ہو (حالاں کہ یہ بات خلاف واقع ہے) تو پھر خواہ مخواہ آپ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو برحق ماننا پڑے گا حالاں کہ یہ بات عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی درست نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت کو بھی برحق کہا جائے کہ یہ دو متضاد باتیں ایک جگہ اکٹھی جمع نہیں ہو سکتیں، لہٰذا خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو برحق اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو خلیفہ برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے کی وجہ سے "باغی" ماننا پڑے گا، ورنہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ: تقتلک الفئة الباغية کا بے محل ہونا لازم آئے گا اور یہ بات محال اور ناممکن ہے۔

نیز کیا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی چند ایک مخصوص صفات کہ جن کے ساتھ انہیں خاص طور پر متصف کیا گیا ہے خواہ مخواہ کھینچ تان کر کسی دوسرے کے ساتھ ان کو متصف کرنا، امام برحق کے خلاف ناحق خروج کو بغاوت نہ کہنا، اور حدیث عمار رضی اللہ عنہ تقتلک الفئة الباغية کے محمل کے موجود ہونے کے باوجود اس کو اس کے حقیقی محمل پر محمول نہ کرنا بلکہ اسے بھی اپنے جذبات و نظریات ہی کے سانچہ میں ڈھالنا یہ بھی کوئی قابل تعریف کام ہے اور کیا آپ جیسے متعصبین لوگوں کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض نہیں ہے؟؟؟۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر بدعت کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چوتھی مثال:

۴۔ "جناب جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول: توریث المسلم من الکافر کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن (۲/۱۰۲) جب کہ یہی قول حضرت معاذ بن جبل، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، جناب باقر، حسن بصری، سعید بن مسیب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، یحییٰ اور اسحاق کی طرف بھی منسوب ہے، اگر مذکورہ قول کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح ہے تو پھر کوئی احمق اور جاہل ہی اسے "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" سے تعبیر کر سکتا ہے۔"[1]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۹۳،۹۴)

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت (کہ جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے آپ کو احمق اور جاہل فرمایا ہے) پیش خدمت ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیے:

"واختلف في ميراث المسلم الكافر وميراث المرتد فاما ميراث المسلم من الكافر فان الأمة من الصحابة متفقون على نفي التوارث بينهما وهو قول عامة التابعين وفقهاء الأمصار وروي شعبة عن عمرو بن ابي حكيم عن ابن باباه عن يحيى بن يعمر عن أبي الأسود الدؤلي قال كان معاذ بن جبل باليمن فارتفعوا اليه في يهودي مات وترك اخاه مسلماً فقال سمعت رسول الله يقول ﴿الاسلام يزيد ولاينقص﴾ وروى ابن شهاب عن داؤد بن ابي هند قال: قال مسروق: ما احدث في الاسلام قضية اعجب من قضية قضاها معاوية قال: كان يورث المسلم من اليهودي والنصراني، ولايورث اليهودي والنصراني من المسلم قال: فقضي بها أهل الشام. قال داؤد: فلما قدم عمر بن عبد العزيز ردهم الى الأمر الأول. وروى هشيم عن مجالد عن الشعبي ان معاوية كتب بذلك الى زياد يعني توريث المسلم من الكافر فارسل زياد الى شريح فأمره بذلك وكان شريح قبل ذلك لايورث المسلم من الكافر فلما امره زياد بما أمره قضى بقوله فكان شريح اذا قضى بذلك قال: هذا قضاء أمير المؤمنين. وقد روى الزهري عن علي بن الحسين عن عمرو بن عثمان عن أسامة بن زيد قال قال رسول الله: ﴿لايتوارث أهل ملتين شتى﴾ وفي لفظ ﴿لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم﴾ وروى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﴿لا يتوارث أهل ملتين بهذه الأخبار تمنع توريث المسلم من الكافر والكافر من المسلم﴾ ولم يرو عن النبي خلافه، فهو ثابت الحكم في اسقاط التوارث بينهما وأما حديث معاذ فانه لم يعن هذه المقالة، وانما تأول فيها قوله: ﴿الايمان يزيد ولاينقص﴾

والتأول لايقضي به علي النص والتوقيف وانما يرد التأويل الي المنصوص عليه يحمل علي موافقته دون مخالفته . وقول النبي صلي الله عليه وسلم ﴿ الايمان يزيد ولاينقص ﴾ يحتمل ان يرد به من أسلم ترك علي اسلامه ومن خرج عن الاسلام رد اليه . واذا احتمل ذلك واحتمل ما تأوله معاذ وجب حمله علي موافقة خبر أسامة في منع التوارث اذ غير جائز رد النص بالتاويل والاحتمال أيضاً لا تثبت به حجة لأنه مشكوك فيه وهو مفتقر في اثبات حكمه الي دلالة من غيره فسقط الاحتجاج به . واما قول مسروق ما احدث في الاسلام قضية أعجب من قضية قضي بها معاوية في توريث المسلم من الكافر فانه يدل علي بطلان هذا المذهب لاخباره انها قضية محدثة في الاسلام وذلك يوجب ان يكون قبل قضية معاوية : لم يكن يورث المسلم من الكافر واذا ثبت أن من قبل قضية معاوية لم يكن يورث المسلم من الكافر وأن معاوية لا يجوز ان يكون خلافاً عليهم بل هو ساقط القول معهم ، ويزيد ذلك أيضاً قول داؤد بن أبي هند أن عمر بن عبد العزيز ردهم الي الأمر الأول والله أعلم "[1]

ترجمہ: اور مسلمان کے کافر کے اور مرتد کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ جہاں تک مسلمان کے کافر کے وارث ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں ائمہ صحابہ ؓ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ، اکثر تابعین اور فقہائے امصار کا یہی قول ہے۔ شعبہ نے عمرو بن ابی حکیم سے انہوں نے ابن باباہ سے انہوں نے یحییٰ بن یعمر سے انہوں نے ابو الاسود الدؤلی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ یمن میں تھے، ان کے سامنے مسئلہ پیش ہوا کہ ایک یہودی مر گیا ہے اور اس کا ایک مسلمان بھائی رہ گیا ہے۔ حضرت معاذ ؓ نے اس موقع پر فرمایا کہ "میں نے حضور

[1] أحكام القرآن للجصاص: ۳، ۳۶، ۳۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ﴿الاسلام یزید ولا ینقص﴾ یعنی اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے۔

ابن شہاب نے داؤد بن ابی ہند سے روایت کی ہے کہ مسروق نے ایک مرتبہ کہا کہ "اسلام میں اس فیصلہ سے بڑھ کر تعجب انگیز اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا جو حضرت معاویہ ﷺ نے کیا تھا (یعنی) آپ مسلمان کو یہودی اور نصرانی کا وارث تو قرار دیتے تھے لیکن کسی یہودی یا نصرانی کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیتے تھے، اہل شام نے بھی یہی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ داؤد کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ شام تشریف لائے تو آپ نے اس مسئلے میں لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا۔

ہشیم نے مجالد سے اور انہوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے گورنر زیاد کو لکھا، زیاد نے قاضی شریح کو پیغام بھیج کر اس کی روشنی میں فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے، قاضی صاحب اس سے پہلے مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہیں دیتے تھے، لیکن زیاد کے حکم کی روشنی میں اس کے مطابق فیصلے کرنے لگے، البتہ جب وہ اس قسم کا کوئی فیصلہ سناتے تو ساتھ یہ ضرور کہہ دیتے کہ یہ امیر المومنین (حضرت معاویہ ﷺ) کا فیصلہ ہے۔

حضرت اسامہ بن زید ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿لا یتوارث أهل ملتین شتی﴾ یعنی دو مختلف ملتوں کو ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت میں ہے: ﴿لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم﴾ یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ﴿لا یتوارث أهل ملتین﴾ یعنی دو مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

یہ روایات مسلمان کے کافر کے اور کافر کے مسلمان کے وارث بننے کی نفی کرتی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سے اس کے برخلاف کوئی بات مروی نہیں ہے، لہٰذا مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کو ساقط کرنے میں ان کے حکم کو ثابت اور محکم تسلیم کیا جائے گا۔

باقی رہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت تو اس میں یہ مسئلہ مراد ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد: ﴿الایمان یزید ولا ینقص﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) کا مفہوم و مطلب بیان ہوا ہے، جسے تاویل کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تاویل کسی نص اور توقیف کو ختم نہیں کر سکتی، بلکہ تاویل کو اس معنی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جو منصوص علیہ ہو اور اسے اس کے موافق مفہوم پر محمول کیا جاتا ہے، مخالف مفہوم پر محمول نہیں کیا جاتا۔

حضور اقدس ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد: ﴿الایمان یزید ولا ینقص﴾ (یعنی ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں) میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ: ''جو شخص مسلمان ہو جائے گا اسے اس کے اسلام پر بدستور رہنے دیا جائے گا، اور جو شخص اسلام سے نکل جائے گا اسے دوبارہ اسلام کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔'' جب اس روایت میں یہ بھی احتمال ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ مفہوم کا بھی احتمال ہے، تو پھر ضروری ہے کہ اسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مفہوم پر محمول کیا جائے، جس میں مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کی ممانعت کر دی گئی ہے، کیوں کہ کسی نص کو تاویل اور احتمال کی بنا پر رد کر دینا جائز نہیں ہے، خود احتمال میں حجت اور دلیل بننے کی صلاحیت نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک مشکوک بات ہوتی ہے اور اسے اپنے حکم کے اثبات کے لئے کسی اور دلالت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے احتمال پر استدلال کی بنیاد رکھنا غلط اور ساقط ہے۔

اور مسروق کا یہ قول کہ: ''اسلام میں کوئی فیصلہ ایسا نہیں کیا گیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے زیادہ تعجب انگیز ہو جس میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا گیا خود اس مسلک کے بطلان پر دلالت کر رہا ہے، کیوں کہ مسروق نے یہ بتایا ہے کہ یہ فیصلہ اسلام میں ایک نیا فیصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے پہلے مسلمان

کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ ؓ کے فیصلہ سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ ؓ کے فیصلہ سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں بنتا تھا۔

دوسری طرف حضرت معاویہ ؓ کے لئے صحابہ کرام ؓ کی مخالفت جائز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام ؓ کی موجودگی میں ان کا قول ساقط ہے، اس کی تائید داؤد بن ابی ہند کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شام کے لوگوں کو پہلے مسلک کی طرف لوٹا دیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

یہی امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر احکام القرآن کی وہ عبارت بمع ترجمہ کے کہ جس کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام تھوپا کہ انہوں نے "حضرت معاویہ ؓ کی طرف منسوب ایک قول "توریث المسلم من الکافر" کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" کہا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے اصل عبارت بمع اردو ترجمہ کے ملاحظہ فرمائی کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں بلکہ مسروق نے حضرت معاویہ ؓ کی طرف منسوب اس قول "توریث المسلم من الکافر" کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" کہا ہے۔ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف حضرت معاویہ ؓ کی طرف منسوب مسروق کا یہ قول نقل کیا ہے، جس میں مسروق نے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں کہا ہے کہ: "انہوں نے" توریث المسلم من الکافر" کا فرمان جاری کر کے "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" کا ارتکاب کیا ہے۔

اصل واقعہ کی مکمل تحقیق کیے بغیر محض اپنی نیم علمی تحقیق پر بھروسہ کر کے خواہ مخواہ کسی کے سر ایک جھوٹا الزام تھوپ دینا ایک بہت بڑی بددیانتی، ایک بہت بڑی علمی خیانت اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مسروق کا قول نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ وہ اس سے نعوذ باللہ حضرت معاویہ ؓ کی ذات ستودہ صفات کو طعن وتنقید کا ہدف بنانا چاہتے ہیں، بلکہ درحقیقت وہ اس مسئلہ کی اصل صورت حال یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصل میں یہ مسئلہ عہد صحابہ ؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی تشریح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) کی زبانی سنیے:

"وأما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا؟ فقالت عامة الصحابة (رضي الله عنهم): لايرث، وبه أخذ علمائنا، والشافعي، وهذا استحسان والقياس أن يرث، وهوقول معاذ بن جبل، ومعاوية بن أبي سفيان، وبه أخذ مسروق، والحسن، ومحمد بن الحنفية، ومحمد بن علي بن حسين"[1]

ترجمہ: رہی یہ بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سو عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول تو یہی ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا، اور اسی کو ہمارے علماء (حنفیہ) اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو، اور یہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے، اور اسی کو مسروق، حسن، محمد بن حنفیہ، اور محمد بن علی بن حسین نے اختیار کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

"أخرج ابن أبي شيبة من طريق عبد الله بن معقل قال: مارأيت قضاء أحسن من قضاء قضي به معاوية ترث أهل الكتاب ولايرثونا كما يحل النكاح فيهم ولايحل لهم وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي وابراهيم"[2]

ترجمہ: ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: "میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لئے اُن کی عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر اُن کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔ اور یہی مذہب مسروق،

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: ۲۳/ ۶۲، الناشر: مكتبة تجارية)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۱۲/ ۵، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مسلک کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے:

"عن معاذ قال: يرث المسلم من الكافر من غير عكس، واحتج بأنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "الاسلام يزيد ولا ينقص." وهو حديث أخرجه ابو داؤد وصححه الحاكم."[1]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، مگر اس کا عکس نہیں ہوگا۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اسلام (انسانی حقوق میں) زیادتی کرتا ہے، کمی نہیں کرتا۔ یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ترجمہ ختم)

الغرض مسروق کا نقل کرنے سے امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو مختلف مذاہب کا بیان کرنا تھا، محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو توہین وتنقید کا نشانہ بنانا نہیں تھا۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ نیم علمی تحقیق کہ جس کی بناء پر انہوں نے خواہ مخواہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر اور مجتہد فی المذہب عالم کے سر ایک ایسی بات تھوپ دی کہ جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ اس کے کوئی پاؤں ہیں اور اس طرح آپ کو احمق اور جاہل جیسے القابات سے نواز دیا۔ فالی اللہ المشتکی

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"امام جصاص آیت ﴿ لا ينال عهد الظالمين ﴾ کی تفسیر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مزید تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "..... ان الظالم لايكون اماماً..... فلا يجوز ان يكون الظالم نبياً ولا خليفة نبي و لا قاضيا."

ترجمہ: ظالم امام نہیں ہوسکتا..... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني، ۱۲: ۵، الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان

قاضی ہو۔ (ترجمہ ختم) [1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے احکام القرآن کے حوالے سے جس انداز سے یہ عبارت نقل کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے جیسا کہ ہاشمی صاحب کا دعویٰ بھی ہے، حالاں کہ درحقیقت یہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول نہیں بلکہ مجاہد کا قول ہے جسے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے صرف نقل کیا ہے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

" وعن مجاهد : أنه أراد أن الظالم لا يكون اماماً ... فلا يجوز أن يكون الظالم نبيا ولا خليفة لنبي ولا قاضياً ." [2]

ترجمہ: اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے (اس سے) مراد یہ لیا کہ ظالم امام نہیں بن سکتا ... لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ظالم نبی ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کا خلیفہ ہو اور نہ اُس کے لئے قاضی بننا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا وہ دجل وفریب اور علمی خیانت کہ جس کے ذریعے وہ عام مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کی ذہن سازی کر رہے ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ اس تمام عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام تک مذکور نہیں کہ جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ داغ دیا جائے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی تبرا یا تنقید کی ہو۔

اندازہ لگائیے! کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب عام مسلمانوں کے دلوں میں اکابرین علمائے اہل سنت اور اُن کے اسلاف کے خلاف نفرتوں کی آگ بھڑکا کر اُن کے ایمان کے ساتھ کس طرح کا کھیل کھیل رہے ہیں؟۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی "خلفائے بنی اُمیہ" پر طعن وتشنیع:

ڈاکٹر صفوت مصطفیٰ خلیلہ فیشن نے لکھا ہے کہ امام جصاص کے کلام سے اُن کی تفسیر "احکام القرآن" میں

---

[1] (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۶۹، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۳)

[2] (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۸۵، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

بعض مقامات پر بشکل عام خلفائے بنی امیہ پر طعن وتشنیع کا پہلو سامنے آتا ہے، اس لئے کہ اُن کے عہد حکومت میں جیسوں المناک ودردناک حادثات وواقعات رونما ہوئے تھے، بالخصوص آل مروان پر طعن وتشنیع کا پہلو زیادہ سامنے آتا ہے، کیوں کہ اُس کے زمانہ میں "حجاج کا فتنہ" واقع ہوا تھا۔

مثلاً ایک جگہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ولم يكن في العرب و لا آل مروان اظلم ولا أكفر ولا افجر من عبد الملك ، ولم يكن في عماله أكفر ولا أظلم و لا افجر من الحجاج وكان عبد الملك اول من قطع السنة الناس في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ، صعد المنبر فقال "اني والله ما انا بالخليفة المستضعف يعني عثمان ولا بالخليفة المضاع يعني معاوية وانكم تامرونا باشياء تنسونها في انفسكم والله لا يامرني احد بعد مقامي هذا بتقوى الله الا ضربت عنقه "[1]

ترجمہ: پورے عرب اور مروان کے سارے خاندان میں عبدالملک بن مروان سے بڑھ کر کوئی شخص ظالم اور فاسق وکافر نہیں تھا۔ اور عبدالملک کے مقرر کردہ تمام عمال (گورنروں) میں کوئی عامل حجاج سے بڑھ کر ظالم اور فاسق وکافر نہیں تھا۔ عبدالملک ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا کام سرانجام دینے والے لوگوں کی زبانیں کاٹ ڈالی تھیں۔ ایک دفعہ منبر پر چڑھ کر کہنے لگا: "اللہ کی قسم! میں کوئی کمزور خلیفہ نہیں ہوں (اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) اور نہ ہی کوئی مصلحت کوش خلیفہ (اشارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) تم لوگ ہمیں ایسی باتوں کا حکم دیتے ہو جو خود تم اپنے بارے میں بھول جاتے ہو، اللہ کی قسم! میرے اس مقام کے بعد جو شخص بھی مجھ سے تقویٰ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کی بات کرے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب بھی امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے بعد موصوف عبدالملک بن مروان اور حجاج کا بایں الفاظ تذکرہ کرتے

---

[1] احکام القرآن للجصاص، ۱: ۸۸، (الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

ہیں کہ:

" ولم يكن في العرب ولا آل مروان أظلم ولا أكفر ولا افجر من عبد الملك ولم يكن في عماله أكفر ولا اظلم ولا افجر من الحجاج ." [1]

ترجمہ: عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا۔

موصوف (امام ابوبکر الجصاصؒ) پھر اس دور کے صحابہ و تابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وسائر التابعين ياخذون ارزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة لا على أنهم كانوا يتولونهم ولا يرون امامتهم وانما كانوا ياخذونها على أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجر فكيف يكون ذلك على وجه موالاتهم وهم خالفون لعبد الملك بن مروان لاعنون لهم متبرؤن منهم . وكذلك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الأمر بعد قتل علي عليه السلام وقد كان الحسن و الحسين ياخذان العطا . وكذلك من كان في ذلك العصر من الصحابة وهم غير متولين له بل متبرؤن منه على السبيل التي كان عليها علي عليه السلام الى ان توفاه الله تعالى الى جنته ورضوانه . فليس اذا في ولاية القضاء من قبلهم ولا اخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقاد امامتهم . " [2]

ترجمہ: اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، لیکن اس بناء پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت و امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے، بلکہ وہ اس خیال سے وظائف وصول

---

[1] أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۶، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)

[2] أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۸، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)

کرتے تھے کہ یہ اُن کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طرزِ عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہوگیا تھا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر، بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔

لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے، اجڑ اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔" (ترجمہ ختم)[1]

ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" کی عبارت کا مذکورہ بالا ترجمہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی دلی بھڑاس نکالتے ہوئے جس غیظ و غضب، بغض و عداوت اور بے ادبی سے کیا ہے اُسے پڑھتے ہی کیا اپنے کیا پرائے فطرتی طور پر سبھی لوگ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غصہ سے بھڑک اُٹھتے ہیں، حالاں کہ یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی اور علمی خیانت کا وہ مکروہ جل و فریب اور مذموم عیاری و مکاری ہے کہ جس کو استعمال کرکے وہ اپنے قارئین کے خیالات و نظریات کی تعمیر اپنے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

چنانچہ زیرِ بحث مسئلہ میں بھی اُنہوں نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف یہی طریقہ اپنایا ہے کہ اُن کی تفسیر "احکام القرآن" کی عبارت کا ایسا غلط اور بے ادب ترجمہ کیا ہے کہ جس کا اصل عربی عبارت کے ساتھ تقابل

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۴۔۹۵)

کرائے بغیر کوئی بھی شخص امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فطرتی طور پر بے اختیار بھڑک اٹھتا ہے۔

اب ذیل میں ہم امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "احکام القرآن" کی عربی عبارت کا منی برانصاف ترجمہ حل کرتے ہیں اور اس کے بعد پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا منی برانصاف ترجمہ:

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"وقد كان الحسن وسعيد بن الجبير والشعبي وسائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة، لا على أنهم كانوا يتولونهم، ولا يرون امامتهم وانما كانوا يأخذونها على أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة وكيف يكون ذلك على وجه موالاتهم وقد ضربوا وجه الحجاج بالسيف وخرج عليه من القراء أربعة آلاف رجل، هم خيار التابعين، وفقهائهم فقاتلوه مع عبد الرحمان بن محمد بن الأشعث بالأهواز، ثم بالبصرة، ثم بدير الجماجم من ناحية الفرات بقرب الكوفة، وهم خالعون لعبد الملك بن مروان، لاعنون لهم، متبرئون منهم، وكذلك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الأمر بعد قتل عليؓ عليه السلام. وقد كان الحسن والحسين يأخذان العطاء، وكذلك من كان في ذلك العصر من الصحابة وهم غير متولين له، بل متبرئون منه على السبيل التي كان عليها عليؓ عليه السلام الى أن توفاه الله تعالى الى جنته ورضوانه فليس اذاً في ولاية القضاء من قبلهم، ولا أخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقاد امامتهم"[1]

ترجمہ: حسن بصری، سعید بن جبیر، اور شعبی، نیز تمام دیگر حضرات تابعین (بنو امیہ کے) ان ظالموں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے۔ ان کی یہ وصولی اس بناء پر نہیں تھی کہ

---

[1] احکام القرآن للجصاص، ۱/۸۸، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان)

انہیں ان ظالموں سے لگاؤ تھا اور اُن کی امامت کو درست سمجھتے تھے، بلکہ یہ حضرات اس بناء پر اُن سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے کہ وہ ان وظائف کو اپنا ایسا حق سمجھتے تھے کہ جو فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ حضرات از راہِ موالات اور دوستی کس طرح یہ حقوق حاصل کر سکتے تھے؟ جب کہ اُنہوں نے حجاج کے خلاف تلوار لے کر خروج کیا تھا۔ اس کے خلاف چار ہزار تابعین اور فقہاء نے عبدالرحمن بن الاشعث کی ہم رکابی میں پہلے "اہواز" کے مقام پر جنگ کی تھی اور پھر "بصرہ" کے مقام پر اور اس کے بعد "کوفہ" کے قریب "دریائے فرات" کی جانب سے "دیر جماجم" کے مقام پر۔ اُنہوں نے عبدالملک بن مروان سے خلافت کی بیعت توڑ دی تھی، اس پر لعنت بھیجتے رہے تھے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے۔

حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ بھی ان حضرات سے پہلے لوگوں کا یہی رویہ تھا، جب حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ ؓ تختِ خلافت پر متمکن ہو گئے تھے، حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ بھی اپنے وظائف وصول کرتے تھے اور اس زمانے کے صحابہ کرام ؓ کا بھی یہی طریقہ کار تھا، حالاں کہ یہ حضرات خلیفۂ وقت حضرت معاویہ ؓ سے موالات کا کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے، بلکہ اُن سے اس طرح بے زاری کا اظہار کرتے تھے جس طرح حضرت علی ؓ اپنی وفات تک ان سے بے زار رہے تھے۔ چنانچہ اس بناء پر ظالم حکمرانوں کی طرف سے عہدۂ قضاء قبول کرنے اور ان سے اپنے وظائف وصول کرنے میں ایسی کسی دلالت کا وجود نہیں کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حضرات ان ظالموں سے دوستی کا رشتہ رکھتے تھے اور اُن کی امامت کے قائل تھے۔ (ترجمہ ختم)

دراصل امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ

"اگر کوئی قاضی جو فی نفسہٖ عادل ہو اور اُسے کسی ظالم حاکم کی طرف سے عہدۂ قضاء پر مامور کر دیا گیا ہو تو اُس کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے اور اُس کے پیچھے نماز درست ہو گی، اس لئے کہ قاضی اگر عادل ہو گا تو وہ بایں معنی قاضی ہو گا کہ اُس کے لئے احکامات کی

تحفیذ ممکن ہوگی اور جو شخص اس کے احکامات کو قبول کرنے سے باز رہے اُسے یہ احکامات قبول کرنے پر مجبور کرنے کا اختیار اور قدرت ہوگی، اس سلسلے میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اسے کس نے اس عہدۂ قضاء پر مامور کیا ہے، کیوں کہ مامور کرنے والا حاکم قاضی کے دیگر اعوان اور کارندوں جیسا ہوگا، جب کہ قاضی کے مددگاروں کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر ایک شہر والے (جن کا کوئی حاکم نہ ہو) اکٹھے ہو کر اپنے میں سے کسی عادل شخص کو عہدۂ قضاء سپرد کر دیں تو اور اس سے وعدہ کر لیں کہ جو لوگ اس کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے باز رہیں گے اُن کے خلاف یہ لوگ اس کی مدد کریں گے، تو اس صورت میں مذکورہ قاضی کے تمام فیصلے نافذ العمل ہوں گے، خواہ اسے اس عہدے کا پروانہ کسی امام یا سلطان کی طرف سے حاصل نہ بھی ہو۔

اسی بناء پر قاضی شریح، حسن بصری، سعید بن جبیر اور شعبی حضرات حسنین کریمین وغیرہ حضرات کو بنو اُمیہ کی طرف سے جو وظائف ملتے تھے یا ان کی طرف سے ان لوگوں نے جو عہدے قضاء کے قبول کر رکھے تھے تو وہ صرف اس بناء پر کہ یہ حضرات اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ذاتی حقوق ہیں جو فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں ہیں اس لئے ہم انہیں گویا ایک طرح سے ان سے وصول کر رہے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات نے اموی حکام بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقد موالات اور دوستی کا رشتہ قائم کر رکھا ہے اور یہ اُن کی امامت کے قائل ہیں۔"[1]

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اس توضیح سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اُموی خلفاء حضرات کی بارے میں جو ظالم اور فاجر وغیرہ کے الفاظ مروی ہیں وہ اُس دور کے مذکورہ بالا قضاۃ حضرات کے اپنے ہیں جنہوں نے اُموی حکام سے اپنے وظائف اور قضاء کے عہدے قبول کر رکھے تھے۔

نیز یہ الفاظ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے تو محض بنو اُمیہ کے مذکورہ بالا قضاۃ وغیرہ حضرات کے یہ الفاظ بطور حکایت کے نقل کیے ہیں کہ اُن قضاۃ وغیرہ حضرات کے خلفائے بنو اُمیہ کے بارے میں

---

[1] أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۸۷، ۸۸، الناشر: دار احياء التراث العربي (بيروت - لبنان)

خیالات ونظریات یہ تھے۔

چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت:

"وانما كانوا يأخذونها على أنها حقوق لهم في ايدي قوم فجرة "[1]

ترجمہ: اور وہ حضرات اس نظریے کی بنیاد پر ان سے اپنے وظائف اور عہد سے قبول کرتے تھے کہ یہ ہمارے حقوق ہیں جو فاجر قوم کے قبضے میں ہیں۔ (ترجمہ ختم)

ہماری اس توجیہ پر روز روشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے بارے میں طعن وتنقید اور توہین وتشنیع سے بالکل پاک، صاف، بے غبار اور بحمد اللہ اعتدال پر ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی چیز آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف ادنیٰ گستاخی کی بھی نہیں پائی جاتی۔

بنو اُمیہ کے دو ظالم اور فاسق حکمران:

باقی رہے دیگر خلفائے بنو اُمیہ تو اس بارے میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف دونوں فاسق وفاجر اور ظالم قسم کے خلفاء گزرے ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ واضح اور صاف طور پر امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ ہی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"... وكان احد الأسباب التي لها استجاز الفراء والفقهاء قتال عبد الملك بن مروان و الحجاج لعنهما الله أخذهم الجزية من المسلمين ثم صار ذلك احد اسباب زوال دولتهم وسلب نعمتهم "[2]

ترجمہ: ...اُس زمانے کے فقہاء اور قراء نے جو عبدالملک بن مروان اور حجاج کے خلاف جنگ کے جواز کا جو فتویٰ دیا تھا من جملہ اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ حکمران مسلمانوں سے جزیہ وصول کرتے تھے۔ پھر یہی چیز ان کی حکومت کے زوال اور ان کی نعمت چھن جانے کا دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب بن گئی۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (أحكام القرآن للجصاص، ۱/ ۸۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (أحكام القرآن للجصاص، ۴/ ۲۹۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

تاریخ کی شہادت:

اب آیئے! تاریخ کے جھروکوں سے اس بات کا ثبوت تلاش کرتے ہیں کہ کیا خلفائے بنو امیہ (سوائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) حقیقت میں بھی ان مذکورہ بالا اوصاف شنیعہ سے متصف تھے یا امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ان پر اور بالخصوص آل مروان پر طعن وتشنیع کی یونہی بوچھاڑ کردی؟ اس کا فیصلہ میں اور آپ نہیں بلکہ فن تاریخ کے مایہ ناز علماء اور ممتاز مؤرخین حضرات فرمائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ اس بارے میں امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اور ان کا پلہ کتنا بھاری ہے؟۔

عبدالملک بن مروان:

شروع شروع میں عبدالملک بن مروان بڑے درجے کے فقہاء میں سے تھا، یہاں تک کہ یا شہادت سے پہلے اسے مدینہ میں حضرت سعید بن عروہ بن زبیر قبیصہ بن ذویب کے مرتبے کا فقیہ سمجھا جاتا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں

"كان عبد الملك عاقلاً، حازماً، اديباً، لبيباً، عالماً. قال ابو الزياد: كان فقهاء المدينة اربعة: سعيد بن المسيب، وعروة بن الزبير، و قبيصة بن ذؤيب و عبد الملك بن مروان."[1]

ترجمہ: عبدالملک عاقل، دوراندیش، ادیب، لبیب، اور عالم تھا۔ امام ابوالزناد فرماتے ہیں کہ: مدینہ میں چار فقہاء تھے: (۱) سعید بن مسیب (۲) عروہ بن زبیر (۳) قبیصہ بن ذویب (۴) عبدالملک بن مروان۔ (ترجمہ ختم)

۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرنے مکہ مکرمہ بھیج دیا، چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دیگر حجاج کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے چل دیا، اس وقت حجاج اور اس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر رہے اور چوں کہ حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے آپ اس سال حج ادا نہ فرما سکے بلکہ آپ نے صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کی اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے،

---

[1] (الكامل في التاريخ لابن اثير الجزري: ۵۳۳/۲، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت - لبنان)

وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف کعبہ نہ کر سکے، چنانچہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ ﴿ حجون ﴾ اور ﴿ بئر میمونة ﴾ کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن جرير : و فيها بعث عبد الملك بن مروان الحجاج بن يوسف الثقفي الي عبد الله بن الزبير ليحاصره بمكة ... فلما دخل ذو الحجة حج بالناس الحجاج في هذه السنة وعليه وعلي اصحابه السلاح وهم وقوف بعرفات ، وكذا فيما بعدها من المشاعر ، وابن الزبير محصور لم يتمكن من الحج هذه السنة بل نحر بدنا يوم النحر وهكذا لم يتمكن كثير ممن معه من الحج و كذا لم يتمكن كثير ممن مع الحجاج و طارق بن عمر ان يطوفوا بالبيت ، فبقوا علي احرامهم ، لم يحصل لهم التحلل الثاني والحجاج واصحابه نزول بين الحجون و بئر ميمونة فانا لله وانا اليه راجعون"[1]

ترجمہ: ابن جریر فرماتے ہیں کہ اسی سال (۷۲ھ) میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ مکہ میں ان کا محاصرہ کرے ... چنانچہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حجاج بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حج کرنے نکلا اس وقت حجاج اور اس کی ساری فوج اسلحہ سے لیس تھی اور یہ لوگ عرفات میں اور اسی طرح اس کے بعد دیگر مشاعر میں قیام پذیر تھے اور چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج نے محاصرہ کر رکھا تھا اس لئے وہ اس سال حج نہ کر سکے بلکہ وہ صرف یوم نحر میں ایک بدنہ کی قربانی کر سکے اسی طرح دیگر حجاج کرام جو ایک کثیر مقدار میں آپ کے ساتھ تھے اور وہ بھی جو حجاج بن یوسف کے ساتھ تھے اور طارق بن عمرو یہ تمام حضرات بھی اس سال طواف

---

[1] البدایہ و النہایہ لابن کثیر ۸ / ۳۵۸ ، الناشر : دار احیاء التراث العربی (بیروت ، لبنان)

کعبہ نہ کر سکے، چنانچہ یہ تمام لوگ یونہی احرام باندھے رہے اور انہیں دوسری مرتبہ احرام کھولنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اور حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ "حجون" اور "سرف" کے درمیان پڑاؤ ڈالے رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ترجمہ ختم)

یزید کے زمانہ میں عبدالملک بن مروان نے کعبہ پر سنگ باری کے خلاف سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا مگر جب یہ خود خلیفہ بنا تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا، اس ظالم نے تین حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، جب کہ زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ اور کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سخت اصرار پر یہ سنگ باری صرف اتنی دیر کے لئے روکی گئی کہ باہر سے آئے ہوئے حجاج طواف و سعی کر لیں۔ لیکن نہ اس سال حج میں مکہ کے لوگ منیٰ اور عرفات جا سکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف و سعی کر سکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کر لیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سر نو سنگ باری شروع کر دی۔

چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں

" و لما قدم الحجاج مكة ، احرم بحجة ، ونزل بسرميمونة ، وحج بالناس ولم يطف ولا سعي وحصر ابن الزبير عن عرفة فحر بدنة بمكة و لم يمنع الحاج من الطواف و السعي ثم نصب الحجاج المنجنيق على ابي قبيس ورمي به الكعبة وكان ابن عمر قد حج تلك السنة فبعث الي الحجاج بالكف عن المنجنيق لاجل الطائفين ففعل و نادي منادي الحجاج عند الافاضة انصرفوا فانا نعود بالحجارة علي ابن الزبير و رمي بالمنجنيق علي الكعبة "[1]

ترجمہ: اور جب حجاج مکہ میں داخل ہوا تو اس نے حج کا احرام باندھا اور سرف میمونہ میں قیام پذیر ہوا اور لوگوں کے ساتھ حج کیا لیکن نہ تو طواف کیا اور نہ ہی سعی کی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عرفہ میں محاصرہ کر لیا، پس انہوں نے مکہ ہی میں ایک "بدنہ" کی قربانی کی

---

[1] (تاریخ ابن خلدون ۳/۴۹، الناشر: دار الفکر، بیروت)

اور اس نے لوگوں کو طواف اور سعی سے منع نہیں کیا، پھر حجاج نے کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی، اور چوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس سال حج کرنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، اس لئے آپ نے حجاج کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ (تھوڑی دیر) ان دو جماعتوں کے لئے منجنیق کی سنگ باری روک دے (تاکہ یہ لوگ طواف زیارت کر لیں، چنانچہ جب یہ دونوں جماعتیں طواف زیارت کر چکیں تو) حجاج نے تمام حجاج کرام کے درمیان افاضہ (یعنی عرفات سے منیٰ کی طرف روانہ ہونے) کے وقت یہ اعلان کروا دیا تم لوگ (جلدی سے) یہاں سے نکلو! کیوں کہ ہم دوبارہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر سنگ باری شروع کرنے لگے ہیں، چنانچہ حجاج نے دوبارہ کعبہ شریف پر سنگ باری کرنی شروع کر دی۔ (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف:

حجاج بن یوسف عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تقریباً بیس سال تک ان کا گورنر رہا اور ظلم وستم کے پہاڑ لوگوں پر ڈھاتا رہا۔

دنیا میں کوئی انسان بھی اگرچہ "معصوم عنہ" نہیں ہوتا اور حجاج بن یوسف بھی خیر سے گو کہ بالکل عاری نہ تھا قرآن مجید پر اعراب لگوانا، سندھ کے علاقہ کو فتح کروانا وغیرہ اس کے چند ایک ایسے کارہائے نمایاں ہیں کہ رہتی دنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان رہے گی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی تو ہرگز نہیں کہ جو شخص ظلم وستم ڈھانے میں ضرب المثل ہو گیا ہو اس کی یہ چند ایک انگلیوں پر گنی جانے والی نیکیاں ہزاروں مؤمنین اور مؤمنات کے قتل ناحق پر حاوی ہو جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں۔"

مشہور امام قرأت عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔"

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

"قال عمر بن عبد العزيز : لوجائت كل امة بخبيثها ، وجئناهم بالحجاج لغلبناهم وقال أبو بكر بن عياش :عن عاصم بن ابي النجود :ما بقيت لله حرمة الا وقد اوتكبها الحجاج ."[1]

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں۔"

امام ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ امام قرأت عاصم بن ابی النجو درحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہ رہی جس کا ارتکاب اس شخص (حجاج بن یوسف) نے نہ کیا ہو۔" (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو منافقین کا سردار کہتا تھا، اس کا قول تھا کہ: "اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجھے مل جاتے تو میں ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا۔"

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"قتا الصلت بن دينار سمعت الحجاج على منبر واسط يقول : عبد الله بن مسعود رأس المنافقين ، لو أدركته لأسقيت الأرض من دمه ."[2]

ترجمہ: صلت بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے منبر کے عین وسط میں بیٹھے حجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منافقین کے سردار ہیں، اگر میں نے ان کو پالیا تو ضرور ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاؤں گا۔" (ترجمہ ختم)

حجاج نے اعلان کر رکھا تھا کہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کو میں مصحف میں سے مٹا دوں گا اگرچہ مجھے سانپ کی بڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے ان کو پالیا تو میں ان کی گردن اڑا دوں گا۔"

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] البداية والنهاية لابن كثير : ٩ / ٢٦٧ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[2] البداية والنهاية لابن كثير : ٩ / ١٤٩ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" وفي قوله عن قرائته : انها شعر من شعر هذيل وانه لابد أن يحكها من المصحف ولو بضلع خنزير ، وانه لو أدركه لضرب عنقه ، فحصل على اثم ذلك كله بنيته الخبيثة ."[1]

ترجمہ: قرأت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حجاج کا قول ہے کہ یہ ہذیل کے اشعار میں سے ایک شعر ہے اور مصحف میں سے اسے میں مٹادوں گا اگرچہ مجھے سور کی ہڈی سے ہی کیوں نہ مٹانا پڑے اور اگر میں نے ان کو پالیا تو میں اُن کی گردن اڑادوں گا۔" یہ ساری (چیزیں) اُس کی خبیث نیت کا نتیجہ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

حجاج نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر بزرگ صحابہ کو یں اور ان کی گردنوں پر مہریں تک لگائیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" عن اسحق بن زيد قال : رأيت انس بن مالك مختوماً في عنقه ختم الحجاج أراد أن يذله بذلك ."[2]

ترجمہ: اسحٰق بن زید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کی گردن پر حجاج کی مہر لگی ہوئی تھی اور حجاج کا مقصد اس سے اُن کو ذلیل کرنا تھا۔

اسی طرح ۹۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا اس میں لکھا تھا کہ کس چیز نے آپ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے امیر المومنین کی مدد کی تھی حجاج نے کہا جھوٹ بولتے ہو اس کے بعد ان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگادی جائے چنانچہ آپ کی گردن پر حجاج کی مہر لگادی گئی نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر نہ ہوجائے، اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات کو ذلیل

---

[1] (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۴ : ۱۵۰، الناشر : دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

[2] (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱ : ۱۰۱، الناشر : دار الجیل، بیروت، لبنان)

الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ عوام ان سے دور رہیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" وفي سنة اربع و سبعين أرسل الحجاج في سهل بن سعد يريد اذلاله . قال : ماصنعك من نصرة امير المؤمنين عثمان؟ قال قد فعلته . قال كذبت ، ثم أمر به ، فختم في عنقه و ختم أيضا في عنق انس بن مالك حتى ورد كتاب عبد الملك فيه . وختم في يد جابر يريد اذلالهم بذلك و أن يحتشم الناس ولا يسمعوا منهم . "[1]

ترجمہ: اور ۷۴ھ میں حجاج نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس سے اس کا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا، کہا کہ "کس چیز نے آپ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے روک دیا تھا؟" آپؓ نے جواب دیا کہ "میں نے امیر المومنین کی مدد کی۔" حجاج نے کہا "جھوٹ بولتے ہو۔" اس کے بعد ان کے بارے میں حکم جاری کیا کہ ان کی گردن پر مہر لگا دی جائے! چنانچہ آپؓ کی گردن پر حجاج کی مہر لگا دی گئی۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی گردن پر بھی اس کی مہر لگائی گئی، یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان کا حکم اس بارے میں صادر ہوا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی۔ اس طرح مہر لگانے سے حجاج کا مقصد ایک تو ان حضرات کو عوام الناس میں ذلیل کرنا تھا اور دوسرے یہ تاکہ عوام ان سے دور رہیں اور ان کی کوئی بات نہ سن سکیں۔ (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کی دی تھی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

" وقيل : ان الحجاج حج مع عبد الله بن عمر فامره عبد الملك بن مروان أن يقتدي بابن عمر ، فكان ابن عمر يتقدم الحجاج في المواقف

---

[1] الاستيعاب في معرفة الاصحاب لابن عبد البر ۲/ ۶۶۴ ، الناشر : دار الجيل ، بيروت)

بعرفة وغيرها فكان ذلك يشق على الحجاج فأمر رجلاً معه حربة مسمومة فلصق بابن عمر عند دفع الناس فوضع الحربة على ظهر قدمة ، فمرض منها أياماً ، فأتاه الحجاج يعوده ، فقال له : من فعل بك ؟ قال : ومانصنع ؟ قال : فسلبني الله ان لم اقتله ! " قال : ما أراك فاعلاً . أنت أمرت الذي نخسني بالحربة " فقال : " لانفعل يا أبا عبد الرحمان ! وخرج عنه ."[1]

ترجمہ کہا جاتا ہے کہ (جب) حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج (کرنے کا ارادہ) کیا تو عبدالملک بن مروان نے حجاج سے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عرفات وغیرہ تمام مواقیت میں حجاج سے آگے آگے رہے اور یہ بات حجاج پر شاق گزری، چنانچہ اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر حملہ کرے، اس آدمی کے پاس ایک زہر آلود نیزہ تھا وہ لوگوں کو ادھر اُدھر کرتے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ نیزہ آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر اس طرح رکھا کہ آپؓ (اس سے زخمی ہو گئے اور) کئی دن تک آپؓ اس کی وجہ بیمار رہے، چنانچہ حجاج آپؓ کی عیادت کرنے آیا اور کہنے لگا: "یہ نیزہ کس نے مارا ہے؟" آپؓ نے فرمایا: "تو (اُس کے ساتھ) کیا کرے گا؟" حجاج نے کہا: "اللہ مجھے موت دے دے اگر میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔" آپؓ نے فرمایا: "مجھے لگتا نہیں کہ تو ایسے کرے گا (کیوں کہ) تو نے ہی اُس کو مجھے نیزہ چبھونے کا حکم دیا ہے۔" حجاج نے کہا: "ایسے مت کرو اے ابوعبدالرحمان! اور وہاں سے "دال نے عین" ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حجاج ہی آپ کے قتل کا سبب بنا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

"وكان سبب قتله أن الحجاج أمر رجلاً فسمّ رمح وزحمه في المطوق ووضع الزج في ظهر قدمه ، وانما فعل الحجاج ذلك لأنه خطب

---

[1] أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري : ۳۳۹/۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، ـ د)

يوماً و آخر الصلاة ، فقال له ابن عمر : ان الشمس لا تنظرك ، فقال له الحجاج : لقد هممت أن أضرب الذي فيه عيناك ، قال :ان تفعل فانك سفيه مسلط ."[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا سبب یہ بنا کہ حجاج نے ایک شخص کو آپؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا، اس شخص نے سب سے پہلے تو نیزے کے نچلے لوہے کو زہر آلود کیا اور پھر آپؓ کے لئے چلنے کا راستہ تنگ کیا اور نیزے کے اس زہر آلود نچلے لوہے کو آپؓ کے پاؤں کی پیٹھ پر رکھا (جس سے آپؓ زخمی ہو گئے) اور یہ کام حجاج نے اس لئے کیا کہ ایک دن وہ خطبہ دے رہا تھا اور نماز کو مؤخر کر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا "سورج تیرا انتظار نہیں کرتا۔" تو حجاج کہنے لگا "میرا دل چاہتا ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں۔" آپؓ نے فرمایا: "اگر تو نے ایسا کیا تو تو بیوقوف ہوگا جو ہم پر مسلط کیا گیا ہے۔" (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) نے ایک اور جگہ یہ تصریح بھی نقل فرمائی ہے:

"وعاده الحجاج في مرضه ، فقال من فعل بك هذا؟ قال : أنت لأنك أمرت بحمل السلاح في بلد لا يحل حمله فيه ." [2]

ترجمہ: حجاج نے ان (حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما) کی عیادت کی اور آپؓ سے پوچھا کہ کس نے آپؓ کے ساتھ یہ حرکت کی؟ آپؓ نے فرمایا "تو نے اس لئے کہ تو نے ہی ایسے شہر میں ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا ہے، جہاں ان کا اٹھانا حلال نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

حجاج بن یوسف علانیہ کہتا تھا کہ: "اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے اُن کا خون حلال ہے۔"

---

[1] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن أثير الجزري : ۳۳۶/۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)

[2] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ۱۳۱/۴ دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"والله لو امرت الناس ان يخرجوا من باب المسجد فخرجوا من باب آخر لحلت لي دمائهم واموالهم." [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لئے ان کا خون حلال ہے۔ (ترجمہ ختم)

حجاج کے صبر کرنے کے نتیجہ میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے جب وہ مراقوا ان کے قید خانوں میں اسی ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے۔

چنانچہ امام کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) ہی لکھتے ہیں:

"وقال ابو عيسى الترمذي: نا ابو داود سليمان بن مسلم البلخي نا النضر بن شميل عن هشام بن حسان قال: احصوا ما قتل الحجاج صبرا فبلغ مائة الف وعشرين الفا قال الأصمعي نا ابو الصم عن عباد بن كثير عن فحذم قال: اطلق سليمان بن عبد الملك في غداة واحدة احدا و ثمانين الف اسير كانوا في سجن الحجاج وقيل: انه لبث في سجنه ثمانون الفا منهم ثلاثون الف امراة وعرضت السجون بعد الحجاج فوجدوا فيها ثلاثة وثلاثين الفا، لم يجب على احد منهم قطع ولا صلب." [2]

ترجمہ: ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ "حجاج کے صبر کرنے کے نتیجہ میں جو لوگ قتل کیے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ فحذم کہتے ہیں کہ "ایک صبح سلیمان بن عبدالملک نے اکیاسی ہزار لوگوں کو حجاج کی قید سے آزاد کیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حجاج کی قید میں اسی ہزار لوگ تھے، جن میں سے صرف تیس ہزار عورتیں تھیں اور جب وہ مراقوا ان کے قید خانوں میں تینتیس ہزار بے گناہ ایسے لوگ تھے جو کسی مقدمے اور کسی عدالتی

---

[1] البداية والنهاية لابن كثير، ج ۹، ص ۱۲۸، ناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت (لبنان)

[2] البداية والنهاية لابن كثير، ج ۹، ص ۱۲۹، ناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت (لبنان)

فیصلے کے بغیر ہی سزا رہے تھے۔ (ترجمہ ختم)

عبدالملک بن مروان کی موت وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ "حجاج بن یوسف کا ضرور لحاظ رکھنا، اس لئے کہ اسی نے ہمارے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا، دشمنوں کو مغلوب کیا، اور ہمارے خلاف سر اٹھانے والوں کو قلع قمع کیا۔"

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

"..... انظروا الی الحجاج بن یوسف، فاکرموہ، فانہ ھو الذی مھد لکم البلاد وقھر الأعداء وخلص لکم الملک وشتت الخوارج ۔ الخ"[1]

ترجمہ: حجاج بن یوسف کا خیال رکھنا، اور اس کی عزت کرنا، کیوں کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس نے تیرے لئے سلطنت کا راستہ ہموار کیا، دشمنوں کو مغلوب کیا، بادشاہت کا سہرا پہنایا اور خارجیوں و باغیوں کو تتر بتر کر دیا۔ (ترجمہ ختم)

یہ وصیت اُس ذہنیت کی پوری عکاسی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے ان کی نگاہ میں اصل اہمیت ان کے اپنے اقتدار کی تھی، اُس کا قیام و استحکام جس ذریعہ سے بھی ہو ان کے نزدیک مستحسن تھا، قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر پامال ہو جائیں۔

یہ ظلم ستم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بیچ اٹھے: "عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری" اے اللہ! تیری دنیا ظلم و بربریت سے تلملا اٹھی اب انسانوں کو راحت و سکون عطا فرما۔" مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ حجاج بن یوسف اور قرہ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبدالملک بھی چلتا بنا اور عثمان، اور خالد دونوں معزول کر دیئے گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعا قبول فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

---

[1] (البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر: ۹/ ۸۰، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان) (تاریخ ابن خلدون: ۳/ ۷۳، الناشر: دار الفکر، بیروت)

" قيل : ان عمر بن عبد العزيز ذكر عنده ظلم الحجاج وغيره من ولاة الأمصار أيام الوليد بن عبد الملك ، فقال: الحجاج بالعراق ، و الوليد بالشام ، وقرة بمصر ، و عثمان بالمدينة ، و خالد بمكة ، اللهم قد امتلأت الدنيا ظلماً وجوراً فارح الناس الم بعض غير قليل حتى توفي الحجاج وقرة بن شريك في شهر واحد ثم تبعهما الوليد وعزل عثمان و خالد واستجاب الله لعمر "۔[1]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبد الملک بن مروان کے زمانہ کے مختلف شہروں کے والیوں حجاج وغیرہ کے ظلم وستم کا تذکرہ کیا گیا تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دعاء مانگی: " عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبد اللہ القسری "اے اللہ اتیری دنیا ظلم و بربریت سے تملا اٹھی اب انسانوں کو راحت وسکون عطا فرما!" ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک دونوں کی ایک ہی مہینہ میں وفات ہوگئی اور ان کے پیچھے پیچھے ولید بن عبد الملک بھی چلتا بنا اور عثمان اور خالد دونوں معزول کر دیے گئے، یوں اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دعا قبول فرمائی۔ (ترجمہ ختم)

سیاسی ظلم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی بڑی حد تک انحراف پسند ہو گئے تھے، نمازوں میں غیر معمولی تاخیر ان کا معمول تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

" وفي رواية : وهذه الصلاة قد ضيعت – يعني ما كان يفعله خلفاء بني امية من تاخير الصلاة الى آخر وقتها الموسع "۔[2]

ترجمہ: اور ایک روایت میں آیا ہے اور یہ نماز ضائع کر دی گئی یعنی خلفائے بنی

---

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير الجزري : ٤، ٥٨، الناشر : دار الكتاب العربي : بيروت ، لبنان)

[2] البداية والنهاية لابن كثير ، ٩، ٦١٩ ، الناشر : دار احياء التراث العربي : بيروت ، لبنان)

اُمیہ کی یہ عادت تھی کہ وہ نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کر کے پڑھتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

علاوہ ازیں یہ جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے، نیز عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج عبدالملک نے نکالا اور اس کے خاندان کے لئے یہ ایک مستقل سنت بن گیا۔

علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" و صلي بالمدينة الجمعة ، فخطب الخطبة الأولى جالساً ، ثم قام فخطب الخطبة الثانية قائماً ـــ الى أن قال ـــ قال رجاء : روي لهم شيء فاقتدوا به ." [1]

ترجمہ: عبدالملک بن مروان نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا پھر کھڑا ہوا اور دوسرا خطبہ کھڑے ہو کر دیا ـــ رجاء کہتے ہیں کہ جب خلفائے بنی امیہ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس سلسلہ میں عبدالملک بن مروان کی پیروی کرنی شروع کر دی۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" أول من قدم الخطبة على الصلاة يوم العيد مروان ." [2]

ترجمہ: عید کی نماز سے پہلے خطبہ دینے کا رواج مروان نے ایجاد کیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بنو اُمیہ کے (ماسوائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے) دیگر جو خلفاء گزرے ہیں بالخصوص عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف تو یہ انتہائی درجے کے فاسق، فاجر اور ظالم قسم کے حکمران تھے، اس لئے ان کے فسق و فجور اور ظلم و ستم میں کسی کو کوئی شبہ نہیں۔

"أئمة الكفر" سے مراد "طلقاء" حضرات ہیں:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ پر یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٤/ ٣٣ ، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت ، لبنان) و (تاريخ الرسل و الملوك = تاريخ الطبري : ٦/ ٤٦٦ ، الناشر: دار التراث ، بيروت)

[2] (البداية و النهاية لابن كثير : ٨/ ٢٨٣ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان) و (الكامل في التاريخ : ٣/ ٢٧٦ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

''تعجب کی انتہا یہ ہے کہ اس حنفی اور معتزلی مفسر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکے از "ائمة الکفر" قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر "سورۃ التوبہ" کی آیت "فقاتلوا ائمة الکفر" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ "ائمة الکفر" سے سرداران قریش مراد ہیں، اور قتادہ نے کہا کہ: ''اس سے مراد ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہیل بن عمرو ہیں۔''

ابوبکرؒ نے کہا کہ: ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۂ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، اور ابوجہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی مارے گئے تھے اور سرداران قریش میں سے سورۂ برأت کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو۔ ''ائمة الکفر'' کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے اور وہ ''طلقاء'' میں جیسے ابوسفیان اور اس کا گروہ'' الا ان یکون المراد قوماً من قریش قد کانوا اظهروا الاسلام وهم الطلقاء من نحو ابي سفيان واحزابه ممن لم ينق قلبه من الكفر "

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یقیناً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کے گروہ میں شامل تھے لیکن جصاص نے ان کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ

"ليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء "[1]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ ''طلقاء'' میں سے ہیں۔

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے نزدیک یکے از "ائمة الکفر" ہوگئے۔[2]

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، اگرچہ صحیح

---

[1] احکام القرآن للجصاص: ۳، ۸۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۴،۹۵)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۹۴،۹۵)

اور راجح یہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے تھے، لیکن چوں کہ انہوں نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت اپنے اسلام لانے کو چھپائے رکھا تھا، اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا تھا اس لئے کئی حضرات نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید آپ فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام لائے تھے۔

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو "طلقاء" میں سے شمار فرمایا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ تک اُن کے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے کی کوئی صحیح روایت نہ پہنچی ہو، اور آپ نے یہی سمجھ رکھا ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کیا ہے، اور اسی وجہ سے آپ نے "طلقاء" میں سے شمار کر دیا ہو۔

بہر حال اسلام قبول کرنے کے بعد جو ان حضرات کے بارے میں امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔" تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ! وہ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی فوراً اُن کے دل زمانہ جاہلیت کے اثرات سے پاک نہیں ہو گئے تھے، بلکہ جوں جوں وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے تدریجاً تدریجاً اور آہستہ آہستہ ان کے دل بھی زمانہ جاہلیت کے اثرات سے پاک ہوتے چلے گئے۔

چنانچہ امام ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"المؤلفة قلوبهم صنفان: مسلمون ومشركون. فأما المسلمون فصنفان: صنف كانت نياتهم في الاسلام ضعيفة، فألفهم تقوية لنياتهم كعقبة بن زيد، وأبي سفيان بن حرب، والأقرع بن حابس والعباس بن مرداس ..... الخ"[1]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) مشرک۔ بہر حال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں ہیں (۱) ایک صنف وہ ہے کہ جن کی نیتیں اسلام (لانے)

---

[1] (النكت والعيون المعروف بتفسير الماوردي (بحذف) ۲/۳۷۵، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

کے بارے میں کم زور تھیں، پس آنحضرت ﷺ نے اُن کے ساتھ تالیف قلب کا معاملہ فرمایا تاکہ اُن کی نیتیں قوی ہو جائیں، جیسے عقبہ بن زید، ابوسفیانؓ بن حرب، اقرع بن حابس، اور عباس بن مرداس (وغیرہم)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۱۰ھ) بھی لکھتے ہیں:

" المؤلفة قلوبهم وهم قسمان : قسم مسلمون وقسم كفار ، فاما المسلمون فقسمان قسم دخلوا في الاسلام ونيتهم ضعيفة فيه، فكان النبي (صلى الله عليه وسلم) يعطيهم تالفا ، كما أعطى عيينة بن بدر ، والأقرع بن حابس والعباس بن مرداس السلمي ... الخ "[1]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم مسلمان اور دوسری قسم کافر۔ بہر حال مسلمان تو اُن کی (بھی) دو قسمیں: ایک اُن کی ہے کہ جو اسلام میں داخل ہو گئے لیکن اسلام کے بارے میں اُن کی نیتیں کم زور تھیں، پس نبی اکرم ﷺ نے تالیف قلب کے لئے انہیں (کچھ مال) عطا فرمایا، جیسے عیینہ بن بدر، اور اقرع بن حابس، اور عباس بن مرداس السلمی کو (کچھ مال) عطا فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابوالعباس احمد بن محمد الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

" وقسم الأموال في المؤلفة قلوبهم ترغيباً في تسكين قلوبهم للاسلام "[2]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" میں مال تقسیم فرمایا تاکہ اُن کے دلوں کو تسکین نصیب ہو اور وہ اسلام کی طرف رغبت کریں۔

۴۔ اسی طرح مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: "اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ برا مانیں گے تو میں اس حطیم کو بھی میں بیت اللہ میں شامل کر دیتا، اور زمین کو دروازہ کے برابر کر دیتا، تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر جا سکتا۔"

---

[1] (معالم التنزيل في تفسير القرآن المعروف بتفسير البغوي : ۲/۳۶۱ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

[2] (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد للفاسي : ۲/۲۷۰ الناشر : الدكتور حسن عباس زكي ، القاهرة)

چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن عائشة زوج النبي صلي الله عليه وسلم أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال لها الم تري أن قومک حين بنوا الكعبة اقتصروا عن قواعد ابراهيم ، فقلت يا رسول الله ! ألا تردها علي قواعد ابراهيم ؟ قال : لولا حدثان قومک بالكفر لفعلت ."

وفي رواية : لولا حداثة قومک بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته علي اساس ابراهيم فان قريشاً استقصرت بنائه ."

وفي رواية: لولا أن قومک حديث عهدهم بالجاهلية فاخاف أن تنكر قلوبهم ان ادخل الجدر في البيت وان الصق بابه بالأرض ."[1]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا "تمہیں معلوم ہے جب تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو "قواعد ابراہیم" کو چھوڑ دیا تھا۔" میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) پھر آپ "قواعد ابراہیم" کو بھی شامل کر لیجئے! لیکن آپ نے فرمایا کہ:

"اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ: "اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو توڑ کر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر بناتا، کیوں کہ قریش نے اس کی بناء میں کمی کر دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: اگر تمہاری قوم کی جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ وہ برا مانیں گے تو اس حطیم کو بھی میں بیت اللہ میں شامل کر دیتا، اور زمین کو دروازہ کے برابر کر دیتا۔
(تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر جا سکتا۔) (ترجمہ ختم)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مکہ اور اطراف مکہ سے آکر اسلام قبول کرنے والے نو مسلم طلقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جن کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، "غزوہ حنین" کے لئے نکلے، اور مقام حنین پر آکر پڑاؤ ڈالا، اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں چودہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت اور کثیر تعداد میں سامان جنگ تھا، وہ لوگ اس سے پہلے بدر و احد میں مسلمانوں کی عظیم فتوحات کا مشاہدہ بھی اپنی آنکھوں سے کر چکے تھے، جن میں مسلمانوں کی قلیل تعداد نے کفار کے

---

[1] (صحيح البخاري : ۲/۱۴۷، الناشر : دار طوق النجاة)

لشکر جرار کو شکست و ہزیمت سے دوچار کیا تھا، اس لئے اپنی جمعیت اور طاقت پر نظر کر کے ان میں سے بعض طلقاء صحابہ ﷺ (جو ابھی تک مکمل طرح قوی الاسلام نہیں ہوئے تھے، بلکہ زمانۂ جاہلیت کے بعض اثرات تا ہنوز اُن کے دلوں میں باقی تھے، ان) کی زبان سے اس طرح کے کلمات نکل گئے کہ: ''آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔'' لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر ﷺ کی اس محبوب جماعت سے اس قسم کے کلمات پسند نہ آئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرہ نہ کرنا چاہیے، بلکہ جس طرح کم زوری اور بے سروسامانی کے عالم ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد و نصرت پر رہتی ہے اسی طرح جمعیت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح سبق سکھایا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یک بارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا، تو ابتدائی ہلہ ہی میں صحابہ کرام ﷺ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، صرف حضور اکرم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ ﷺ جن کی تعداد تین سو (۳۰۰) اور بعض نے ایک سو (۱۰۰) یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جمے رہے۔ یہ حالت دیکھ آپ ﷺ نے حضرت عباس ﷺ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ ﷺ کو پکارو! کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت جہاد کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں کہ جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا؟ سب کو چاہیے کہ واپس آئیں۔''

حضرت عباس ﷺ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرما دی، تو اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے، اور وہ واپس پیچھے کی طرف پلٹنے لگے، تب اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس غیبی مدد و نصرت کے سبب یہ میدان کارزار فتح کیا۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر کے ''غزوۂ حنین'' میں شریک ہونے والے صحابہ کرام ﷺ کے دل اسلامی تعلیمات سے ابھی تک پوری طرح روشناس نہیں ہوئے تھے اور اُن کے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کے اثرات تا ہنوز باقی تھے، جب ہی تو وہ اپنی جمعیت اور قوت و طاقت کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے جس کے سبب اللہ

---

[1] (معارف القرآن (مکمل و مختصر) ۴/۳۴۳ ... ۳۵۱، ناشر: ادارۃ المعارف، کراچی)

تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد و نصرت کا نزول اُن سے رُوک دیا، لیکن اس کے معاً بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی آنحضرت ﷺ کے بلاوے پر جونہی انہیں اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی اور اُن کے ایمان کی کیفیت بدلی اور انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے دوبارہ واپس پیچھے کی طرف پلٹے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم جما دیئے، اور اُن کے قلوب میں تسکین پیدا فرما دی، اور فرشتوں کو اُن کی مدد کے لئے اُتار دیا، تب مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کیا اور میدانِ جنگ سے سرخرو ہو کر واپس لوٹے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين . اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم وليتم مدبرين . ثم أنزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين وأنزل جنوداً لم تروها وعذب الذين كفروا ، وذلك جزاء المحسنين ."[1]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن، جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے۔[2]

الحاصل جن لوگوں نے "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا، اُن کے دل چوں کہ فوراً جاہلیت کے اثرات سے پاک صاف نہیں ہو گئے تھے بلکہ تاہنوز اُن کے دلوں میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے، لیکن مدرسۂ حجاز اور آہستہ آہستہ جوں جوں وہ پیغمبر علیہ السلام کی رُوشن اور مبارک تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے گئے اُن کے دل بھی زمانۂ جاہلیت کے اثرات پاک اور صاف ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ لوگ بعد میں قوی الاسلام ہو گئے۔

---

[1] (التوبۃ: ۹/۲۵، ۲۶، ۲۷)

[2] (آسان ترجمہ قرآن: ۱/۵۶۹، ۵۷۰، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اور یہی مطلب ہے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا، لیکن اُن کے دل (ابھی تک) کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔'' یہ مطلب ہرگز مراد نہیں کہ نعوذ باللہ وہ لوگ منافق بن گئے تھے کہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور دل میں کفر رکھتے تھے۔

﴿۴﴾

امام ابوعبداللہ محمد حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

(التوفی ۴۰۵ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب حاکم اور عرف ابن البیع (بمعنی بیوپاری کا بچہ) ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: "ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن حکم الاضبی ۔ الخ۔"[1]

ولادت باسعادت:

آپؒ کی ولادت ۳ ربیع الاوّل ۳۲۱ھ کو ایران کے صوبہ خراسان کے جنوبی پہاڑوں کے دامن میں واقع مشہد کے قریب مشہور و مردم خیز شہر "نیشاپور" میں ہوئی جو اُس عہد کا زبردست علمی مرکز تھا اور اسی نسبت سے آپؒ نیشاپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔

عہد و قضاء:

آل بویہ کی انتہائی سفاک اور ظالم شیعہ حکومت کا دور ۳۲۰ھ سے لے کر ۴۴۸ھ تک رہا ہے۔

---

[1] (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي: ۳/ ۹۵، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بیروت، لبنان) و (وفیاة الأعیان و انباء أبناء الزمان لابن خلکان: ۴/ ۲۸، الناشر: دار صادر، بیروت) و (المنتظم في تاریخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۱۵/ ۱۰۹، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان) و (تبیین کذب المفتري فیما نسب إلی الإمام أبي الحسن الأشعري لابن عساکر: ۱/ ۲۳۱، الناشر: دار الکتاب العربي، بیروت، لبنان) و طبقات الشافعیة الکبری للسبکي: ۴/ ۱۶۵، الناشر: الهجر للطباعة والنشر والتوزیع)

نیشاپور کا علاقہ بھی اسی ظالم حکومت کی ماتحتی میں تھا۔ گویا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی ۳۲۱ھ سے لے کر ۴۰۵ھ تک اسی عہد میں گزری، جب کہ اسی حکومت کے دورِ عروج یعنی ۳۶۵ھ میں اس حکومت کی طرف سے آپؒ عہدۂ قضا پر بھی مامور ہوئے جس کی بناء پر آپ کا لقب "الحاکم" اس قدر مشہور ہوا کہ بالآخر وہ آپؒ کے نام پر ہی غالب آ گیا۔[1]

تحصیل علم:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بلند پایہ عالم تھے اور انہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد اور اپنے ماموں کی توجہ خاص کے سبب "علم حدیث" کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور ذوقِ علم اتنا بڑھا کہ نیشاپور سے نکل کر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے بیشتر شیوخ و اساتذہ کی بارگاہوں سے کسبِ فیض کے لئے کٹھن سفر کیے اور اپنے دامنِ علم کو گلشنِ نبوت کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال کیا۔

علمی اسفار:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی میں تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے تھے، اور نو (۹) سال کی عمر میں باقاعدہ حدیث کا سماع کیا، اور اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے سب سے پہلے اپنے وطن "نیشاپور" (جو اُس وقت علمائے فن اور محدثین کا مرکز بنا ہوا تھا) ارباب کمال کی جانب رجوع کیا۔ بیس (۲۰) سال کے ہوئے تو دوسرے علمی شہروں اور مراکز حدیث کا رُخ کیا اور عراق، بغداد، مکہ، کوفہ، مرو، بخارا، ماوراء النہر، ہمدان اور اصبہان وغیرہ تشریف لے گئے۔ بغداد دو بار گئے، پہلی بار عین شباب کے زمانہ میں اور دوسری بار بڑھاپے کے زمانہ میں۔ اسفار کی کثرت کی وجہ سے مؤرخین نے انہیں ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

"طاف الآفاق، ورحل الكثير" ع

ترجمہ: ملکوں پھرے، لمبے سفر کیے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] "وانما عرف بالحاكم لتقلده القضاء." (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان (ابن خلكان): ٤/٢٨٢، الناشر: دار صادر - بيروت)

ع (تذكرة المحدثين)

علم سے شغف:

علم سے شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کو اپنے سے کم تر اور کم سن لوگوں سے بھی روایت کرنے میں کسی طرح کی عار نہ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔

اساتذہ وشیوخ:

چنانچہ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، قرأت، تصوف، سلوک اور تاریخ میں بھی آپ نے اپنا نام پیدا کیا اور تقریباً دو ہزار کم وبیش شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، جن میں سے چند اہم شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن محمد بن حمدویہ (والد ماجد) (۲) محمد بن علی بن عمر المذکر (۳) ابی العباس الاصم (۴) ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی (۵) محمد بن عبداللہ الصفار (۶) ابی عبداللہ بن الاخرم (۷) ابی العباس بن محبوب (۸) ابی حامد بن حسنویہ (۹) حسن بن یعقوب البخاری (۱۰) ابی النضر محمد بن محمد بن یوسف (۱۱) ابی الولید حسان بن محمد (۱۲) ابی عمرو بن السماک (۱۳) ابی بکر النجاد (۱۴) ابی محمد بن درستویہ (۱۵) ابی سہل بن زیاد (۱۶) عبدالرحمن بن حمدان الجلاب، (۱۷) علی بن محمد بن عقبہ الشیبانی (۱۸) ابی علی الحافظ۔ ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان سے سماع حدیث کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے اصحاب سے بھی حدیث کا سماع کیا۔[1]

تلامذہ وشاگرد:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ طالبان علم کی آماجگاہ بنی رہی اور ہزاروں تشنگان علم نے خوب سیر ہوکر آپ سے کسب فیض کیا جن کی پوری فہرست از بس دشوار ہے البتہ چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

---

[1] "روى عن ابيه ومحمد بن علي بن عمر السكر وابي العباس الاصم وابي جعفر محمد بن صالح بن هاني ومحمد بن عبد الله الصفار وابي عبد الله بن الأخرم وأبي العباس بن محبوب وأبي حامد بن حسنويه وحسن بن يعقوب البخاري وأبي النضر محمد بن محمد بن يوسف وابي الوليد حسان بن محمد وابي عمرو بن السماك وابي بكر النجاد وابي محمد بن درستويه وابي سهل بن زياد وعبد الرحمان بن حمدان الجلاب علي بن محمد بن عقبه الشياني وابي علي الحافظ . وانتفع بصحبته . وما زال يسمع حتى سمع من اصحابه" (تذكرة الحفاظ للذهبي ۱۹۲/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

(۱) دار قطنی (۲) ابو الفتح بن ابی الفوارس (۳) ابو العلاء الواسطی (۴) محمد بن احمد بن یعقوب (۵) ابوذر الہروی (۶) ابو یعلی الخلیلی (۷) ابو بکر البیہقی (۸) ابو القاسم القشیری (۹) ابو صالح المؤذن (۱۰) زکی عبد الحمید النحری (۱۱) عثمان بن محمد المحمی (۱۲) ابو بکر احمد بن علی بن خلف الشیرازی۔"[1]

علمی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دامن میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور قراء کا علم جمع کیا اور علمی جامعیت اور فضل و کمال میں اپنے ہم عصر علماء پر فائق ہوئے۔ اور گو کہ آپ کو تمام علوم و فنون پر ید طولی حاصل تھا، مگر علم حدیث اور اصول حدیث سے قلبی شغف تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ "فخر المحدثین" اور "نقاد حدیث" کی حیثیت سے علمی دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی علمی جلالت و قابلیت کا اعتراف ملت اسلامیہ کے کبار محدثین و مؤرخین نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اساطین علم کی نظر میں:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں غیر معمولی کمال، خصوصی امتیاز، اور ہمہ تن مشغولیت کی بناء پر:

"الحافظ الكبير و امام المحدثين"

وغیرہ جیسے گراں قدر القابات سے یاد کیے جاتے۔

علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

چنانچہ علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

"امام أهل الحديث في عصره ،والمؤلف فيه الكتب التي لم يسبق

---

[1] " حدث عنه الدار قطني وأبو الفتح بن ابي الفوارس وأبو العلاء الواسطي ومحمدبن احمد بن يعقوب وأبو ذر الهروي وأبويعلي الخليلي وأبوبكر البيهقي وأبو القاسم القشيري وابو صالح المؤذن والزكي عبد الحميد النحري وعثمان بن محمد المحمي وأبوبكر احمدبن علي بن خلف الشيرازي وخلائق ." (تذكرة الحفاظ ، ص: ۳، ۱۶۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (تاريخ بغداد: ۳/ ۹، ۵، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

الي مثلها ، كان عالما ، عارفا واسع العلم ."[1]

ترجمہ: (امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ) اپنے زمانہ میں محدثین کے امام اور علم حدیث میں ایسی کتابوں کے مصنف ہیں کہ کوئی آپؒ پر سبقت نہ لے جاسکا، آپؒ عالم، عارف اور وسیع علم رکھنے والے تھے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" الحاكم الحافظ الكبير امام المحدثين ـــ صاحب التصانيف "[2]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے حافظ الحدیث، محدثین کے امام ـــ اور بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں۔ (ترجمہ ختم)

علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" و هو ثقة واسع العلم "

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور وسیع علم رکھنے والے عالم تھے۔ (ترجمہ ختم)

امام عبدالغافر بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

امام عبدالغافر بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" أبو عبد الله الحاكم هو امام أهل الحديث في عصره العارف به حق معرفته ."

ترجمہ: امام ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے اور فن حدیث کو کماحقہ جانتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (وفيات الأعيان و أنباء أبناء الزمان لابن خلكان : ٤/ ٢٨ ، الناشر : دار صادر ، بيروت)

[2] (تذكرة الحفاظ للذهبي : ٣/ ١٦٢ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت / لبنان)

فن حدیث میں عالی مقام:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے "فن حدیث" میں کمال وامتیاز کا اس بات سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے حفظ وضبط اور ثقاہت وعدالت پر تمام ائمہ فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاکمؒ اور ابن مندہؒ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن بیع (امام حاکم) ابن مندہؒ کی بہ نسبت حافظ میں "اتقن" اور زیادہ مستند ہیں۔"

تصانیف:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض نے پانچ سو، بعض نے ایک ہزار اور بعض نے ڈیڑھ ہزار جزء کے بقدر تعداد بتائی ہے۔ لیکن قدماء کی طرح ان کی بھی اکثر وبیشتر کتابیں اب معدوم اور ناپید ہیں۔

چند مشہور اور موجود کتابوں کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾الأربعين ﴿۲﴾الأمالي ﴿۳﴾أمالي العشيات ﴿۴﴾تراجم الشيوخ ﴿۵﴾تراجم المسند علىٰ شرط الصحيحين ﴿۶﴾التلخيص ﴿۸﴾فضائل الامام الشافعي ﴿۹﴾فضائل العشرة المبشرة ﴿۱۰﴾فضائل فاطمة ﴿۱۱﴾فوائد الخراسانيين ﴿۱۲﴾فوائد الشيوخ ﴿۱۳﴾فوائد العراقيين ﴿۱۴﴾ما تفرد باخراجه كل واحدمن الامامين ﴿۱۵﴾كتاب المبتداء من اللآلي ﴿۱۶﴾مناقب الصديق ﴿۱۷﴾كتاب العلل ﴿۱۸﴾المدخل الىٰ معرفة الصحيحين ﴿۱۹﴾ مزكي الأخبار ﴿۲۰﴾كتاب الاكليل المدخل الىٰ علم الحديث ﴿۲۱﴾تاريخ نيشابور ﴿۲۲﴾ معرفة علوم الحديث ﴿۲۳﴾المستدرك علىٰ الصحيحين

---

[1] قال ابن خلكان: "وصنف في علومه (أي في علوم الحديث) ما يبلغ ألفاً وخمس مائة جزء." (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان لابن خلكان: ۴/ ۲۸۰، الناشر: دار صادر، بيروت) وقال السبكي: "بلغت تصانيفه قريباً من خمس مائة جزء" (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ۴/ ۱۵۸، الناشر: أنهج للطباعة والنشر والتوزيع) وقال الذهبي: "اتفق له من التصانيف ما لعله يبلغ قريباً من ألف جزء." (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۳/ ۱۶۴، الناشر: الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (بستان المحدثين للدهلوي: ۴۱)

وفات حسرت آیات:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن نیشاپور میں مؤرخہ ۳ صفر المظفر ۴۰۵ھ بروز منگل یا بدھ کو (اختلاف ہے) پائی، حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور ابھی صرف تہہ بند ہی باندھا تھا کہ ایک آہ کھینچی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، عصر کے بعد تجہیز و تکفین کی گئی، اور قاضی ابوبکر حیرہؒ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ [1]

وفات کے بعد ایک نیک خواب:

وفات کے بعد حسن بن اشعث قرشی نے خواب میں دیکھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نہایت اچھی وضع قطع میں ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ "مجھے نجات مل گئی۔" تو میں نے اُن سے پوچھا کہ اے حاکم! کس چیز کی وجہ سے؟ "تو فرمایا کہ "حدیث کی تحریر و کتابت کی وجہ سے۔" [2]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیع کا الزام اور اُس کی حقیقت:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے بغض و حسد اور کینہ و عداوت کے تیروں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے، کسی نے آپ کو رافضی شیعہ کہا تو کسی نے خبیث ناقد معاویہ۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"محدثین اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھنے والا اور ان پر سب کرنے والا محض رافضی ہی نہیں بلکہ غالی رافضی ہے۔

---

[1] "قال الحافظ أبو موسى: كان الحاكم دخل الحمام واغتسل وخرج فقال: آه، فقبض روحه وهو مئزر لم يلبس قميص بعد وصلى عليه القاضي أبوبكر الحيري. توفي الحاكم في صفر سنة خمس وأربع مائة، رحمه الله تعالى." (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۴۶/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان) و (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ۱۶۱/۴، الناشر: الهجر للطباعة والنشر والتوزيع) و (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان لابن خلكان: ۲۸۱/۴، الناشر: دار صادر، بيروت) و (تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري لابن عساكر: ۲۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت)

[2] "قال الحسن بن اشعث القرشي: رأيت الحاكم في المنام على فرس في هيئة حسنة وهو يقول: البقاء، فقلت له: أيها الحاكم! فيماذا؟ قال: في كتبة الحديث." (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ۱۶۱/۴، الناشر: الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

علامہ ابن طاہر مقدسیؒ امام حاکم کا علمی مرتبہ و مقام بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" رافضي خبيث ... كان شديد التعصب للشيعة في الباطن وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة ..... كان منحرفا عن معاوية وآله متظاهرا بذلك ولا يعتذر منه ."[1]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

" وكان منحرفا غاليا عن معاوية وعن أهل بيته يتظاهر بذلك ولا يعتذر منه ."[2]

ترجمہ: وہ یعنی (امام حاکم) حضرت معاویہ ؓ اور اُن کی آل و پیروکاروں سے سخت منحرف اور بےزار تھے۔ اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے جس کا کوئی عذر بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہ ؓ سے اعلانیہ و برملا برأت کا اظہار کرتے تھے اور یہ انحراف و مخالفت بھی انتہائی درجے کی تھی۔ (كان منحرفا غاليا)

جب امام حاکمؒ کی اس ناپاک جسارت کی وجہ سے حضرت معاویہ ؓ پر تبرا عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہو کر موصوف کے اس منبر کو (جس پر بیٹھ کر وہ مجلس تبرا پڑھتے تھے) توڑ دیا اور آئندہ کے لئے انہیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے اور خطبہ دینے سے بھی منع کر دیا۔

اس گروہ کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ ؓ صحابی رسول ہیں لہٰذا ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابو عبد الرحمٰن السلمی امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ: "حضرت! لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ ؓ پر جو تبرا کرتے ہیں اس سے معذرت کر لیں اور ان کی منقبت و شان میں کوئی حدیث بیان

---

[1] (تذكرة الحفاظ للذهبي بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۹۸،۹۷)

[2] (سير أعلام النبلاء للذهبي ۱۷/ ۱۷۴ ، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۹۸،۹۷)

کردیں تاکہ اس مجبوری سے نجات مل جائے، تو موصوف نے جواباً واشگاف الفاظ میں کہا کہ

"لا يحبني من قلبي ، لا يحبني من قلبي" یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں حدیث بیان کرکے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔" [1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب عادت کلام کے سیاق وسباق میں قطع وبرید کرکے اوپر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" کے حوالہ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو رافضی شیعہ ثابت کرنے کے متعلق علامہ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو نقل کردیا ہے لیکن اس کے معاً بعد اس قول پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل نہیں کیا جس میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ہی شاندار اور زبردست انداز میں دفاع کیا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم قارئین باتمکین کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اس دجل وفریب کو طشت از بام کرنے اور ان کی اس علمی بددیانتی اور اخلاقی گراوٹ کو آشکارا کرنے اور اس کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عربی عبارت بمع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ کرتے ہیں تاکہ ہمارے معزز قارئین کی آنکھوں کے سامنے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کا فسوں ٹوٹ جائے اور وہ اس بارے میں اصل حقیقت سے روشناس ہوسکیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" قال ابن طاهر : سألت أبا اسمعيل الأنصاري عن الحاكم فقال : ثقة في الحديث رافضي خبيث ، ثم قال ابن طاهر : كان شديد التعصب للشيعة في الباطن و كان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة و كان منحرفاً عن معاوية و آله ، متظاهراً بذلك و لا يعتذر منه ، قلت : أما انحرافه عن خصوم عليٍّ فظاهر ، وأما أمر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعيٌ

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۹۸)

لا رافضي۔"[1]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "حدیث میں تو ثقہ ہیں (لیکن) خبیث (قسم کے) رافضی ہیں۔ پھر ابن طاہرؒ نے فرمایا کہ: "آپؒ اندر سے بڑے متعصب قسم کے شیعہ تھے، لیکن تقدیم اور خلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، معاویہ ؓ اور آل معاویہ ؓ سے بیزار رہتے تھے، اور اس کا برملا اظہار بھی کرتے تھے اور اس کے متعلق کوئی معذرت نہیں کرتے تھے۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ جہاں تک ان کا حضرت علی ؓ کے مخالفین سے انحراف کا تعلق ہے تو وہ تو ظاہر ہے، لیکن جہاں تک حضرات شیخین (حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ) کی بات کا تعلق ہے تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات کی بہر حال تعظیم و تکریم کرتے تھے، اس لئے وہ شیعی ضرور تھے ع لیکن رافضی نہیں تھے۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت میں اگرچہ ابو اسمٰعیل انصاریؒ کے قول سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک قسم کے رافضی ہیں، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد خود علامہ ابن طاہر مقدسیؒ (کہ جنہوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رافضی ہونے کی ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے روایت کی ہے) کے اپنے کلام سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے رفض کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا ہے۔

بہر حال یہ حقیقت تو آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن طاہر مقدسیؒ کے قول کا کس طرح جواب دیا ہے اور کتنی مضبوطی کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کرتے ہوئے آپ کی ذات سے رفضیت کا الزام دھو ڈالا ہے!۔

یہ تھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی وہ علمی خیانت اور وہ اخلاقی بددیانتی کہ جس کی بنیاد پر انہوں نے محض

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۳/۱۰۶۵، ۱۰۶۶، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ع امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کی حقیقت کا جائزہ آگے آ رہا ہے۔ رفیع

اپنے مدعا کے اثبات میں علامہ ابن طاہرؒ کا قول نقل تو کر دیا ہے لیکن اس قول کے تعاقب، اس کے رد اور اس کے جواب میں اس کے معاً بعد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا دو ٹوک تبصرہ اس پر نقل نہیں کیا کہ جس سے آپؒ ذات پر سے "رافضیت" کا ازالہ ہو رہا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری علمی خیانت:

اسی طرح ایک دوسری روایت جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ان کی کتاب "سیر أعلام النبلاء" سے نقل فرمائی ہے اُس کو بھی ہم پہلے اُس کی عربی عبارت مع اس کے سیاق وسباق کے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اُس کا سلیس اُردو ترجمہ کرتے ہیں تاکہ اصل حقیقت خوب اچھی طرح واضح ہو جائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب اور جھوٹ کی قلعی خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آجائے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن طاهر: سألت أبا اسمٰعيل الأنصاري عن الحاكم فقال ثقة في الحديث رافضي خبيث، قلت كلا ليس هو رافضياً، بل يتشيع قال ابن طاهر: كان شديد التعصب للشيعة في الباطن وكان يظهر السنة في التقديم والخلافة وكان منحرفاً غالياً عن معاوية رضي الله عنه وعن أهل بيته، يتظاهر بذلك ولا يعتذر منه."[1]

ترجمہ: ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ابو اسمٰعیل انصاریؒ سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "فن حدیث میں تو ثقہ ہیں، لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ: "ہرگز نہیں! آپؒ رافضی نہیں تھے، بلکہ آپؒ میں تشیع تھا۔ ابن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ "آپؒ اندر سے سخت قسم کے شیعہ تھے، اور تقدیم وخلافت میں اپنا سنی ہونا ظاہر فرماتے تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور آلِ معاویہ رضی اللہ عنہم سے بیزار تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے اور اس کا کوئی معقول عذر پیش نہیں فرماتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اس روایت میں بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حسب سابق اپنے اسی دجل وفریب اور ہوشیاری

---

[1] (سیر أعلام النبلاء للذهبي ۱۲/ ۵۷۶، ۵۷۷، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

چالاکی کا مظاہرہ کیا ہے، اور پچھلی عبارت میں اگر کلام کا سیاق حذف کر گئے تھے تو اس عبارت میں کلام کا سیاق حذف کر گئے ہیں۔

یہ ہے پروفیسر طاہر صاحب کی علمی خیانت، اخلاقی گراوٹ اور بددیانتی کی وہ بدترین مثال کہ جس سے انہیں اس آخری عمر میں بہر حال توبہ کر لینی چاہیے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

" وقد قال ابن طاهر : سألت ابا اسمعيل عبد الله الأنصاري عن الحاكم أبي عبد الله فقال: امام في الحديث رافضي خبيث ، قلت: الله يحب الانصاف ما الرجل برافضي ، بل شيعي فقط "[1]

ترجمہ: اور ابن طاہرؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاریؒ سے امام حاکم ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ " امام فی الحدیث ہیں اور خبیث قسم کے رافضی ہیں۔"

(علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ (ان کے بارے میں ایسا کہنا ظلم ہے اور) اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتے ہیں (اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ) آپؒ رافضی نہیں ہیں بلکہ صرف شیعی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور پھر ان کے حوالہ سے بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ نے نقل کیا ہے کہ

" وكان ابن البيع يميل الي التشيع ، فحدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي بنيسابور ، وكان شيخا صالحا فاضلا عالما ، قال جمع الحاكم أبو عبد الله احاديث زعم أنها صحاح علي شرط البخاري ومسلم ، يلزمها اخراجها في صحيحيهما ، منها حديث الطير و من كنت مولاه فعلي مولاه فانكر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم ينتفوا فيه الي قوله ولا

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی: ۳/ ۵۳، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بیروت۔ لبنان)

صوبوه في فعله "[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ "تشیع" کی جانب مائل تھے، مجھ سے ابراہیم بن محمد ارموی (جو ایک صاحب علم اور صالح قسم کے آدمی تھے) نے نیشاپور میں بیان کیا کہ "امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی احادیث اپنے پاس جمع کر رکھی ہیں کہ جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ وہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں، اس لئے حضرات شیخین پر ان کی تخریج ضروری تھی۔ چنانچہ اسی قسم کی احادیث میں "حدیث طیر" اور حدیث "من کنت مولاہ فعلي مولاہ" بھی ہیں (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں وارد ہوئی ہیں) پس ان احادیث کی وجہ سے محدثین عظام نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی، اور اس بارے میں اُن کی بات کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور نہ ہی اُن کے اس فعل میں اُن کی تصویب کی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض کا الزام صحیح نہیں بلکہ سراسر بے بنیاد ہے۔

" لا يحبني من قلبي " کے واقعہ کی تحقیق:

باقی رہی بات ابو عبد الرحمن السلمی کے اُس واقعہ کی کہ جس میں اُنہوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت وشان میں حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو اُنہوں نے جواب میں یہ کہا کہ " لا يحبني من قلبي ، لا يحبني من قلبي "یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی، میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی۔

تو اس کا جواب علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ واقعہ ابو عبد الرحمن سلمی کی طرف غلط طور پر منسوب کی گیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس قسم کی بات کے صادر ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں! زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے، ورنہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

---

[1] (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۳/ ۹، ط: الناشر: دار الغرب الإسلامی، بیروت)

علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" والغالب على ظني أن ما عزي الى أبي عبد الرحمان السلمي كذب عليه ، ولم يبلغنا أن الحاكم ينال من معاوية ، ولا يظن ذلك فيه ، و غاية ماقيل فيه الافراط في ولاء عليؓ كرم الله وجهه ومقام الحاكم عندنا اجل من ذلك "[1]

ترجمہ: میرا غالب گمان یہ ہے کہ ابو عبد الرحمن سلمیؒ کی طرف مذکورہ واقعہ کی جو نسبت کی گئی ہے یہ ان پر جھوٹ ہے۔ ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی ہو، اور نہ ہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اس بات کا گمان کیا جا سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وارفتہ تھے، ورنہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفضیت کے الزام کی تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے گزشتہ بیان کے علاوہ دوسرے بیانات سے بھی جو آگے نقل کئے جائیں گے مکمل طرح سے تردید ہو جاتی ہے۔ نیز علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی پرزور تردید کی ہے، اس لئے اس پر مزید بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت معلوم نہیں ہوتی، البتہ "شیعیت" کا الزام بظاہر بڑا قوی معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہاں اس کا مفصل علمی و تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کی حقیقت اور اس کا علمی و تحقیقی جائزہ:

چنانچہ جن لوگوں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کا الزام عائد کیا ہے ان کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تشیع کا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب و شتم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل اور خلافت میں ان کی تقدیم سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہاں تک کہ علامہ ابن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مخالف شخص کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ تقدیم و خلافت کے مسئلہ میں آپ تحسن کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] طبقات الشافعية الكبرى للسبكي : ۴/ ۱۶۳ ، الناشر : هجر للطباعة والنشر والتوزيع)

" قال ابن طاهر : ... وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة " [1]

ترجمہ: علامہ ابن طاہرؒ فرماتے ہیں: ... اور آپؒ تقدیم وخلافت کے مسئلہ میں تسنن کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

اور گو کہ یہ بات بھی بعض علماء سے منقول ہے کہ آپؒ کے تشیع کا مطلب یہ ہے کہ آپؒ حضرت عثمان ؓ پر حضرت علی ؓ کو فضیلت دیتے تھے جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب رہا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ:

"ان کے "تشیع" کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان ؓ پر حضرت علی ؓ کی فضیلت کے قائل تھے، جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے۔" (ترجمہ ختم) [2]

لیکن یہ امر بہرحال مسلم ہے کہ آپؒ حضرت علی ؓ کو حضرات شیخین (حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ) سے نہ افضل سمجھتے تھے اور نہ ہی ان حضرات کے مقابلے میں حضرت علی ؓ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ اس لئے اب صرف آپؒ کے تشیع کے متعلق صرف دو قابل بحث امر رہ جاتے ہیں:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع کے متعلق دو قابل بحث امر:

۱- پہلی چیز حضرت علی ؓ کی محبت وعقیدت میں آپؒ کا غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو کا شکار ہونا ہے، جس کا ثبوت خطیب بغدادیؒ کی روایت سے یہ ملتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی ؓ کے فضائل ومناقب میں ضعیف وموضوع احادیث تک روایت کر ڈالی ہیں۔

۲- اور دوسری چیز حضرت معاویہ ؓ سے آپؒ کی برہمی اور برأت کا اظہار ہے، جیسا کہ پیچھے علامہ ذہبیؒ اور علامہ ابن طاہرؒ کے حوالہ سے مفصل گزر چکا ہے۔

پہلا قابل بحث امر:

جہاں تک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی ؓ کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو کے شکار ہونے کا معاملہ ہے تو اسے اعتراض وملامت اور تشیع کی بنیاد قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں، اس لئے کہ

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ للذهبي: ۱۶۵/۳، ۱۹۶۰، الناشر: دار العلمية - بيروت / لبنان)

[2] (بستان المحدثين: ص ۱۴۱)

سے اکابر علماء اور ائمہ اسلام کو حضرت علی ؓ اور حضرات اہل بیت ؓ کی محبت وعقیدت میں غیر معمولی افراط وتفریط اور غلو رہا ہے۔ لہٰذا آپ ؓ کا غلو اسی وقت قابل ملامت کہلایا سکتا ہے جب کہ دوسرے صحابہ ؓ کی عظمت وجلالت کا آپ ؓ نے پاس نہ رکھا ہو، یا آپ ؓ حضرت علی ؓ کو اجلہ صحابہ ؓ پر فضیلت دیتے ہوں، لیکن یہاں عجیب معاملہ یہ ہے کہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ کو قرار دینے والوں کو بھی اس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ آپ ؒ حضرات شیخین کی تنقیص وتوہین ہرگز نہیں کرتے تھے، بلکہ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کو حضرت علی ؓ سے افضل اور خلافت کے معاملہ میں حضرت علی ؓ سے زیادہ مقدم سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ ؒ کا حضرت علی ؓ کی محبت وعقیدت میں وارفتہ ہونا نہ قابل التفات ہے اور نہ ہی اس سے آپ ؒ کا کسی طرح شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جان دار تبصرہ:

غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب جیسے ناقدین حضرات کے مذکورہ بالا اعتراضات کے جواب ہی میں علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصولوں کی رہنمائی میں بڑا ہی جان دار اور بہت ہی شان دار تبصرہ پیش کیا ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اور ان جیسے دیگر ناقدین حضرات کے لئے ایک بڑے لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا ہے، اس میں موصوف لکھتے ہیں:

" ذكر البحث عما رمي به الحاكم من التشيع ومازادت أعدائه ونقصت أوداؤه رحمه الله تعالي و النصفة بين الفنين ، أوّل ما ينبغي لك أيها المنصف اذا سمعت الطعن في رجل أن تبحث عن خلطائه و الذين عنهم أخذ ما ينتحل وعن مرباه ومبدئه ، ثم تنظر كلام أهل بلده وعشيرته من معاصريه العارفين به بعد البحث عن الصديق منهم له والعدو الخالي عن الميل الي احدي الجهتين ، وذلك قليل في المتعاصرين المجتمعين في بلد ، وقد رمي هذا الامام الجليل بالتشيع ، وقيل انه يذهب الي تقديم علي من غير أن يطعن في واحد من الصحابة ث فنظرنا فاذا الرجل المحدث لايختلف في ذلك وهذه العقيدة تعد علي محدث ، فان التشيع فيهم نادر وان وجد في افراد قليلين ،ثم نظرنا مشايخه الذين أخذ عنهم العلم ، وكانت

له بهم خصوصية ، فوجدناهم من كبار أهل السنة ومن المتصلة في عقيدة أبي الحسن الأشعري كالشيخ أبي بكر بن اسحاق الصبغي والأستاذ أبي بكر بن فورك والأستاذ أبي سهل الصعلوكي وأمثالهم ، وهؤلاء هم الذين كان يجالسهم في البحث ويتكلم معهم في أصول الديانات ومايجري مجراها ، ثم نظرنا تراجم أهل السنة في تاريخه فوجدناه يعظمهم حقهم من الاعظام والثناء مع ما ينتحلون ، واذا شئت فانظر ترجمة أبي سهل الصعلوكي ، وأبي بكر بن اسحاق ، وغيرهما من كتابه ولايظهر عليه شيئ من الغمز على عقائدهم وقد استقريت فلم أجد مؤرخا ينتحل عقيدة ، ويخلو كتابه عن الغمز ممن يحيد عنها سنة الله في المؤرخين وعادته في النقلة ولا حول و لا قوة الا بحبله المتين

ثم رأينا الحافظ البيت أبا القاسم بن عساكر أثنه في عداد الأشعريين الذين يدعون أهل التشيع ويرمون الى الله منهم فحصل لنا الريب فيما رمي به هذا الرجل على الجملة "[1]

ترجمہ: اب یہاں پر ہم امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر شیعہ ہونے کے الزام اور آپ کے دشمنوں اور دوستوں کی طرف سے افراط وتفریط ہونے کے شکار اور ان دونوں گروہوں کے درمیان انصاف اور برابری کی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک منصف مزاج شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کسی شخص کے بارے میں کوئی نامناسب سنے تو سب سے پہلے اس کے شیوخ واساتذہ اور رفقاء وتلامذہ وغیرہ سے اس کے متعلق بحث وتفتیش کرے، اس کے بعد اس کے ماحول اور اس کے ان حالات کا جائزہ لے جن میں اس کی نشو نما ہوئی ہے، پھر اس کے ان معاصرین، ہم وطنوں اور اعزہ واقرباء کے اقوال وآراء معلوم کرے جو اس کی زندگی کے حالات واقعات سے خوب

[1] طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ٤/١٦١، ١٦٢، الناشر: الهجر للطباعة والنشر والتوزيع

اچھی طرح واقف ہوں۔

معاصرین کے متعلق اس بات کی تحقیق ضرور کر لینی چاہیے کہ ان کے اس متہم شخص سے کس قسم اور کس نوعیت کے تعلقات تھے؟ آیا وہ اس کے موافق، اس کے حمایتی اور اس کے دوست تھے یا اس کے مخالف و معاند اور معترض و نکتہ چیں تھے، یا بالکل ہی غیر جانب دار تھے اور غیر جانب دار بہت کم ہوتے ہیں۔

ان اُصولوں کی رُوشنی میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تشیع اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے الزام پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ وہ ایک جلیل القدر محدث تھے، اُن کی اس حیثیت میں اُن کے مخالفین کو بھی کوئی کلام نہیں اور محدثین میں ایسے عقائد شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اُن شیوخ پر غور کیا جائے جن سے اُنھوں نے علم و فن کی تحصیل کی ہے، بالخصوص اُن شیوخ کو دیکھا جائے جن سے ان کو زیادہ تعلق اور قربت رہی ہے تو معلوم ہوگا کہ ان کے شیوخ و اساتذہ میں اکابر اہل سنت اور ایسے لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے، جیسے امام ابوبکر بن اسحاق ضبعیؒ ابوبکر بن فورکؒ اور امام ابوسہل الصعلوکیؒ وغیرہم۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے ساتھ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا اٹھنا بیٹھنا تھا اور انہیں حضرات کے ساتھ اُصول و دیانات وغیرہ میں آپؒ کے مجادلے و مباحثے رہتے تھے۔

اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اہل سنت علماء کے جو تراجم لکھے ہیں ان میں ان کی مکمل طور پر تعریف و توصیف کی ہے اور کہیں بھی ان کے عقائد پر طعن و تعریض نہیں کی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو ان اشاعرہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے جو اہل رفض و تشیع کو مبتدع کہتے ہیں اور ان کے عقائد سے تبرّی ظاہر کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ وہ چیزیں ہیں جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے جانے والے الزامات کو مشکوک بنا دیتی ہیں۔ اور آگے چل کر جو تفصیلات بیان کی جائیں گی ان سے یہ شکوک و شبہات سراسر یقین و اذعان میں تبدیل ہو جائیں اور ہم بہتر طریقے سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض و تشیع دونوں سے بالکل پاک صاف ہے۔

تھوڑا آگے چل کر علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ) مزید لکھتے ہیں:

" ان الرجل كان عنده ميل الى علي رضي الله عنه يزيد علي الميل الذي يطلب شرعا ولا أقول انه ينتهي به الى أن يضع من أبي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم ولا انه يفضل عليا على الشيخين بل استبعد أن يفضله علي عثمان رضي الله عنه ، فاني رأيته في كتابه ﴿ الأربعين ﴾ عقد بابا لتفضيل أبي بكر وعمر وعثمان واختصهم من بين الصحابة . وقدم في المستدرک ذكر عثمان علي علي رضي الله عنهما . وروي فيه من حديث أحمد بن أخي ابن وهب حدثنا عمي حدثنا يحيى بن أيوب حدثنا هشام ابن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: " أول حجر حمله النبي صلي الله عليه وسلم لبناء المسجد ، ثم حمل أبوبكر حجراً آخر ، ثم حمل عمر ، ثم حمل عثمان حجراً آخر ، فقلت يا رسول الله صلي الله عليه وسلم ! ألا ترى هؤلاء كيف يساعدونک ؟ فقال : يا عائشة ! هؤلاء الخلفاء من بعدي ." قال الحاكم : علي شرطهما ، وانما اشتهر من رواية محمد بن الفضل بن بن عطية فلذلک هجر . قلت : وقد حكم شيخنا الذهبي في كتابه ﴿ تلخيص المستدرک ﴾ بأن هذا الحديث لايصح ، ل أن عائشة لم يكن النبي صلي الله عليه وسلم دخل بها اذ ذاک . قال : وأحمد منكر الحديث وان كان مسلم خرج له في الصحيح بيحيي وان كان ثقة فيه ضعف . قلت : فمن يخرج هذا الحديث الذي يكاد يكون نصا في خلافة الثلاثة مع ما في اخراجه من الاعتراض عليه

يظن به الرفض ، وخرج ايضا في فضائل عثمان حديث : " ليهبض كل رجل منكم الي كفته فنهض النبي الي عثمان وقال " أنت ولي في الدنيا والآخرة " وصححه مع أن في سنده مقالات . وأخرج غير ذلك من الأحاديث الدالة علي افضلية عثمان مع ما في بعضها من الاستدراك عليه وذكر فضائل طلحة والزبير وعبد الله بن عمرو بن العاص فقد غلب علي الظن أنه ليس فيه (ولله الحمد) شيء مما يستنكره عليه افراط في ميل لاينتهي الي بدعة "۔[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تشیع کی جانب میلان کا جو ذکر کیا جاتا ہے، اگر یہ شریعت کے مطلوب واقتضاء سے بھی بڑھ کر، ہا ہو تو بھی یہ اس حد کو نہیں پہنچا ہوا تھا کہ وہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مذمت اور تنقیص کرتے رہے ہوں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل مانتے رہے ہوں، بلکہ میں تو اس بات کو بھی ان سے بعید سمجھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت دیتے رہے ہوں، کیوں کہ میری نظر سے ان کی کتاب "الاربعین" میں ایک باب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وتفضیل پر گزرا ہے، اس میں آپ نے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان ہی تینوں حضرات کی عظمت کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اسی طرح "مستدرک" میں بھی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ "مسجد نبوی رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے لئے پہلا پتھر خود آنحضرت رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر تیسرا پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا، پھر چوتھا پتھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے عرض کیا "اے اللہ رسول (رضی اللہ عنہ)! دیکھئے اس طرح یہ لوگ آپ کی معاونت کر رہے ہیں؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے عائشہ! یہی لوگ میرے بعد میرے خلفاء اور میرے جانشین ہوں گے۔" امام حاکم رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث بخاری اور مسلم

---

[1] المستدرک، ۱۹۷/۴، ۱۶۸، الناشر: دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع

کی شرط کے مطابق ہے۔ اور یہ روایت چوں کہ محمد بن فضل بن عطیہ کی سند سے مشہور ہے اس لئے مہجور ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "تلخیص مستدرک" میں اس روایت پر عدم صحت کا حکم لگایا ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ "احمد منکر الحدیث" ہے اگرچہ اُس کی روایات کی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اور یحییٰ اگرچہ ثقہ ہے، لیکن اُس میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص (یعنی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ) اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر ایسی حدیث کی تخریج کر سکتا ہے جو خلفائے ثلاثہ ﷺ کی خلافت کے متعلق تقریباً ایک منصوص اور قطعی امر کی حیثیت رکھتی ہے، تو کیا ایسے شخص کے بارے میں رفض و تشیع کا گمان کیا جا سکتا ہے؟۔

نیز حضرت عثمان ﷺ کے فضائل و مناقب میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ: "ہر شخص کو اپنے ہم سر کے ساتھ ہونا چاہیے اور آپؐ نے خود حضرت عثمان ﷺ کے ساتھ ہو کر ان سے معانقہ فرمایا، اور فرمایا کہ آپ ﷺ دنیا اور آخرت (دونوں جگہوں) میں میرے دوست ہیں۔" امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس کے کہ اس حدیث کی سندوں میں کلام ہے اس کی تصحیح کی ہے۔

علاوہ ازیں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان ﷺ کی افضلیت کے بارے میں اور بھی کئی احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں سے بعض پر "استدراک" کا اعتراض بھی موجود ہے۔ نیز حضرت طلحہ ﷺ، حضرت زبیر ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کے فضائل میں بھی کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ لہٰذا میرا غالب گمان یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی ﷺ کی جانب میلان اور عقیدت میں کسی ایسی افراط و تفریط یا کسی ایسے غلو و اغراق سے کام نہیں لیتے تھے جو بدعت (یا دوسرے صحابہ کرام ﷺ کے سب و شتم) کا کسی بھی

طرح سب بن سکتا ہو۔ (ترجمہ ختم)

الغرض امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غالی و مفرط ہونا اولاً تو ثابت ہی نہیں ہے، اور اگر کسی درجہ میں ثابت ہو بھی جائے جب بھی بوجوہ قابل اعتراض اور موجب تشیع نہیں ہے:

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ آپ نے حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا جہاں ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے وہاں اسی ترتیب کے مطابق کیا ہے جو اہل سنت نے ان بزرگوں کے درمیان قائم کی ہے۔ چنانچہ "مستدرک" کے "فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم" کے ابواب میں یہی ترتیب ہے۔ یعنی یہ کہ پہلے بالترتیب حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں لکھتے ہیں:

"النوع السابع من هذا العلم معرفة الصحابة علىٰ مراتبهم ."[1]

ترجمہ: اس علم کی ساتویں نوع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان کے مراتب کے لحاظ سے ان کی معرفت ہے۔

اس نوع میں انہوں نے مراتب ہی کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ (۱۲) طبقوں کا ذکر کیا ہے۔ اور پہلے طبقہ میں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے نام اس ترتیب کے ساتھ لیے ہیں:

"فاولهم قوم اسلموا بمكة ، مثل ابي بكر ، وعمر ، وعثمان ، وعلي وغيرهم رضي الله عنهم:"[2]

ترجمہ: پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مکہ میں اسلام لائے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات ہیں۔

محدثین عظام کے سنین اور عمروں کے بیان میں بھی آپ نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن وفات تحریر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو:

"فاما ابو بكر الصديق رضي الله عنه فانه توفي وهو ابن ثلاث و

---

[1] (معرفة علوم الحديث للحاكم: ۱/۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] (معرفة علوم الحديث للحاكم: ۱/۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

سنين سنة ، وذلك في جمادي الأولى سنة ثلاث عشرة . وتوفي عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو ابن ستين سنة في أكثر الأقاويل ، وقيل : خمس وخمسين سنة وقيل خمس وستين سنة، ولم يختلفوا في وقت وفاته أنه توفي في ذي الحجة سنة ثلاث و عشرين . وقتل عثمان ابن عفان رضي الله عنه صبراً في ذي الحجة سنة خمس و ثلاثين ، وهو يومئذ ابن اثنتين و ثمانين سنة . وكذلك قتل علي رضي الله عنه ليلة الجمعة لسبع عشرة من رمضان سنة أربعين ، وهو يومئذ ابن ثلاث و ستين سنة "[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت تریسٹھ (۶۳) سال کے تھے، اور یہ ۱۳ھ کی بات ہے۔ اور حضرت عمر فاروق ؓ کی جب وفات ہوئی تو وہ اُس وقت زیادہ تر اقوال کے مطابق ساٹھ (۶۰) سال کے تھے، بعض نے کہا ہے کہ پچپن (۵۵) سال کے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ پینسٹھ (۶۵) سال کے تھے، لیکن ان کے وقت وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ کو وفات پائی ہے۔ اور حضرت عثمان غنی ؓ جب ظلماً قتل کیے گئے تو اُس وقت ان کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی اور یہ ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ کی بات ہے۔ اور اسی طرح جب علی ؓ قتل کیے گئے تو اُس وقت ان کی تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور یہ شب جمعہ سترہ (۱۷) رمضان ۴۰ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

۲- اور ثانیاً اس وجہ سے کہ عام اہل سنت حضرات کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بھی چاروں خلفائے راشدین ؓ کو خلفائے برحق سمجھتے تھے اور آپؒ نے اپنی تصنیفات میں بحیثیت خلفاء ان کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

۳- اور ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرات خلفائے راشدین ؓ کے فضائل و مناقب میں جو احادیث و آثار امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیے ہیں ان سے بھی ان کی وہی عظمت و فضیلت اور ان کا وہی درجہ و مرتبہ ثابت ہوتا ہے جو عام اُمت نے ان کو دیا ہے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ متفقہ طور پر آنحضرت ﷺ کے بعد تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، پھر حضرت عمر فاروق ؓ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، پھر حضرت عثمان

---

[1] (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۲/۱، ۲، ۳، ۲۰۰، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

غنی ؓ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں، اور پھر حضرت علی المرتضی ؓ تمام امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ و برتر ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احادیث و آثار سے یہی ثابت کیا ہے بلکہ خود حضرت علی ؓ کے ایسے اقوال بھی نقل فرمائے ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا سب پر فائق و برتر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت میں حضرت علی ؓ کی تاخیر اور آپ ؓ کی آزردگی کے مسئلہ نے تا ہنوز امت کے درمیان بحث و تمحیص کا موضوع دھارا ہوا ہے، لیکن امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت علی ؓ ہی کی زبانی اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

" قال علي و الزبير ما غضبنا الا لأنا قد أخرنا عن المشاورة ، وانا نري أبابكر أحق الناس بها بعد رسول الله أنه لصاحب الغار وثاني اثنين و انا نعلم بشرفه و كبره ، ولقد امره رسول الله صلي الله عليه وسلم بالصلوة بالناس وهو حي "[1]

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "ہمیں غصہ اس بات پر تھا کہ ہم لوگوں کو باہم مشورہ لینے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، ورنہ ہم لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر ؓ ہی کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، وہ غار میں آپ ﷺ کے ساتھ اور دو میں کے دوسرے تھے، ہمیں ان کی عظمت و شرف خوب اچھی طرح معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (ترجمہ ختم)

باقی جہاں تک حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت کا معاملہ ہے تو اس میں معترضین حضرات کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، البتہ حضرت عثمان غنی ؓ کا معاملہ ضرور مختلف فیہ ہے، حالاں کہ یہ معاملہ بھی درحقیقت خلاف واقعہ معاملہ ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی ؓ کو تیسرا اور حق خلیفہ مانتے تھے اور ان کے قتل کو بجا طور پر ناحق سمجھتے تھے۔

چنانچہ آپ اپنی کتاب " معرفة علوم الحديث " میں لکھتے ہیں:

---

[1] المستدرك على الصحيحين للامام الحاكم ۳ : ۷۰ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

"قتل عثمان بن عفان صبراً"[1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا گیا۔ (ترجمہ ختم)

خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ترتیب کے متعلق جو اشارات بعض حدیثوں میں ملتے ہیں وہ اشارات "مستدرک" میں بھی ہیں۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی دو حدیثیں "مستدرک" سے نقل فرمائی ہیں۔ یہاں دو اور روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قال: أري الليلة رجل صالح أن أبابكر نيط برسول الله صلي الله عليه وسلم ونيط عمر بأبي بكر ونيط عثمان بعمر. قال جابر: فلما قمنا من عند النبي صلي الله عليه قلنا: الرجل الصالح النبي وأما من ذوكر من نوط بعضهم بعضا فهم ولاة هذا الأمر الذي بعث الله به نبيه صلي الله عليه وسلم."[2]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "رات کو ایک صالح شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر سے جڑ گئے راوی کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو یہ بات چیت کر رہے تھے کہ صالح آدمی سے خود رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور جڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اس معاملہ کے ذمہ دار ہوں گے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ (ترجمہ ختم)

دوسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

"بعثني بنو المصطلق الي رسول الله صلي الله عليه وسلم فقالوا:

---

[1] (معرفة علوم الحديث للامام الحاكم: ۱/ ۲۰۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (المستدرك علي الصحيحين للامام الحاكم: ۳/ ۷۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

سل لنا رسول الله صلي الله عليه وسلم الي من ندفع صدقاتنا بعدك ؟ قال فاتيته فسالته فقال : الي أبي بكر فاتيتهم فاخبرتهم فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بابي بكر حدث فالي من ؟ فاتيته فسالته فقال : الي عمر ، فاتيتهم فاخبرتهم ، فقالوا : ارجع اليه فسله فان حدث بعمر حدث فالي من ؟ فاتيته فسالته فقال الي عثمان فاتيتهم فاخبرتهم ـــ "۔[1]

ترجمہ: بنی مصطلق کے لوگوں نے مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے بعد کس کو صدقات دیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو! ان لوگوں نے کہا" جا کر پوچھو کہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو دیا کریں؟۔" آپ ﷺ نے فرمایا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو!" تیسری مرتبہ پھر بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیا کرو!۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں جو روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی قسم کی کوئی توہین وتنقیص نہیں پائی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ دیگر عام محدثین کی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت میں طعن اور ان کی تنقیص کرنے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ مذاہب محدثین کی معرفت کے بیان میں آپ لکھتے ہیں:

" ثنا معاذ بن المثني العنبري قال: سألت علي بن المديني عن أبي اسرائيل الملائي ، فقال : لم يكن حديثه بذك ، وكان يذكر عثمان بعيب بالسوء ."[2]

ترجمہ: امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ابواسرائیل ملائی کا پایہ علم حدیث میں بلند نہیں تھا کیوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے تھے۔ اسی

---

[1] (المستدرك على الصحيحين للامام الحاكم: ۸۲/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (معرفة علوم الحديث للامام الحاكم: ۱۳۶/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

طرح علی بن حسینؒ سے روایت ہے کہ حسینؒ نے سدیؒ کے یہاں جانا محض اس لئے ترک کر دیا تھا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

درحقیقت محدثین علماء کے نزدیک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرات صحابہ کرام ؓ کے معاملہ میں جادۂ حق اور مسلک اعتدال سے منحرف نہیں تھے، جن لوگوں نے آپؒ کو شیعی قرار دیا ہے، انہوں نے بھی اس کے ثبوت میں کوئی ایک واقعہ یا آپؒ کی تصانیف سے کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی ہے۔

ہاں! البتہ دو روایتیں ضرور ایسی ملتی ہیں جو بظاہر آپؒ کے رفض وتشیع کے ثبوت میں بڑے دھڑلے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں، حالاں کہ ان کی بھی حقیقت پرکاہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ذیل میں انہیں دو روایتوں پر فاضلانہ، محققانہ اور عالمانہ بحث کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی حدیث ﴿ من کنت مولاہ فعلي مولاہ ﴾ کی تحقیق!

پہلی حدیث ﴿ من کنت مولاہ فعلي مولاہ ﴾ ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج تین طرق سے کی ہے اور ان تینوں ہی طرق کی تصحیح وتصویب فرمائی ہے۔[1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "جامع" میں، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" میں بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ ان کے علاوہ نے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "معجم" میں امام ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مختارہ" میں اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص علی ؓ" میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اور گو کہ "مستدرک حاکم" کے بعض رجال پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی روایتوں میں بعض ایسے اضافے ہیں جو صحاح اور مسند احمد میں نہیں ہیں، تاہم روایت کے جس حصہ ﴿ من کنت مولاہ فعلي مولاہ ﴾ کو قابل بحث، وجہ اعتراض اور شیعیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ حصہ سب میں مشترک ہے، اس لئے اگرچہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف اور بے اصل قرار دیا ہے، لیکن جمہور اور اکثر محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور ثابت قرار دیا ہے۔

چنانچہ مشہور حافظ الحدیث علامہ شمس الدین ذہبیؒ جنہوں نے "مستدرک حاکم" کی تلخیص کی تھی، انہوں نے بھی اس میں قدم قدم پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نقد وتعقب کیا ہے، اور اسی باب فضائل علی ؓ کی دسیوں ضعیف اور

---

[1] المستدرك على الصحيحين للإمام الحاكم: ۱۱۹/۳، ۶۴۳/۳، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)

غیر مستند احادیث پر تنبیہ بھی فرمائی ہے، جس میں بعض جگہ آپ کا لہجہ نسبتاً قدرے تیز و تند بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

" العجب من الحاكم و جرأته في تصحيح هذا و أمثاله من البواطل ."[1]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر اور آپ کی ایسی اور اس جیسی باطل احادیث کی تصحیح کی جرأت پر سخت تعجب ہے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن زیر بحث روایت کے صرف ایک طریق کے محمد نامی راوی کے علاوہ آپ نے کسی پر کلام نہیں کیا ہے[2] اور تذکرہ میں اس صراحت کے باوجود کہ مستدرک میں غیر صحیح احادیث بھی پائی جاتی ہیں اس حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

" و أما حديث : ﴿ من كنت مولاه فعلي مولاه ﴾ فله طرق جيدة و قد أفردت ذلك ."[3]

ترجمہ: اور بہر حال حدیث: ﴿ من كنت مولاه فعلي مولاه ﴾ تو اس کے طرق جید ہیں اور میں نے اس کے لئے علیحدہ ایک رسالہ لکھا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں "مستدرک" میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ساقط روایات کی تصریح فرمائی ہے، لیکن اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ ضعاف و موضوعات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع صغیر" میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے:

" من كنت مولاه فعلي مولاه (حم) عن البراء (حم) عن بريدة (ت ن) و الضياء عن زيد بن أرقم – (ح) ."[4]

ترجمہ: حدیث ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ جو کہ حضرت براء بن عازب

---

[1] (تلخيص مستدرك للذهبي : ۱۲۷/۳)

[2] (تلخيص مستدرك للذهبي : ۱۱۰/۳)

[3] (تذكرة الحفاظ للذهبي : ۱۶۴/۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[4] (الجامع الصغير للسيوطي : ۱۱۷۲/۲ ، الناشر : المكتب الاسلامي)

ﷺ حضرت بریدۃ ﷺ اور ضیاء مقدسیؒ نے حضرت زید بن ارقم ﷺ سے روایت کی ہے یہ حدیث "حسن" ہے۔

البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب بتلایا ہے۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرحمان مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"قوله: (هذا حديث حسن غريب) و أخرجه أحمد و النسائي و الضياء، وفي الباب عن بريدة أخرجه أحمد وعن البراء بن عازب أخرجه أحمد وابن ماجة وعن سعد بن أبي وقاص أخرجه ابن ماجة وعن علي أخرجه أحمد." [1]

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حسن غریب" بتلایا ہے، لیکن امام احمدؒ، امام نسائیؒ اور امام ضیاء مقدسیؒ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، اس باب میں امام احمدؒ نے حضرت بریدہ ﷺ سے اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت براء بن عازب ﷺ اور حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے اور امام احمدؒ نے حضرت علی ﷺ سے روایتیں کی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۲ھ) نے تو اس حدیث کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ:

"حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کی امام طبرانیؒ، امام احمدؒ اور امام ضیاء مقدسیؒ نے "مختارہ" میں زید بن ارقم ﷺ، حضرت علی ﷺ اور تیس صحابہ ﷺ سے اس لفظ ﴿اللهم وال من والاه وعاد من عاداه﴾ کے ساتھ تخریج کی ہے۔ پس یہ حدیث مشہور یا متواتر ہے۔" [2]

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بعض علمائے فن اور محدثین نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی

---

[1] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري: ۱۰/ ۱۴۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] "من كنت مولاه فعلي مولاه. رواه الطبراني وأحمد والضياء في المختارة عن زيد بن أرقم وعلي وثلاثين من الصحابة بلفظ: "اللهم وال من والاه وعاد من عاداه." فالحديث متواتر أو مشهور." (كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس ۲/ ۴۱۲، الناشر: موقع مكتبة مشكاة الإسلامية)

رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی "نصب الرایہ" میں صاف تصریح کی ہے، تاہم یہ حدیث چاہے صحیح ہو یا ضعیف ہو یا موضوع، محض اس کے نقل کر دینے کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو شیعی قرار دینا سراسر زیادتی اور ناانصافی پر مبنی ہے، جب کہ "مستدرک" میں اور بھی بیسیوں ضعیف و موضوع روایات موجود ہیں اور ان کی بنیاد پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ و مسلک کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم نہیں کی گئی ہے، یہاں تک کہ خود حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب میں بھی کم زور اور ساقط قسم کی روایات درج ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر کسی نے بھی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان بزرگوں کی عقیدت میں غلو اور افراط کا الزام عائد نہیں کیا ہے، تو پھر بتایئے نا کہ اس روایت کو آپ کے عقیدہ و مسلک کی بنیاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں بے جا افراط اور غلو کی دلیل کے طور پر کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ پھر جب کہ اس حدیث کی تخریج بیسیوں متعدد ائمہ کبار نے بھی کی ہے اور اس کی وجہ سے ان ائمہ کو رفض و تشیع سے متہم نہیں کیا گیا، تو پھر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ہی کو ہدف طعن اور شیعی قرار دینے کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟۔

اگر اس حدیث کی حجیت یقینی اور مسلم مان بھی لی جائے جب بھی اس کے مفہوم سے رفض و تشیع کی بو جو وہ کوئی تائید نہیں ہو سکتی:

اولاً تو اس وجہ سے کہ عربی زبان میں لفظ "مولیٰ" کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور جیسا کہ شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں "مولیٰ" اور "ولی" کا لفظ دوست اور ساتھی کے معنی میں ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ قيل معناه: من كنت أتولاه فعلي يتولاه من الولي ضد العدو. أي: من كنت أحبه فعلي يحبه. وقيل معناه: من يتولاني فعلي يتولاه. كذا ذكره شارح من علمائنا."[1]

ترجمہ: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ کا مطلب ﴿من كنت أتولاه فعلي يتولاه﴾ ہے، یعنی یہ لفظ ﴿تولاه﴾ لفظ ﴿ولي﴾ (بمعنی دوست) سے مشتق ہے جو

---

[1] (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح لملا علي قاري: ۹/۳۹۳۷، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان) و (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري: ۴/۳۲۶، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

﴿عدو﴾ (یعنی دشمن) کی ضد ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: ''میں جس سے محبت کرتا ہوں علی ﷺ بھی اس سے محبت کرتا ہے'' اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ''جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس سے علی ﷺ بھی محبت کرتا ہے۔ ہمارے شراح علماء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔''

پہلے مفہوم کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت علی ﷺ سے محبت کرنے والے کو مومن اور آپ ﷺ سے بغض و نفرت کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے کہ اس قسم کے الفاظ بعض دیگر صحابہ ﷺ کے بارے میں بھی کئی احادیث میں آئے ہیں، چنانچہ خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان ﷺ کے متعلق ایک روایت نقل فرمائی ہے جو ماسبق میں بھی گزر چکی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کو دنیا و آخرت (یعنی دونوں جہانوں) میں اپنا ولی اور اپنا دوست بتلایا ہے لہٰذا یہ حضرت علی ﷺ کی کوئی ایسی اہم اور خاص خصوصیت نہیں ہے کہ جس میں دوسرے صحابہ ﷺ ان کے ساتھ شریک نہ ہوں۔

ثالثاً اس وجہ سے کہ حضرت ابو بریدہ اسلمی ﷺ اور حضرت عمران بن حصین ﷺ کی احادیث (جو مستدرک اور مذکورہ بالا کتابوں میں مذکور ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی ﷺ کے متعلق یہ الفاظ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائے تھے، جب بعض لوگوں نے آپ ﷺ کے کسی طرز عمل سے آزردہ ہو کر حضور اقدس ﷺ سے آپ ﷺ کی شکایت کی تھی، تو اس پر آپ ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ''حضرت علی ﷺ سے بغض و نفرت کا اظہار کر کے تم لوگ مجھ سے بغض و نفرت کا اظہار کر رہے ہو، اس لئے کہ جس کا میں دوست ہوں علی ﷺ بھی اس کے دوست ہیں۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ حدیث چاہے صحیح ہو چاہے ضعیف، بہر حال اس سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیع کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

دوسری حدیث ﴿حدیث طیر﴾ کی تحقیق:

اس سے پہلے کہ ہم ''حدیث طیر'' کی تحقیق میں غوطہ زن ہوں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا مختصر پس منظر بیان کر دیا جائے تاکہ دوران تحقیق اسے سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔

حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا آپ ﷺ نے

اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

"اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے!"

چنانچہ حضرت علی ؓ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔ [1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ایسی تفصیلات اور اضافے ہیں جو امام ترمذیؒ وغیرہ کی روایات میں نہیں ہیں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کی احادیث بہت ہی مختصر ہیں، مسئلہ کی تنقیح اور اس کی توضیح کے خیال سے یہاں پہلے ترمذی کی روایت اور اس کے بعد نسائی کی روایت نقل کی جاتی ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے:

"عن أنس بن مالك كان عند النبي (صلى الله عليه وسلم) طير فقال: اللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي هذا الطير فجاء علي فأكل معه." [2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا، تو آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی کہ: "اے اللہ! تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔" چنانچہ حضرت علی ؓ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

اور سنن نسائی کی روایت میں ہے:

"عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان عنده طائر، فقال: اللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي من هذا

---

[1] "عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنت أخدم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقدم لرسول الله صلى الله عليه وسلم طير مشوي، فقال: ﷺ اللهم ائتني بأحب خلقك اليك يأكل معي من هذا الطير ﷺ فجاء عليٌّ رضي الله عنه." (المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۳/۱۴۱، ۴۷/۱۴۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (جامع الترمذي: ۵/۶۳۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

الطير ، فجاء أبوبكر فرده وجاء عمر فرده وجاء علي فأذن له ."[1]

حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا پس آپ ﷺ نے دعاء کی کہ "اے اللہ! تو اُس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، تاکہ وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ کھائے۔" پہلے حضرت ابوبکر ﷺ پھر حضرت عمر ﷺ تشریف لائے، مگر ان کو باریابی کی اجازت نہیں ملی، تیسری مرتبہ جب حضرت علی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔ (ترجمہ ختم)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت نہایت طویل ہے، اس کا ملخص اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعاء ﴿اللهم ائتني الخ﴾ سن کر حضرت انس ﷺ نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! یہ محبوب بندہ قبیلہ انصار کا کوئی فرد ہو۔" چنانچہ جب دو دفعہ حضرت علی ﷺ ہی تشریف لائے تو حضرت انس ﷺ نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت سے تشریف لے گئے ہیں، مگر جب تیسری مرتبہ بھی حضرت علی ﷺ ہی آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان کو لے آؤ، تم ہی پر موقوف نہیں ہے، ہر شخص کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت کے متعلق فرمایا ہے:

" هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث السدي الا من هذا الوجه وقد روي هذا الحديث من غير وجه عن أنس ."[2]

ترجمہ: یہ حدیث غریب ہے، سدی سے یہ حدیث صرف اسی سند اور اسی طریق سے ان کی حدیث کا ہمیں علم ہے، حالاں کہ یہ حدیث حضرت انس ﷺ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "تلخیص مستدرک" میں "حدیث طیر" کی پہلی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ابن عياض لا أعرفه ولقد كنت زماناً طويلاً أظن أن حديث الطير

---

[1] (خصائص علي للنسائي : ۲۹/۱ ، الناشر : مكتبة المعلا - الكويت)

[2] (جامع الترمذي : ۶۳۶/۵ ، الناشر : شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

لم يجسر الحاكم أن يودعه في مستدركه ، فلما علقت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التي فيه فاذا حديث الطير بالنسبة اليها سماء ، قال وقد رواه عن أنس جماعة أكثر من ثلاثين نفساً ، ثم صحت الرواية عن علي وأبي سعيد وسفينة ."[1]

ترجمہ: ابن عیاشؒ کے بارے میں مجھے واقفیت نہیں ہے۔ میرا ایک زمانہ تک یہ خیال تھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "حدیث طیر" کو اپنی "مستدرک" میں نقل کرنے کی جسارت نہ کی ہوگی، لیکن جب میں نے یہ تعلیق لکھی تو مجھے ایسی ہولناک موضوع احادیث اس میں ملیں کہ جن کے مقابلہ میں "حدیث طیر" ایک بلند پایہ حدیث ہے، کیوں کہ اس حدیث کے متعلق خود امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کو حضرت انس ﷺ سے تیس سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت علی ﷺ حضرت ابوسعید ﷺ اور حضرت سفینہ ﷺ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور دوسری سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

" قلت فيه ابراهيم بن ثابت وهو ساقط ."[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ابراہیم بن ثابت ساقط ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس حدیث کے متعلق "تذکرۃ الحفاظ" میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ حریز نرم ہو گیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"..... وأما حديث الطير فله طرق كثيرة جدا ، أفردتها بمصنف و بمجموعها يوجب أن يكون الحديث له أصل ."[1]

ترجمہ: اور بہرحال "حدیث طیر" تو یہ کثرت طرق سے مروی ہے، میں نے ان سب طرق کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اور ان سب کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے

---

[1] (تلخيص المستدرك للذهبي : ۱۳۱/۳)

[2] (تلخيص المستدرك للذهبي : ۱٤٧٦/۳)

کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو "حدیث طیر" کے ضعیف یا موضوع ہونے میں نہیں، بلکہ اس کے صحیح اور ثابت ہونے میں مکمل طور پر شرح صدر تھا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس کو "غریب" بتایا ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کے کثرت طرق کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث ضعیف یا موضوع نہیں ہے۔

لیکن بایں ہمہ عام علماء نے "حدیث طیر" کو صحیح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے اعتراضات سے ظاہر ہوتا ہے، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض کے نزدیک موضوع۔ علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" و أما الحكم علىٰ حديث الطير بالوضع فغير جيد، ورايت لصاحبنا الحافظ صلاح الدين خليل بن كيكلدي العلائي عليه كلاماً قال فيه بعد ما ذكر تخريج الترمذي له و كذلك النسائي في خصائص ان الحق في الحديث أنه ربما ينتهي الىٰ درجة الحسن أو يكون ضعيفاً يحتمل ضعفه. قال: فأما كونه ينتهي الىٰ أنه موضوع من جميع طرقه فلا قال وقد خرجه الحاكم من رواية محمد بن أحمد بن عياض قال حدثنا أبي قال حدثنا يحيىٰ بن حسان عن سليمان بن بلال عن يحيىٰ بن سعيد عن أنس ﷺ قال ورجال هذا السند كلهم ثقاة معروفون سوىٰ أحمد بن عياض فلم أر من ذكره بتوثيق ولا جرح۔ "[1]

ترجمہ: "حدیث طیر" پر وضع کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے۔ ہمارے دوست حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اس

---

[1] (تذكرة الحفاظ للذهبي ۳/۱۹٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبكي ٤/۱۷۰، الناشر: الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

ے "مطلق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ اس کے بعض طرق "حسن" کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ اس کو "ضعیف" کہہ سکتے ہیں، لیکن اس کے تمام طرق کا "موضوع" ہونا ثابت نہیں ہوتا، انہوں نے اس کی سند کے تمام رجال کو بجز "احمد بن عیاض" کے ثقہ و معروف بتلایا ہے، تمام مجروحی نظر سے ان کی جرح یا تعدیل کے بارے میں کوئی قول نہیں گزرا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۲ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وكم من حديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف، كحديث الطير وحديث الحاجم والمحجوم وحديث من كنت مولاه فعلي مولاه."[1]

ترجمہ: اور کتنی ہی ایسی احادیث موجود ہیں کہ جن کے رواۃ دسیوں اور ان کے طرق بیسیوں ہوتے ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ احادیث ضعیف کہلاتی ہیں، جیسا کہ حدیث طیر حدیث حاجم اور محجوم اور حدیث: ﴿من كنت مولاه فعلي مولاه﴾ ہیں۔ (ترجمہ ختم)

تاہم جن لوگوں نے اس حدیث کو بالکل ہی موضوع قرار دیا ہے ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال أبو عبد الله الحاكم: حديث الطائر لم يخرج في الصحيح وهو صحيح، قال ابن ناصر: حديث موضوع، الملجاء من سقاط أهل الكوفة عن المشاهير والمجاهيل عن أنس وغيره."[2]

ترجمہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حدیث طائر کی صحیح میں تخریج نہیں کی گئی حالاں کہ وہ صحیح ہے۔ لیکن ابن ناصر کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اہل کوفہ میں

---

[1] نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي: ۱/۳۵۹، ۳۶۰، الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت - دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، السعودية)

[2] المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۵/۱۰۹، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطہ سے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن ملقن شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقال ابن طاهر (في) حديث الطير المشهور المروي من (نحو) عشرين طريقا عالبا على خراج الحاكم له في ﴿ مستدركه ﴾ هذا حديث موضوع كل طرقه باطلة معلولة النمايجيّ عن سقاط أهل الكوفة والمجاهيل عن أنس وغيره "[1]

ترجمہ: ابن طاہر "مشہور" حدیث طیر" جو کہ تقریباً بیس (۲۰) طرق سے مروی ہے کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے اس کی اپنی "مستدرک" میں تخریج کرنے پر عیب لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث موضوع" ہے، اس کے تمام طرق باطل اور معلول ہیں۔ اہل کوفہ میں سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطہ سے اس کو حضرت انس وغیرہ سے روایت کیا ہے۔" (ترجمہ ختم)

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں۔

" حدثني أبو اسحاق ابراهيم بن محمد الأرموي ، قال: جمع الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم انها صحاح على شرط البخاري و مسلم يلزمهما اخراجها في صحيحيهما ، فمنها حديث الطير ، و من كنت مولاه فعلي مولاه ، فانكر عليه أصحاب الحديث ذلك ، ولم يلتفتوا الى قوله و لاموه في فعله ."[2]

ترجمہ: ابو اسحاق ارموی کہتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے چند احادیث اس خیال سے جمع کیں کہ یہ بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہوں گی اور ان دونوں حضرات کو

---

[1] (النكت الظريف على تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف: ۳۱۴/۲، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع الرياض، السعودية)

[2] (البداية والنهاية لابن كثير: ۹/۱۲، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

بھی ان کی تخریج لازمی کرنی چاہیے تھی، من جملہ ان میں سے ایک "حدیث طیر" ہے اور دوسری حدیث ﴿من کنت مولاہ فعلي مولاہ﴾ ہے۔ پس محدثین نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر نکیر فرمائی اور ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور ان کے اس فعل پر انہیں ملامت کیا۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"قال في المختصر له طرق كثيرة كلها ضعيفة، وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات. وأما الحاكم فأخرجه في المستدرك وصححه واعترض عليه كثير من أهل العلم، ومن أراد استيفاء البحث فلينظر ترجمة الحاكم في النبلاء."[1]

ترجمہ: مختصر میں ہے کہ اس حدیث کے بیسیوں طرق ہیں جو کہ سب ضعیف ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، مگر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں اس حدیث کی تخریج کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء نے ان پر اعتراضات بھی کیے ہیں، جو اس کی مفصل بحث دیکھنا چاہتا ہے وہ ﴿سیر أعلام النبلاء﴾ میں امام حاکم کا ترجمہ دیکھ سکتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

بہر حال امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "حدیث طیر" کو اپنی "مستدرک" میں داخل کیا ہو یا خارج کیا ہو اس کا موضوع اور باطل ہونا اکثر علمائے فن حدیث اور محدثین عظام کے نزدیک مسلم ہے۔

اور اگر کسی صورت میں اسے صحیح مان بھی لیا جائے جب بھی اس سے شیعیت کی تائید اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا تشیع کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس سے حضرت علی ﷺ کا علی الاطلاق سب سے افضل و برتر ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

[1] (الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني: ۱/۳۸۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت (لبنان))

﴿۵﴾

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۵۹۳ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: برہان الدین، اور والد کا نام: ابوبکر ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر صبیب..... الخ۔"

سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی پیدائش مؤرخہ ۱۸ رجب المرجب ۵۱۱ھ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) بعد از نماز عصر ہوئی۔

وطن عزیز:

عام طور پر آپ کا وطن "مرغینان" ہی بتایا جاتا ہے جو "مرغنہ" کا ایک قصبہ ہے، لیکن آپ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے "تزک" میں آپ کے گاؤں کا نام "رشدان" بتایا ہے جو "مرغینان" کے تعلقہ میں تھا۔ چنانچہ صاحب مفتاح السعادۃ نے بھی "مرغینانی" کے بعد نسبت میں "رشدانی" بڑھایا ہے۔

تحصیل علم:

علامہ مرغینانی نے اپنے آن اساطین امت سے علوم کی تحصیل کی تھی جو ہر فن میں مرجع الخلائق تھے، ان کے

اسماء کی ایک طویل فہرست ہے، جسے "مشیخة" کہا جاتا ہے اور بقول صاحب ﴿الجواهر المضية﴾ حافظ عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ کے "یہ فہرست خود صاحب ہدایہ" ہی نے مرتب کی ہے اور اس میں اپنے شیوخ و اساتذہ اور اُن کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ [1]

مکمل تصویر:

ان ہی محترم و مقدس ہستیوں کے فیضانِ صحبت نے آپؒ کو کشورِ علم و فضل کا تاج دار بنا دیا جس کی مکمل تصویر صاحب ﴿الجواهر المضية﴾ نے اس طرح کھینچی ہے جس میں آپؒ کے چہرۂ فضل و کمال کا ایک ایک خدوخال نمایاں ہو جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"كان اماماً فقيهاً حافظاً محدثاً مفسراً جامعاً للعلوم ضابطاً للفنون متقناً محققاً نظاراً مدققاً زاهداً ورعاً بارعاً فاضلاً ماهراً أصولياً أديباً شاعراً لم تر العيون مثله في العلم والأدب". [2]

ترجمہ: صاحب ہدایہ امام وقت، فقیہ بے بدل، حافظ زماں، محدث دوراں، مفسر قرآن، جامع العلوم، ضابط الفنون، علم میں پختہ، محقق و مدقق، وسیع النظر، عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار، فائق الاقران، فاضل الاعیان، ماہر فنون، اصولی، بے مثل ادیب اور بے مثال شاعر اور علم و ادب میں ذُرّ لاثانی تھے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ آپؒ کے ہم عصر علماء امام فخر الدین قاضی خاں، صاحب محیط و ذخیرہ محمود بن احمد بن عبد العزیز، شیخ زین الدین ابو نصر احمد بن محمد بن عمر عتابی اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ محمد بن احمد بخاری وغیرہ نامور علماء و مشائخ نے آپؒ کے علم و ادب اور آپ کے فضل و تقدم کا بجا طور پر اعتراف کرتے ہوئے آپ کو دادِ قابلیت پیش کی ہے۔

حافظ عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۵ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] "وله المشايخ وجمع لنفسه مشيخة كتبها." (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي - ۱/۳۸۴، الناشر: میر محمد کتب خانه - کراتشی، الباکستان)

[2] (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي: ---- الناشر: میر محمد کتب خانه - کراتشی، الباکستان)

"أقر له أهل مصر بالفضل والتقدم."[1]

ترجمہ: اہل مصر نے آپؒ کے فضل وتقدم کا اقرار کیا۔ (ترجمہ ختم)

تصانیف:

آپؒ کی گراں قدر علمی تصانیف جنہوں نے آپ کو شہرت وبزرگی کے بام عروج پر پہنچادیا تھا یہ ہیں:

﴿۱﴾ بداية المبتدي ﴿۲﴾ كفاية المنتهي ﴿۳﴾ الهداية ﴿۴﴾ المنتقي ﴿۵﴾ التجنيس ﴿۶﴾ المزيد ﴿۷﴾ مناسك الحج ﴿۸﴾ نشر المذهب ﴿۹﴾ مختارات النوازل ﴿۱۰﴾ فرائض العثماني ﴿۱۱﴾ مختار الفتاوي وغيرهم

بالخصوص "ہدایہ" تو آپؒ کا وہ مایۂ ناز وبلند پایہ علمی شاہکار ہے کہ جس کی نظیر آج تک دنیائے علم وفن کا کوئی فرزند پیش نہیں کرسکا۔ كما قال الشاعر الساحر:

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قرائتها والزم تلاوتها يسلم مقالك من زيغ ومن كذب

ترجمہ: (۱) ہدایہ گویا اس باب میں قرآن کے مشابہ ہے جس نے گزشتہ شرائع کی کتابوں کو گویا منسوخ کردیا ہے (۲) پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی خواندگی اپنے اوپر لازم کرلو اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری گفتگو کجی اور غلطیوں سے پاک ہوجائے گی۔ (ترجمہ ختم)

وفات حسرت آیات:

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں شب سہ شنبہ (منگل کے روز) اس عالم آب وگل سے اپنا رشتۂ حیات منقطع کیا، اور سرزمین سمرقند میں یہ آفتاب علم وہدایت یہ کہتا ہوا کہ

چنیں قفس نہ سزائے چومن خوش الحان است

روم بہ "گلشن رضوان" کہ مرغ آں بامن ام

ترجمہ: مجھ جیسے خوش الحان پرندے کو اس قسم کا قفس (پنجرہ) زیب نہیں دیتا، میں تو "گلشن رضوان"[2] ج

---

[1] (الجواهر المضية في طبقات الحنفية للقرشي: ۱/۳۸۳، الناشر: میر محمد کتب خانہ - کراتشی، الدالسند)

[2] "رضوان" جنت کے داروغہ کا نام ہے اور "گلشن" سے یہاں مراد جنت ہے۔ رفیع

طرف جارہا ہوں کہ جس کے چمن کا میں پرندہ ہوں۔ (ترجمہ ختم)

ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ فرحمه الله رحمة واسعة.

کہا جاتا ہے کہ سمرقند میں تقریباً چار سو نفوس مدفون ہیں، جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہے۔ [1]

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ علم وکمال اور فضل وتقدم آپ اپنے حاسدین ومعاندین کے دور حاری پتھروں کے وار سے کسی طرح بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ آپ کا بے جا علمی محاسبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ مرغینانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے فیصلوں کے حوالے سے "السلطان الجائر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر، كما يجوز من العادل، لأن الصحابة تقلدوه من معاوية والحق كان بيد علي في نوبته." [2]

ترجمہ: پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کیا تھا، حالاں کہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہؒ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا تصريح بجور معاوية والمراد في خروجه لا في أقضيته." [3]

ترجمہ: یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جور مراد نہیں بلکہ ان کا خروج ہے۔

---

[1] (ظفر المحصلين وأحوال المصنفين: ۱۹۱/۱، ۱۹۴، الناشر: میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراتشی، پاکستان)

[2] (الهداية، كتاب أدب القاضي، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۹۹)

[3] (فتح القدير: ۶۱/۵ طبع مصر، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص۱۰۰)

دراصل صاحب ہدایہؒ نے یہ بات (سلطان جائر) ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ: "جس طرح "سلطان عادل" سے عہدۂ قضا قبول کرنا جائز ہے، اسی طرح "سلطان جائر" سے بھی عہدہ و منصب قبول کرنا جائز ہے، اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہ ؓ نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علی ؓ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہ خود امام اعظمؒ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقوله (أي قول أبي حنيفة) وهو ظلم (أي ميل عن سواء السبيل) وهكذا يكشف عن مذهبه رحمه الله أن المجتهد يخطئ ويصيب لا كما ظنه البعض "۔[1]

ترجمہ اور: امام اعظمؒ کے قول "وهو ظلم" میں "ظلم" سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے ہیں اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطاء پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔

اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ "ظلم" سے خود صاحب ہدایہؒ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے، اور خطائے اجتہادی جس طرح حضرت معاویہ ؓ سے سرزد ہو سکتی ہے اسی طرح حضرت علی ؓ سے صادر ہو سکتی ہے۔

امام ابن ہمامؒ کی توضیح میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱- ایک حضرت معاویہ ؓ کا حضرت علی ؓ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ ان کا "جور" تازیست نہیں تھا، بلکہ "صلح حسن ؓ" تک تھا، اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے وہ "سلطان جائر" کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے، لیکن "صلح حسن ؓ" کے بعد ان کی یہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی

---

[1] (الهداية، كتاب أدب القاضي، ۲/ ۱۱۷، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۲۰)

بلکہ "سلطان عادل" کی ہوگئی۔ یعنی حضرت حسن ؓ کی دست برداری سے قبل حضرت معاویہ ؓ "جائر" تھے اور مصالحت کے بعد "جائر" نہ رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمامؒ کے نزدیک حضرت معاویہ ؓ کا حضرت حسن ؓ کی دست برداری سے پہلے "جائر" ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ ؓ نے اس "دورِ جور" میں عہدے دیئے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں، یعنی صاحب ہدایہ نے جو دورِ حضرت معاویہ ؓ کے "جور" کا فرض کیا ہے، اس میں انہوں نے نہ کسی کو عہدۂ قضا دیا، نہ کسی نے لیا۔ اور جس دور میں یہ لینا دینا قاعدہ پایا گیا تو وہ دور "مصالحت حسن ؓ" کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق وبالاجماع "دورِ عدل" قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے اگرچہ "ظلم" کا معنی "میل عن سواء السبیل" یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے لئے ہیں، اور اسے مجتہد کی "خطاء" و "صواب" پر محمول کیا ہے، لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں، کیوں کہ "سلطانِ عادل" کے مقابلے میں "سلطانِ جائر" بمعنی "مجتہد مخطی" کسی لغت میں نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ "جور" کا معنی صرف "ظلم" ہی نہیں بلکہ "میل عن الاستواء والاعتدال" بھی ہے، لیکن یہاں بات مطلق "جور" کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ "سلطانِ عادل" کے بالمقابل "سلطانِ جائر" کے "جور" کی ہو رہی ہے، جس کا معنی "ظلم" ہی بنتا ہے۔[1]

تھوڑا آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہؒ کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ: "کیا "سلطانِ جائر" کی طرف سے "عہدۂ قضاء" قبول کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا کہ ہاں! ہو سکتا ہے، لیکن اس جواب کی دلیل میں انہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو درمیان میں لا کر

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱)

"مشاجرات صحابہ ﷺ" سے متعلق اہل سنت والجماعت کے مسلک کو نظر انداز کیا ہے۔ کیا حضرت معاویہ ﷺ کے علاوہ کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تھی؟ کیا "جائر" وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائر نہیں ہوسکتا؟ کیا اس جور کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟۔" [1]

یہاں لفظ جور سے اُس لغوی نہیں کی فقہی اصطلاح مراد ہے!:

اس میں شک نہیں کہ یہاں بات مطلق "جور" کی نہیں ہورہی بلکہ "سلطانِ عادل" کے مقابلے میں "سلطانِ جائر" کے "جور" ہی کی ہورہی ہے، لیکن یہاں پر لفظ "جور" سے اُس کا لغوی معنی "ظلم" مراد نہیں بلکہ صاحب ہدایہ خود تصریح کررہے ہیں کہ اس کا اصطلاحی معنی "خطائے اجتہادی" بتاویل "مبل عن سواء السبیل" مراد ہے، اس لئے کہ اصطلاحِ فقہ میں امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرنے والے پر لفظ جور، خروج، اور بغاوت وغیرہ الفاظ کا اطلاق کرکے اُسے "جائر، اور باغی" کہا جاتا ہے، اور یہ اطلاق "ظلم" کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ حضرت معاویہ ﷺ نے جو حضرت علی ﷺ کے خلاف خروج کیا تھا وہ بھی چوں کہ ایک "امام عادل" کے مقابلہ میں خروج تھا اور ہوا بھی حضرت معاویہ ﷺ کی خطائے اجتہادی کی بناء پر تھا اس لئے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اسے جور، خروج اور بغاوت جیسے الفاظ سے تعبیر کرکے حضرت معاویہ ﷺ کو جائر بمعنی "مبل عن سوا السبیل" کہا گیا ہے، جس کا یہاں لغوی معنی "ظلم" مراد لینا کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ ﷺ کو "ظالم" قرار دینے کا الزام صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک جھوٹی تہمت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

کیا مصالحت حسن ﷺ سے پہلے حضرت معاویہ ﷺ نے کسی کو ولیعہد نہ قضا سونپا تھا؟:

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: صاحب ہدایہ کا استدلال تب درست ثابت ہوتا ہے جب کہ یہ معلوم ہوجائے کہ حضرت معاویہ ﷺ نے "مصالحت حسن ﷺ" سے پہلے اپنے دورِ اقتدار میں کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو، اگر "مصالحت حسن ﷺ" کے بعد کسی کو کوئی عہدہ سونپا ہو تو اس سے صاحب ہدایہ کا استدلال تام نہیں ہوتا، اس لئے کہ "مصالحت حسن ﷺ" کے بعد تو حضرت معاویہ ﷺ کا "سلطانِ عادل" ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

چنانچہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

"ثم انما يتم اذا ثبت انه ولي القضاء قبل تسليم الحسن له ، واما بعد تسليمه فلا ."[1]

ترجمہ: پھر (صاحب ہدایہ کا) یہ استدلال اُس وقت تام ہوتا ہے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ امام حسن ؓ کے حضرت معاویہ ؓ کو خلافت سپرد کرنے سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے کسی کو قضاء کا والی بنایا ہو، بہر حال خلافت سپرد کرنے کے بعد اگر کسی کو والی بنایا ہو تو پھر نہیں۔ (ترجمہ ختم)

درحقیقت یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے "مصالحت حسن ؓ" سے پہلے اپنے "دو جور" میں کئی لوگوں کو عہدۂ قضاء" سونپا ہے۔ اور اس کی کئی ایک مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن مثالیں پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے اس دور جور کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے جو شہادت عثمان ؓ سے شروع ہو کر مصالحت امام حسن ؓ تک کا زمانہ کہلاتا ہے، تاکہ مثالیں سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

شہادت عثمانی ؓ سے لے کر مصالحت حسن ؓ کے دور تک کا اجمالی جائزہ:

یاد رہے کہ خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی ؓ کا انتقال ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوا اور بقول حضرت زبیر بن عوام ؓ کے کہ میں نے حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر ۲۴ ذی الحجہ، بروز پیر شنبہ ۳۵ھ میں بیعت کی اور اس کے دوسرے دن یعنی ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ میں عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی ﷺ میں حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور حضرت علی المرتضی ؓ کی شہادت ماہ رمضان ۴۰ھ میں ہوئی، جس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہاں تک کہ مؤرخہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے "مسئلہ خلافت" میں صلح کر لی [2] اور امر خلافت آپ کے سپرد کر کے اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

مشہور مؤرخ خلیفہ ابن خیاط رحمۃ اللہ علیہ التوفی ۲۴۰ھ کہتے ہیں کہ یہ صلح ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ میں پیش آئی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

---

[1] (فتح القدير للعاجز الفقير شرح الهداية لابن الهمام ، ۲۶۳/۷ ، الناشر : دار الفكر)

[2] (البداية و النهاية لابن كثير ، ۲۰/۸ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

" وسلم الحسن بن علي الي معاوية وذلک في شهر ربيع الآخر او في جمادي الأولي سنة احدي وأربعين ."[1]

ترجمہ: امام حسن ؓ نے امر خلافت حضرت معاویہ ؓ کے سپرد کر دیا اور یہ ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ کی بات ہے۔ (ترجمہ ختم)

مصالحت حسن ؓ سے پہلے کے دور میں حضرت معاویہ ؓ کا لوگوں کو عہدے سونپنا:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی ؓ کے انتقال (ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد سے لے کر "مصالحت حسن ؓ" (ماہ ربیع الاول یا ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۴۱ھ علی حسب اختلاف الاقوال) پانچ سال اور چند ماہ کا دور حضرت معاویہ ؓ کا "مصالحت حسن ؓ" سے پہلے کا دور کہلاتا ہے اور اس دور میں حضرت معاویہ ؓ نے جن جن لوگوں کو عہدۂ قضا سونپا تھا ذیل کی سطور میں ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

(۱) حضرت عمرو بن عاص ؓ:

یہ مشہور صحابی اور بڑے عقل مند اور شجاع قسم کے آدمی تھے، اپنی معاملہ فہمی اور دانش مندی کی بناء پر عرب کے سیاست دانوں میں آپ ؓ کا ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی ؐ میں اسلامی لشکروں کے امیر رہے اور کئی علاقوں کے والی بنائے گئے، پھر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں آپ ؓ کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر آپ ؓ ہی کی مساعی جمیلہ سے فتح ہوا، دور فاروقی ؓ میں آپ ؓ امیر مصر رہے، اور خلافت عثمانی ؓ میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر حضرت معاویہ ؓ کے دور خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے لے کر ۴۱ھ تک مصر کے والی رہے اور صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں آپ ؓ کا مصر ہی میں انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ؓ حضرت معاویہ ؓ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجہ کے حاکم تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وولي عمرو امرة مصر في زمن عمر بن الخطاب ، وهو الذي افتتحها ، وأبقاه عثمان قليلا ثم عزله ..... ثم سار في جيش جهزه معاوية الي مصر ، فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان وثلاثين الي أن مات سنة ثلاث

---

[1] تاریخ خلیفۃ ابن خیاط : ۱/ ۲۰۳ ، الناشر : دار القلم ، مؤسسۃ الرسالۃ ، (دمشق ، بیروت)

وأربعين على الصحيح ."[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن العاص ﷺ حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے زمانے میں مصر کے والی مقرر کیے گئے، اور آپ ﷺ ہی کی مساعی جمیلہ سے مصر فتح ہوا، اور حضرت عثمان ﷺ نے کچھ مدت آپ ﷺ کو مصر کا امیر باقی رکھا پھر معزول کر دیا، اور پھر آپ ﷺ اُس لشکر میں چلے گئے کہ جس کو حضرت معاویہ ﷺ نے مصر کی طرف روانہ کیا، جہاں آپ ﷺ حضرت معاویہ ﷺ کی طرف سے صفر ۳۸ھ میں مصر کے والی بنے، یہاں تک کہ صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں آپ ﷺ کا مصر ہی میں انتقال ہو گیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" فيها (أي في سنة ثمان وثلاثين) بعث معاوية عمرو بن العاص الى ديار مصر، فأخذها من محمد بن أبي بكر، واستناب معاوية عمرو ا عليها."[2]

ترجمہ: ۳۸ھ میں حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص ﷺ کو دیار مصر کی طرف (والی بنا کر) بھیجا..... الخ۔ (ترجمہ ختم)

﴿۲﴾ حضرت شرحبیل بن سمط ﷺ:

یہ حضرت معاویہ ﷺ کی طرف سے "حمص" کے والی رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" شرحبيل بن السمط بن الأسد بن جبلة الكندي ..... كان أميراً على حمص لمعاوية ومات بها وصلى عليه حبيب بن مسلمة وقيل: انه مات سنة أربعين."[3]

---

[1] (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: ٤/ ٥٤٠، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (البداية والنهاية لابن كثير: ٧/ ٣٤٦، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[3] (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ٢/ ٦٩٩، الناشر: دار الجيل، بيروت)

ترجمہ: شرحبیل بن سمط کندی ﷺ حضرت معاویہ ﷺ کی طرف سے "حمص" کے والی تھے۔ آپ ﷺ کا انتقال وہیں "حمص" ہی میں ہوا، آپ ﷺ کی نماز جنازہ حبیب بن مسلمہ ﷺ نے پڑھائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔ (ترجمہ ختم)

﴿۳﴾ حضرت نعمان بن بشیر ﷺ:

۳۹ھ میں حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت نعمان بن بشیر ﷺ کو دو ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ "مغربی کوفہ" کے قریب "عین التمر" نامی مقام کی طرف والی بنا کر بھیجا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"وكان ممن بعث في هذه السنة (أي سنة تسع و ثلاثين) النعمان بن بشير (لمعاوية) في ألفي فارس الى عين التمر." [1] و [2]

ترجمہ: ۳۹ھ میں حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت نعمان بن بشیر ﷺ کو مغربی کوفہ کے قریب "عین التمر" نامی مقام کی طرف دو ہزار گھوڑ سواروں کی معیت میں والی بنا کر بھیجا تھا۔ (ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاری ﷺ:

۳۹ھ میں عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں حضرت معاویہ ﷺ نے مقام "تیماء" کا والی بنا کر بھیجا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو فبہا ورنہ ان سے قتال کرنا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"وفيها (أي في سنة سبع و ثلاثين) بعث معاوية عبد الله بن مسعدة

---

[1] (البداية و النهاية لابن كثير: ۳۵٤/۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] "(عين التمر) بلدة قريبة من الأنبار غربي الكوفة افتتحها المسلمون في أيام أبي بكر على يد خالد بن الوليد عنوة سنة ۱۲." (حاشية البداية و النهاية لابن كثير: ۳۵٤/۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان)

الفزاري في ألف وسبع مائة الى "تيماء" وأمره أن يصدق أهل البوادي ومن امتنع من اعطائه فليقتله ."[1]

ترجمہ: اور ۳۹ھ میں حضرت معاویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعدہ فزاری ؓ کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کی معیت میں مقام "تیماء" کا والی بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں سے صدقات وغیرہ وصول کرنا اگر دے دیں تو فبہا ورنہ ان سے قتال کرنا۔

﴿۵﴾ حضرت حبیب بن مسلمہ فہری ؓ:

یہ حضرت معاویہ ؓ کے معاونین میں سے ہیں۔ آپ ؓ حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے گئے۔ بلاد روم کے غزوات پر آپ ؓ کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا، پھر اس سلسلے میں آپ ؓ کو غلبہ حاصل ہوتا رہا اور آپ ؓ اپنے کارہائے نمایاں بخوبی انجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں آپ ؓ کو "آرمینیہ" کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا، جہاں آپ ؓ نے ۴۲ھ میں وفات پائی۔ جنگ صفین وغیرہ تمام لڑائیوں میں حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ رہے، اور حضرت معاویہ ؓ نے آپ ؓ کو "آرمینیہ" کا والی بنا کر بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ میں آپ ؓ کا انتقال ہوا۔

چنانچہ امام ابن اثیر الجزری (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"ولما حصر عثمان أمده معاوية بجيش ، واستعمل عليهم حبيب بن مسلمة لينصروه ، فلما بلغ وادي القرى لقيه الخبر بقتل عثمان ، فرجع ولم يزل مع معاوية في حروبه كلها بصفين وغيرها وسيره معاوية الى أرمينية والبا عليها ، فمات بها سنة اثنتين وأربعين ."[2]

ترجمہ: اور جب حضرت عثمان ؓ محصور ہو گئے تو حضرت معاویہ ؓ نے مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر حضرت حبیب بن مسلمہ ؓ کو امیر مقرر فرمایا۔ حضرت حبیب بن مسلمہ ؓ جب "وادی القریٰ" نامی جگہ میں پہنچے تو انہیں حضرت عثمان ؓ کے قتل کی خبر پہنچی

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ۳۵٤/۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت - لبنان)

[2] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري: ٦٨١/١، الناشر: دار الكتب العلمية/ بيروت)

اور وہ وہیں سے واپس لوٹ آئے۔

آپ ؓ جنگ صفین وغیرہ تمام لڑائیوں میں ہمیشہ حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ رہے، حضرت معاویہ ؓ نے آپ ؓ کو "آرمینیہ" پر والی مقرر کر کے بھیجا، اور وہیں ۴۲ھ میں آپ ؓ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" وكان معاوية يغزيه الروم فيكون له فيهم نكاية واثر ثم وجهه الى ارمينية والى عليها فمات بها سنة اثنتين واربعين "[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ آپ ؓ کو (غزوات) روم کے لئے بھیجتے تھے، پس آپ ؓ ان میں غلبہ حاصل کرتے اور کارہائے نمایاں انجام دیتے (آخری عمر میں) حضرت معاویہ ؓ نے آپ ؓ کو "آرمینیہ" کا والی (اور حاکم) بنا کر بھیجا اور وہیں ۴۲ھ میں آپ ؓ کا انتقال ہوا۔ (ترجمہ ختم)

الغرض اس طرح کی اور مثالیں بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہوں گی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے "مصالحت حسن ؓ" سے پہلے کے دور میں کئی لوگوں کو مختلف علاقوں کے لئے والی اور امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا۔

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو صاحب ہدایہؒ کے استدلال کو حضرت معاویہ ؓ کے "مصالحت حسن ؓ" سے پہلے کے "دور جور" میں مختلف لوگوں کو "عہدۂ قضاء" سونپنے کی شرط کے ساتھ مشروط ظہرا کر تمام بتلایا تھا مذکورہ بالا مثالوں میں وہ شرط بوجہ اتم پائی جا رہی ہے، اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کا استدلال اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق اور علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف اُن کا پروپیگنڈا بالکل باطل، غلط اور مبنی بر جہالت ہے۔

"امام قوال" اور "امام فعال" کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] (الطبقات الکبریٰ لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد / ۸/ ۲۷۸ / الناشر: دار صادر / بیروت)

"صاحب ہدایہ" سے ایک "سہو" یہ بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان ؓ کی طرف منسوب ایک لغو، جھوٹا اور وضعی قصہ صحیح سمجھ کر اسے "معرض استدلال" میں نقل کر دیا جس میں حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ تینوں کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"فان اقتصر علی ذکر الله جاز عند أبي حنيفة وقالا لابد من ذكر طويل يسمي خطبة لأن الخطبة هي الواجبة والتسبيحة والتحميدة لا تسمي خطبة ..... وعن عثمان أنه قال : الحمد لله فارتج عليه فنزل وصلي ..... "[1]

ترجمہ: پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر تو امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین ؒ نے کہا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام (عادۃً) خطبہ رکھا جاسکے، کیوں کہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح وتحمید کا نام خطبہ نہیں ہے..... اور حضرت عثمان ؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) "الحمد لله" کہا تو ان پر اختلاط واقع ہو گیا، کپکپی طاری ہو گئی، زبان بند ہو گئی جس کی وجہ سے وہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔

فاضل لکھنوی ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی ؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے اس قصہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

"وهو ما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولي فارتج عليه فقال : ان أبابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالاً و أنتم الي امام فعال أحوج منكم الي امام قوال "

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو "الحمد للہ" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور زبان بند ہو گئی (اور نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔ بعد میں فرمایا کہ) ابوبکر ؓ و عمر ؓ اس جگہ خطبہ کی تیاری

---

[1] (الہدایہ: ۱/۱۶۹، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۰۴)

کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قوال (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔ (ترجمہ ختم)

فاضل محشی نے "فارتج عليه" کے معنی "وقع في الاختلاط" کے کیے ہیں یعنی حضرت عثمان ؓ اختلاط میں پڑ گئے، اُن پر کپکپی طاری ہوگئی، اُن کی زبان بند ہوگئی اور وہ "الحمد لله" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔ اس قصہ کی روایتی حیثیت "روي" کے صیغہ سے بخوبی واضح ہوگئی ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ وضاحت فرمائی ہے:

" فانها لم تعرف في كتب الحديث بل في كتب الفقه ."[1]

ترجمہ: یعنی یہ قصہ کتب حدیث میں نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" حكي المؤرخون عن عثمان كذبة عظيمة ."[2]

ترجمہ: مؤرخین نے حضرت عثمان ؓ کے متعلق بہت بڑا جھوٹا قصہ ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

" أنكره ابن العربي وغيره من أهل الأثر ."[3]

ترجمہ: اس قصہ کا ابن العربیؒ اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"لم أجده مسنداً وذكره قاسم بن ثابت في الدلائل بغير اسناد ."[4]

ترجمہ: مجھے اس کی سند معلوم نہیں اور قاسم بن ثابت نے اسے دلائل میں بغیر سند ہی کے ذکر کیا ہے۔

---

[1] (فتح القدير شرح الهداية، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۰۴)

[2] (عارضة الأحوذي: ۲/۲۹۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

[3] (أنتصبه على مشكلات الهداية: ج ۲ ص ۷۴۶، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

[4] (الدراية: ۲۱۵/۱، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۰۵)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" هذا غريب ولكن قد اشتهر في كتب الفقه ..... "[1]

ترجمہ: یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

فاضل محشی نے حضرت عثمان ﷺ کے اس خطبہ کی حسب ذیل توضیح فرمائی ہے:

"أراد به الخطباء والذين يأتون بعد الخلفاء الراشدين يكونون علي كثرة المقال وأنا وان لم أكن قولاً مثلهم فانا علي الخير دون الشر. فاما ان يريد بهذا تفضيل نفسه علي الشيخين فلا. كذا في المحيط " [2]

ترجمہ: اس سے ان (حضرت عثمان ﷺ) کی مراد خطباء اور وہ لوگ تھے جو خلفائے راشدین ﷺ کے بعد آنے والے ہیں، وہ بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے اور میں اگرچہ ان کی طرح زیادہ بولنے والا نہیں ہوں تو میں بہتری پر ہوں نہ کہ شر پر۔ پس اس سے اگر ان کا شیخین پر اپنے آپ کو فضیلت دینا مراد لیا جائے تو ایسا نہیں ہے "محیط" میں اسی طرح ہے۔

یہ توضیح نفس مضمون کے ساتھ بالکل مطابقت نہیں رکھتی کیوں کہ صاحب ہدایہ نے اس جھوٹے اور وضعی قصے کو امام ابوحنیفہ کے اس قول: " فان اقتصر علي ذكر الله جاز " (یعنی صرف ذکر اللہ سے خطبہ ہو جائے گا) کی دلیل کے طور پر صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے، لیکن وہ اس قصہ کی حقیقت پر غور نہیں فرما سکے کہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حضرت عثمان ﷺ کی توہین بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں "اختلاط" ہو گیا تھا، زبان بند ہو گئی تھی، کپکپی طاری ہو گئی تھی، وہ خلیفہ تو منتخب ہو گئے مگر خطبہ نہیں دے سکے یا بغیر تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے۔ بعد میں وہ اس پر کوئی عذر تو پیش نہیں کر سکے (کہ اس منبر پر پہلے نبی اکرم ﷺ اور حضرات شیخین خطبہ دیا کرتے تھے ان کی یاد آ گئی اور "اختلاط" واقع ہو گیا وغیرہ) ایسا حضرات شیخین کو

---

[1] البناية: ۳/ ۱۱، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۰۵)

[2] الهداية: ۱/ ۱۶۹، حاشية: ۱، كتاب الصلوٰة باب صلاة الجمعة، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۰۵)

''قوال'' (زیادہ باتیں کرنے والا) اور خود کو ''فعال'' (باتیں کم اور کام زیادہ کرنے والا) قرار دے دیا جس سے ان حضرات کی بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔''[1]

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے صاحب ہدایہؒ پر فرد جرم عائد کرنے کی غرض سے کتنی ہوشیاری وچالاکی کے ساتھ محشی ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی عبارت کو معرض استدلال میں پیش کیا ہے اور صاحب ہدایہ کو کھینچ تان کر ناقدین معاویہ ﷺ کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے:

" وعن عثمان أنه قال : الحمد لله فارتج عليه فنزل وصلي ..... "[2]

ترجمہ: حضرت عثمان ﷺ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) " الحمد لله " کہا تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ منبر سے نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔ (ترجمہ ختم)

باقی اس عبارت کی وضاحت میں محشی ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اصل واقعہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ:

" وهو ما روي أن عثمان لما صعد المنبر في أول جمعة ولي فارتج عليه فقال : ان أبابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالاً وأنتم الي امام فعال أحوج منكم الي امام قوال ."[3]

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان ﷺ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو "الحمد لله" کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور زبان بند ہوگئی (وہ نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔ بعد میں فرمایا کہ:) "ابوبکر ﷺ وعمر ﷺ اس جگہ خطبہ کی

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۰۳ ـــ ۱۰۶)

[2] (الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ۱/۱۶۹)

[3] (حاشية للكنوي علي الهداية شرح بداية المبتدي للمرغيناني : ۱/۱۶۹)

تیاری کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو قال (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔ (ترجمہ ختم)

تو اس میں فاضل محشی نے "فاربتج عليه" کے معنی "وقع في اختلاط" کے کیے ہیں، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت عثمان ؓ، اختلاط میں پڑ گئے تھے، ان پر کپکپی طاری ہو گئی تھی، ان کی زبان بند ہو گئی تھی اور وہ "الحمد لله" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔

تو اس توضیح وتفصیل کا صاحب ہدایہ کی عبارت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا براہ راست تعلق محشی ہدایہ مولانا لکھنوی سے ہے جنہوں نے ہدایہ کی عبارت کی تشریح کی ہے۔

لہٰذا اب آپ ہی ذرا انصاف سے بتائیں کہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت میں حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ تینوں کی تنقیص کیسی پائی جاتی ہے؟ نیز منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر اختلاط واقع ہو جانے، کپکپی طاری ہو جانے، اور زبان کے بند ہو جانے میں توہین وتنقیص کا آخر کون سا پہلو نکلتا ہے؟۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج:

لیکن اگر یہی چیزیں ان حضرات میں نقص وعیب شمار کی جاتی ہیں تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ پھر آپ کا ان حضرات محدثین کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جنہوں نے "رسول اکرم ﷺ کے نماز میں بھولے ہو جانے، دوران نماز بعض صحابہ کرام ؓ کے قرأت میں اٹک کر رکوع میں چلے جانے، حضرت بلال حبشی ؓ کے سوتے رہ جانے اور حضرت عمر ؓ کے لفظ "ابا" کا مطلب نہ جاننے" کی روایات تو نقل کر دیں، لیکن نقل روایت کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان روایات کے صحیح مطلب اور اصل مفہوم کی وضاحت نہیں کی؟ تو کیا وہ حضرات محدثین ان کے ناقد اور گستاخ ٹھہرے؟ اور کیا وہ اس کی وجہ سے ناقدین معاویہ ؓ کی صف میں شامل ہو گئے؟ اگر ہاں! تو کیوں کر؟ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں؟۔

"فما هو جوابكم فهو جوابنا"

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ایک لطیف توجیہ:

بہر حال اس بارے میں صاحب ہدایہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے معرض استدلال میں ایک کم زور روایت پیش کی اور ایک ضعیف روایت سے استدلال کیا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ

احناف کے نزدیک قیاس کے مقابلہ میں ضعیف روایت سے استدلال کرنا صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک ضعیف روایت قیاس کے مقابلہ فائق تر ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیسیوں مسائل ایسے ہیں کہ جن میں صاحب ہدایہ سمیت بعض دوسرے متعدد فقہائے احناف کی پیش کردہ روایات کتب حدیث میں موجود نہیں، یا روایت کسی دوسرے انداز میں ہے، اور انہوں نے کسی اور انداز میں نقل کردی ہے، تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اس لئے کہ فقہاء شارح حدیث نہیں ہوتے کہ وہ لفظاً ومعناً، سنداً اور متناً ہر حیثیت سے ہر ہر روایت پر محدثانہ کلام کریں اور نہ ہی وہ روایت بالفظ کے پابند ہوتے ہیں، بلکہ وہ تو اپنے مدعا کے اثبات میں روایت بالمعنی کرتے ہیں اور آگے چل پڑتے ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے زیر بحث روایت سے استدلال تو کیا، لیکن اس پر محدثانہ کلام کیے بغیر آگے کی طرف چل پڑے۔

كلمة حق أريد بها الباطل!:

بہر حال! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کی تاریخی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اس کا مفہوم مخالف مراد لیا گیا ہے۔ اور اس واقعہ کو بنیاد بنا کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے فاضل محشی مولانا عبدالحی لکھنوی کی آڑ میں صاحب ہدایہؒ پر بے جا تنقید کی ہے۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم وہی ہے جو خود پروفیسر آں موصوف نے فاضل محشی ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

اور یہی مفہوم علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۰ھ) نے بھی اپنے الفاظ میں اس طرح لکھا ہے کہ:

" ومراد عثمان بقوله انكم الي امام... الخ أن الخلفاء الذين يأتون من بعد الخلفاء الراشدين تكون علي كثرة المقال مع قبح الفعال فانا وان لم اكن قوالاً مثلهم فانا علي الخير دون الشر ، فاما أن يريد بهذا القول تفضيل نفسه علي الشيخين فلا كذا في النهاية ."[1]

---

[1] البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم ۲/۱۶۱، (الناشر : دار الكتاب الاسلامي)

ترجمہ: اور حضرت عثمان ﷺ کی مراد اپنے اس قول سے یہ تھی کہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کام ٹھیک طرح سے نہ کر سکنے والے ہوں گے، لیکن باتیں بہت زیادہ کرنے والے ہوں گے اور میں اگرچہ اُن کی طرح زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ بہر حال اگر حضرت عثمان ﷺ کے اس قول سے آپ کی حضرات شیخینؓ پر افضلیت مراد لی جائے تو یہ مراد لینا ٹھیک نہیں ہے۔ (کذا في النهاية.) (ترجمہ ختم)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

لیکن "نہایہ" کے اس مطلب و مفہوم سے بڑھ کر حضرت عثمان ﷺ کے قول کا زیادہ واضح، خیر جانب دار، صاف اور بے غبار مطلب اور مفہوم وہ ہے جو علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) نے بیان کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

" قال في النهاية: ولم يعن عثمان بقوله وانكم ... الخ تفضيل نفسه علي الشيخين بل علي الخلفاء الذين يكونون بعد الراشدين فانهم يكونون علي كثرة في المقال مع قبح الفعال فكانه يقول: انا وان لم اكن قوالا مثلهم فانا علي الخير دون الشر. "[1]

ترجمہ: نہایہ میں ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے اپنے اس قول: "وانکم ... الخ" سے حضرات شیخینؓ پر اپنی افضلیت مراد نہیں لی تھی، بلکہ ان خلفاء کی بہ نسبت اپنا افضل ہونا مراد لیا تھا جو حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے بعد آئیں گے، کیوں کہ وہ باتونی زیادہ ہوں گے اور کام اُن کے قبیح ہوں گے۔ گویا حضرت عثمان ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ میں اگرچہ ان آنے والے خلفاء کی طرح زیادہ باتونی تو نہیں ہوں البتہ خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان ﷺ کے مذکورہ بالا واقعہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ جب آپ

---

[1] (حاشية الطحطاوي علي مراقي الفلاح شرح نور الايضاح: ۱/۵۱۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

ﷺ خلیفہ بننے کے بعد پہلا جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے منبر رسول ﷺ پر جلوہ افروز ہوئے اور ابھی آپ ﷺ نے "الحمد للہ" کہا تھا کہ آپ ﷺ کو نبی پاک ﷺ اور حضرات شیخین کا زمانہ یاد آ گیا کہ وہ حضرات اس جگہ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر "اختلاط" واقع ہو گیا، آپ ﷺ پر کپکپی طاری ہو گئی اور آپ ﷺ کی زبان مزید کچھ بولنے سے قاصر ہو گئی، جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

جب آپ ﷺ جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو اس کے بعد آپ ﷺ نے انتہائی عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: "اے لوگو! حضرات شیخینؓ اس جگہ یعنی منبر نبوی ﷺ پر کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے، اس نازک مگر عظیم مقام پر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دینا انہیں حضرات کو زیب دیتا تھا اور اس مقام پر کھڑے ہونے کے وہی حضرات زیادہ حق دار تھے، ان کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ کردار کے کم اور گفتار کے زیادہ غازی ہوں گے اور میں اگرچہ آنے والے خلفاء کی بہ نسبت زیادہ باتیں کرنے والا نہیں ہوں تاہم خیر پر ہوں شر پر نہیں ہوں۔"

﴿۶﴾

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۷۹۲ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: مسعود، لقب: سعد الدین، والد کا نام: عمر، لقب: فخر الدین، دادا کا نام: عبد اللہ اور لقب برہان الدین ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "بغیۃ الوعاۃ" میں آپ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے[۱] اور یہی مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "الدرر الکامنۃ" میں آپ کا نام مسعود اور والد کا نام عمر ہی ذکر کیا ہے[۲] لیکن "انباء الغمر" میں آپ کا نام محمود اور والد کا نام عمر بتلایا ہے۔[۳] اور حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الظنون" میں آپ کا نام عمر اور والد کا نام مسعود مانا ہے۔[۴]

---

[۱] "مسعود بن عمر بن عبد الله الشيخ سعد الدين التفتازاني." (بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة للسيوطي، ۲/۲۸۶، الناشر: المكتبة العصرية - لبنان / صيدا)

[۲] "مسعود بن عمر التفتازاني ... (الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة لابن حجر العسقلاني: ۶/۱۱۲، الناشر: مجلس دائرة المعارف العثمانية - حيدر آباد، الهند)

[۳] "محمود بن عمر بن عبد الله العجمي الشيخ سعد الدين التفتازاني الخ" (انباء الغمر بأبناء العمر لابن حجر العسقلاني: ۱/۳۸۹، الناشر: المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية - لجنة احياء التراث الإسلامي، مصر)

[۴] "وهو عمر بن مسعود العلامة سعد الدين." (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون لحاجي خليفة: ۲/۱۰۳۷، الناشر: مكتبة المثنى - بغداد)

ولادت باسعادت:

آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ کو ولایت خراسان کے مشہور شہر "تفتازان" میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے "تفتازانی" کہلانے لگے۔

علامہ محی الدین محمد بن قاسم رومیؒ نے "روض الأخبار المستخرجة من ربيع الأبرار" میں اور علامہ کفویؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپؒ ماہِ صفر ۷۲۲ھ میں "تفتازان" میں پیدا ہوئے جو ولایت "خراسان" کا ایک شہر ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ نے "رياض المرتاض" میں آپؒ کو "نسا" کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی نے آپؒ سے پوچھا: "شاذ نسائید؟" (یعنی آپؒ "نسا" کے رہنے والے ہیں) تو آپؒ نے از راہِ خوش طبعی کے فرمایا: "آرے! الرجال من النساء" (یعنی ہاں! مرد عورتوں سے ہیں۔ دراصل "نساء" عربی میں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ (رفیع) "نسا" کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں بارہ ہزار خشتے جاری تھے اور یہاں استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے برابر میں چار اولیاء آسودۂ خواب ہیں، اسی لئے "نسا" کو "شام غریباں" بھی کہتے ہیں۔[1]

ابتدائی حالات:

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ موصوف ابتداء میں بہت کند ذہن تھے، بلکہ عضد الدینؒ کے حلقۂ درس میں ان سے زیادہ "غبی" اور کوئی نہ تھا، مگر جدوجہد، سعی و کوشش اور مطالعہ کتب میں سب سے آگے تھے۔[2]

تحصیل علم:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اصحاب فضل و کمال شیوخ امام عضد، امام قطب الدین رازی وغیرہ سے علوم و فنون کا استفادہ کیا، یہاں تک کہ تحصیل علم کے بعد عنفوان شباب ہی میں آپ کا شمار، کبار علماء میں ہونے لگا۔

درس و تدریس:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد فوراً ہی آپؒ مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور سینکڑوں تشنگان علم نے آپؒ

---

[1] (علم المحصلين بأحوال المصنفين، ص ۳۳۹، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، الكستان)

[2] (علم المحصلين بأحوال المصنفين، ص ۳۳۹، الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي، الكستان)

سے بے حد فیض سے سیرابی حاصل کی۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) عبد الواسع بن خضر (۲) شیخ شمس الدین محمد بن احمد حضرمی شارح تذکرہ نصیریہ (۳) ابو الحسن برہان الدین حیدرہ بن احمد بن ابراہیم ہروی عجمی (۴) جلال الدین یوسف استاذ ملا مصنف علی بن مجد الدین (۵) اور مولانا فضل اللہ اخوند کہ جن سے بعض حکومت کے مشہور علم دوست اور خود متجر حکیم سلطان فیروز شاہ بہمنی نے تعلیم حاصل کی۔

علمی مقام:

علماء نے لکھا ہے کہ بلاد مشرق میں علم ان پر ختم ہو گیا۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"انتهت اليه رياسة الحنفية في زمانه".

ترجمہ: آپ کے زمانہ میں ریاست مذہب حنفیہ آپ پر ختم ہو گئی۔

اور علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"كان من محاسن الزمان لم تر العيون مثله في الأعلام والأعيان".

ترجمہ: علامہ تفتازانی اعجوبہ روزگار تھے آپ کی نظیر بڑے بڑے علماء میں نہیں ملتی۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت اور وسعت علمی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہمعصر مقابل بھی آپ کی کتابوں سے استفادہ کرتا اور آپ کی علمی قابلیت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔[۱]

تصنیف و تالیف:

چوں کہ تصنیف و تالیف کا ذوق ابتداء ہی سے پیدا ہو چکا تھا اس لئے تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ ساتھ صرف، نحو، منطق، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد، معانی غرض ہر علم میں آپ نے کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ شرح تصریف زنجانی آپ کی اس وقت کی تصنیف ہے جب آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

فقہی مسلک:

آپ کے فقہی مسلک کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن نجیم، علامہ طحطاوی، اور ملا علی قاری نے آپ کو طبقات حنفیہ میں ذکر کیا ہے جب کہ حاجی خلیفہ، ملا حسن کاتب چلپی، علامہ کفوی اور امام جلال الدین سیوطی نے آپ کو شافعی المسلک بتایا ہے۔ تاہم مولانا عنایت اللہ لکھنوی فرماتے ہیں کہ: "تلویح کی بعض عبارات کو بہ نظر غائر دیکھنے

---

[۱] صفوة المقتطف من أحوال المصنفين، ص ۳۴۱، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراتشی، پاکستان)

سے آپ کا حنفی المسلک ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے، علاوہ ازیں آپ نے کتب حنفیہ بالخصوص فقہ حنفی پر اپنی گہری نظر بھی ظاہر کی ہے۔"

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ تیموریہ میں:

شروع شروع میں شجاع بن مظفر کے دربار میں آپ کا بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن اس کے بعد آپ شاہ تیمور لنگ کے یہاں "صدر الصدور" مقرر ہو گئے تھے۔ شاہ تیمور آپ کا بڑا معتقد تھا اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب آپ نے "مطول شرح تلخیص" تصنیف کی اور شاہ کی خدمت میں پیش کی، تو شاہ نے اسے بہت پسند کیا اور عرصہ تک "قلعۂ ہرات" کے دروازہ کو اس سے زینت بخشی۔

امیر تیمور لنگ:

امیر تیمور ۷۳۶ھ میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کا شجرۂ نسب چغتائی خاندان سے جا کر ملتا ہے۔ بچپن میں امیر تیمور کو بحیثیت ایک صیاد کے شہرت ملی اور جوانی میں سپاہی ہونے کی وجہ سے اسے ناموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو "تیمور لنگ" بھی کہا جاتا ہے، جس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیر آ کر اس کے پاؤں پر لگ گیا تھا اور اس کے پاؤں میں ایسا کاری زخم ڈالا کہ یہ اس کی وجہ سے تمام عمر کے لئے لنگڑا ہو گیا اور "تیمور لنگ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

فاتحین ایشیا، میں سے جس شخص نے ایشیا اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تیمور لنگ ہی ہے۔ تیمور لنگ سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا تھا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔

بالآخر تیمور لنگ ۸۰۷ھ میں بہ عمر ۷۱ سال سمرقند ہی میں فوت ہوا اور اسے دنیا کے ایک عظیم اور خوب صورت مقبرے میں دفن کیا گیا۔

تیمور لنگ رافضی اور انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ صفت انسان واقع ہوا تھا اس نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل کیا اور کم و بیش بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے تھے۔

تیمور لنگ چوں کہ رافضی تھا اس لئے سب سے پہلا تعزیہ اسی نے ہی رکھا تھا چنانچہ مشہور شیعہ عالم غلام امام کاکوروی لکھتا ہے:

''سب سے پہلا تعزیہ امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور لنگ کو حضرت امام حسین سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ ہر سال کربلائے معلی (روضۂ اطہر) کی زیارت کو جاتا تھا۔ ایک سال جنگ و جدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ زیارت نہ کر سکا، چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیہ کی صورت میں بنالیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کی۔'' [1]

الغرض امیر تیمور لنگ اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال (۷۸۲ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہل سنت مظالم کا نشانہ بنے رہے۔ [2]

وفات حسرت آیات:

بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ امیر تیمور لنگ کے دربار کے ''صدر الصدور'' اور بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ بالآخر اپنے ہم عصر اور نامور عالم دین میر سید شریف جرجانی کے ساتھ ایک مناظرہ میں شکست کھانے کے صدمہ کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے اور ۲۲ محرم الحرام ۷۹۲ھ کو بہ مقام ''سمرقند'' وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بعد میں دو ماہ اور سترہ دن کے بعد آپ کا جسد خاکی ۹ جمادی الاولیٰ ۷۹۲ھ کو مقام ''سرخس'' کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ [3]

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

مگر باایں ہمہ فضل و کمال اور علم میں علو مقام آپؒ حاسدین و معاندین اور دشمنوں کے وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ہاں ''امام في العقائد'' مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعی اثرات و جراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ چنانچہ موصوف

---

[1] (ماہنامہ الحق (حیدر آباد) ۱۳۸۹ھ)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۲)

[3] (علم المحصلین باحوال المصنفین وملخصاتھا ص ۳۲۸ ۔ ۳۴۳، المنیر محمد کتب خانہ، کراتشی، پاکستان)

''مسند اور مسند الیہ'' کی بحث میں ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر مبنی ایک انتہائی مکروہ مثال دیتے ہیں کہ:

"ركب علي وهرب معاوية ... فالتعظيم ماخوذ من لفظ علي لأخذه من العلوّ والاهانة ماخوذ من لفظ معاوية لأنه ماخوذ من العوي وهو صراح الذئب والكلب ."[1]

ترجمہ: علیؓ سوار ہوئے اور معاویہؓ بھاگ گیا۔ (موصوف اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:) ''پس تعظیم لفظ ''علی'' سے ماخوذ ہے کہ اس میں ''علو'' (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ ''معاویہ'' سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ ''عوی'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔'' (ترجمہ ختم)

دار العلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن الفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ولايخفي مافيه من سوء الأدب في حق سيدنامعاوية والجرأة عليه بمالا يليق ..."[2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے فتازانی کا تعاقب اور گرفت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی طرف سے حضرت معاویہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔''[3]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں سب سے پہلے تو اپنی علمی خیانت اور اپنی اخلاقی بددیانتی کا ثبوت یہ

---

[1] مختصر المعاني: ص ۷۱ تحت أحوال المسند اليه: تعريفه بالعلمية، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۲)

[2] (حاشیہ مختصر المعانی: ص ۷۱، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۲)

[3] (ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ص ۱۷۱، ۱۷۲)

دیا ہے کہ علامہ تفتازانی کی عبارت اور اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ دونوں کو ایک کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے، تا کہ قارئین کو وہ اور بھی زیادہ واضح صراحت کے ساتھ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور کرائیں، لیکن ہاشمی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ تفتازانی اور حضرت شیخ الہندؒ کے روحانی فرزند انہیں اس علمی رہزنی میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

علامہ تفتازانی کی تو عبارت صرف اس قدر ہے:

"مثل ركب علي وهرب معاوية."[1]

ترجمہ: جیسے "علی" سوار ہوئے اور "معاویہ" بھاگ گئے۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۲ پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فالتعظيم ماخوذ من لفظ علي لأخذه من العلو والاهانة ماخوذ من لفظ معاوية لأنه ماخوذ من العوي وهو صراخ الذئب والكلب."[2]

ترجمہ: پس تعظیم لفظ "علی" سے ماخوذ ہے کہ اس میں "علو" (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ "معاویہ" سے ماخوذ ہے کیوں کہ وہ "عوی" سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔ (ترجمہ ختم)

قارئین کرام! یہ ہے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا وہ جعل و فریب، اور اکابر دشمنی کا منہ بولتا ثبوت کہ جس کی آڑ میں رو کر وہ اپنی ساٹھ سالہ دجالیوں اور فریب کاریوں کا مکروہ دھندا چلا رہے ہیں اور عام اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے حقیقی اسلاف اور اپنے روحانی پیشواؤں علمائے اہل سنت سے دُور کر رہے ہیں۔

ہاشمی صاحب کے اس طرح اکابرین کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے ایسا لگ رہا ہے جیسے قلم تو ایک نیم ملاریٹائرڈ پروفیسر کا ہے لیکن دماغ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا ہے کہ وہ بھی اس سے قبل کچھ اسی طرح کے ناقابل فراموش کارہائے نمایاں انجام دے کر علمائے دیوبند کے خلاف عرب علماء کی آنکھوں میں دھول جھونک ہی رہے تھے کہ فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے "المهند علي المفند" جیسی شمشیر بے نیام

---

[1] (مختصر المعاني: ص ۷۱، الناشر: مكتبة رشيدية، كوئٹه، الباكستان)

[2] (حاشية شيخ الهند علي مختصر المعاني: ص ۷۱، الناشر: مكتبة رشيدية، كوئٹه، الباكستان)

سے اعلیٰ حضرت کی خوب خبر لی اور عرب علما کو ان کی دجالیوں وفریب کاریوں سے خوب آگاہ کیا۔

ہنوز آمدم برسر مطلب!:

بہر حال اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں لفظوں (علی ومعاویہ) سے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی مراد ہیں اور اسی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو بھی سامنے آتا ہے جس پر اتنی بڑی جرأت واقعہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔

اور اگر ان دونوں لفظوں کا اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیا جائے تب بھی یہ لفظ بے ادبی کے شائبہ سے خالی نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی گمان ان دونوں حضرات کی طرف جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں

" والمتبادر ان المراد بعلي ومعاوية صاحبا رسول الله ولايخفي مافيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاوية والجرأة عليه بمالايليق بمنصبه بل لوحملناهما علىٰ غيرهما لم يخل من سوء الأدب لما فيه من الايهام "[1]

ترجمہ: بظاہر "علی" اور "معاویہ" سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی مراد ہیں اور یہ مراد لینے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا پہلو ظاہر ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتنی جرأت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے منصب کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم ان دونوں لفظوں کو اس کے علاوہ کسی اور معنی پر محمول کر دیں جب بھی یہ لفظ سوئے ادب سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس میں ایہام (وہم میں پڑنا پایا جاتا) ہے۔ (ترجمہ ختم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا دفاع:

بہر حال چاہے ان دونوں لفظوں کا محمل حضور اقدس ﷺ کے دو صحابی (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا محمل ہو "اظنوا بالمؤمنين خيراً" کی رو سے بہر حال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو قطعی اور یقینی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد وگستاخ ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں، اس لئے کہ اول تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مثال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور آپ سے

---

[1] حاشية شيخ الهند على مختصر المعاني، ص ۱۷، رقم الحاشية: ۱، الناشر: مكتبة رشيدية، كوئٹه (الباكستان)

مقام صحابیت کو گرانے اور اس پر طعن و تنقید کی غرض سے ذکر کی ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ہمیں "ظنوا بالمؤمنین خیراً" کا حکم دیا گیا ہے۔

دیگر توجیہ:

اور دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مثال بھی روافض کے اس پروپیگنڈے اور سازش کا حصہ ہو کہ جس کے تحت صرف ونحو کی مبتدی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک "ضرب زید عمروا" وغیرہ کی جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمرو بن العاص ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ کے نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان مثالوں سے ہر اس شخص کو واسطہ پڑتا ہے جس نے عربی، فارسی اور اردو صرف ونحو (گرائمر) کی کتابیں پڑھی ہوں۔ چنانچہ اگر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی گرائمر کی مذکورہ کتابیں پڑھیں ہیں تو انہیں بھی لامحالہ اس قسم کی مثالوں سے واسطہ پڑا ہوگا، لیکن اس کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ وہ ان کتابوں کے مصنفین پر طعن و تشنیع کرے، یا کم از کم آگے ان کے پڑھنے پڑھانے والوں کو ڈانٹ پلائے کہ انہوں نے تو چلو جو کچھ لکھ دیا سو لکھ دیا مگر تم تو کم از کم اس سے پہلو تہی برتو۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی عالم یا متعلم یا گرائمر سیکھنے والا کوئی بھی ادنیٰ درجہ کا مسلمان اس بات کا شائبہ تک اپنے دل میں نہیں لاسکتا کہ اس قسم کی مثالوں سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمرو بن العاص ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ وغیرہم صحابہ کرام ؓ کی ذاتیں مراد ہیں، بلکہ وہ تو صرف ایک نام کی حد تک ان مثالوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی مخصوص صحابی کا نام سمجھ کر ان سے ہرگز استفادہ نہیں کرتے۔

ہاں! اگر کوئی بدبخت محض اس نیت سے اس قسم کی مثالیں اپنی نوک زبان پر لائے تاکہ ان سے صحابہ کرام ؓ کا مقام و مرتبہ گھٹایا جائے یا اُن کی ذات ستودہ صفات میں توہین و تنقیص کا کوئی پہلو نکالا جائے تو ایسے شخص کی شقاوت و بدبختی اور ضلالت و گمراہی میں کسی مسلمان کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟۔

پس زیر بحث مثال میں ہم نبی اکرم ﷺ کے حکم "ظنوا بالمؤمنین خیراً" کے بموجب محض حسن ظن کی بنا پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ مثال دیتے وقت "علی" اور "معاویہ" مطلق دو نام ان کے سامنے آگئے ہوں گے اور انہوں نے انہی دو ناموں کو مثال میں پیش کر دیا ہوگا، حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کی ذاتیں اس سے ہرگز مراد نہیں لیں۔ چنانچہ یہ احتمال حاشیہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا

ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص محض اس بات کی وجہ سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ؓ کا ناقد، گستاخ ٹھہرائے کہ انہوں نے اپنے استدلال میں حضرت معاویہ ؓ کے نام کی مثال پیش کی ہے تو پھر اس میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ پھر تو اُسے سب سے اُن اصحاب علم وفضل وکمال کو "ناقدین معاویہ ؓ" ٹھہرانا پڑے گا جنہوں نے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمرو بن العاص ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ وغیرہم جیسے حضرات صحابہ کرام ؓ کے اسمائے مبارکہ کو بطور مثالوں کے صرف ونحو کی کتابوں میں بہ کثرت استعمال فرمایا ہیں۔

لیکن اگر آپ کہیں کہ ہاں "زید، عمرو، بکر" صرف نام مراد ہیں صحابہ ؓ کی ذاتیں مراد نہیں ہیں تو پھر ہم بھی اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو مثال ذکر کی ہے اُس میں بھی "علی" و "معاویہ" صرف دو نام مراد ہیں، حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کی ذاتیں مراد نہیں۔

" فما هو جوابكم فهو جوابنا "

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"علامہ تفتازانیؒ" "عقائد نسفیہ" کی شرح میں "احترام صحابیت" کو فراموش کرتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ پر لعنت کے جواز کا مسئلہ زیر بحث لائے ہیں، اگرچہ انہوں نے لعنت سے متعلق عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن انہیں " رضي الله عنهم ورضوا عنه " کی ربانی سند کے بعد سرے سے اس مسئلہ کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے تھا کیوں کہ اس اسلوب میں حضرت معاویہ ؓ کی واضح طور پر بے ادبی پائی جاتی ہے۔

" و بالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن علي معاوية واحزابه لأن غاية أمرهم البغي والخروج على الامام وهو لايوجب اللعن "۔[1]

ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ اور ان کے گروہ پر لعنت کا جواز مجتہدین اور علمائے

---

[1] (شرح العقائد النسفية: ص ۱۱۶ بحوالہ "سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین" ص ۱۹۳)

صالحین سے منقول نہیں ہے، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ان سے امام برحق (حضرت علی ؓ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب نہیں ہوتی۔

یعنی خروج و بغاوت کے ارتکاب سے لعنت واجب تو نہیں لیکن کیا "وجوب" سے کم درجہ کی "گنجائش" نکل سکتی ہے؟ موصوف نے اگرچہ یہاں حضرت معاویہ ؓ اور ان کے گروہ کو لعنت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن اس اسلوب سے بھی اہانت معاویہ ؓ کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔[1]

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی صحیح وضاحت:

دراصل علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں روافض پر رد کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک امام برحق کے خلاف ناحق خروج اور بغاوت کرنے والے شخص پر لعنت کرنا واجب ہے۔ نیز علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ ؓ کے متعلق لعنت کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ زیر بحث لاکر حضرت معاویہ ؓ کے مقام صحابیت کا تحفظ اور دفاع کرتے ہوئے روافض کے سامنے علمائے اہل سنت کا یہ اجماعی موقف پیش کر کے انہیں یہ جواب دینا چاہتے ہیں کہ محض بغاوت اور خروج کی بناء پر حضرت معاویہ ؓ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنے کا جواز ہمارے سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں، بلکہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خلیفہ برحق یعنی حضرت علی ؓ کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب کیا تھا، اور امام برحق کے خلاف بغاوت اور خروج کرنے سے اہل سنت کے نزدیک کوئی شخص لعنت کا مستحق نہیں ہوتا اور اس کے ارتکاب سے اُس پر لعنت واجب نہیں ہوتی لہٰذا حضرت معاویہ ؓ پر لعنت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

دوسرا جواب اس کا یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ "لایوجب" کا معنیٰ "واجب" ہی ہو بلکہ بعض جگہ "لایوجب" "لا یلزم" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ارباب لغت نے لکھا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"وجب: وجب الشيء يجب وجوباً أي لزم."[2]

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۱۳)

[2] لسان العرب لابن منظور الافریقی (۷۹۳/۲، الناشر: دار صادر، بیروت)

ترجمہ: وجب: شے واجب ہوگئی یجب وجوباً یعنی کہ "لازم" ہوگئی۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

"وجب یجب وجوباً وجبة: لزم."[1]

ترجمہ: واجب ہونے کا معنی لازم ہونا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سید مرتضیٰ الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں:

"وکان الحسن یراہ لازماً، وحکي ذلک عن مالک یقال: وجب الشيء وجوباً: اذا ثبت ولزم."[2]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ "وجوب" کو "لازم" کے معنی میں لیتے تھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے: "وجب الشيء وجوباً" جب کوئی چیز ثابت ہوجائے اور لازم ہوجائے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جگہ "لایوجب" کو "لایلزم" کے معنی میں لیا ہے جس کا وجوب شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم یہ بنے گا کہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کا جواز الحمد مجتہدین اور علمائے صالحین سے منقول نہیں، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ اُن سے امام برحق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب (لازم) نہیں ہوتی۔

الغرض علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ مراد لینا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے گروہ پر لعنت کرنا واجب نہیں، مگر اس سے کم درجہ یعنی جواز کی گنجائش موجود ہے بالکل غلط اور بعید از قیاس ہے۔

ہاں! زیادہ سے زیادہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے اُن کی اس عبارت میں ایک گونہ تقصیر کا پہلو پایا جاتا ہے، اس لئے اگر وہ اس کی جگہ کوئی دوسری واضح اور غیر مبہم متداول عبارت لاتے تو بہت بہتر

---

[1] (القاموس المحیط للفیروز ابادی: ۱/۱۴۱، مؤسسة الرسالة، للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان)

[2] (تاج العروس من جواهر القاموس: ۴/۳۳۳، الناشر: دار الهدایة)

ہوا۔

یزید اور اس کے اعوان وانصار پر لعنت بھیجنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ملحوظ رہے کہ علامہ تفتازانیؒ نے لعنت کے عدم جواز کے متعلق سلف کا مذکورہ قول نقل کیا ہے، لیکن آگے انہوں نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کی گنجائش نکال لی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً "اعوان وانصار" کا ذکر کیا ہے (واللہ اعلم بمرادہ) چنانچہ موصوف یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا عقیدہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ

"والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستشاره بذلك واهانة اهل بيت النبي (عليه السلام) مما تواتر معناه وان كانت تفاصيله آحاداً، فنحن لانتوقف في شأنه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره واعوانه."[1]

یہی قول علامہ قسطلانیؒ نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں تحریر کیا ہے:

"لانتوقف في شأنه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره و أعوانه."[2]

ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر اس کا راضی ہونا اور اس پر اس کا خوش ہونا اور نبی علیہ السلام کے گھر والوں کی توہین کرنا ایسی بات ہے جو معناً متواتر ہے اگرچہ اس کی جزئیات اخبار آحاد ہیں، ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اور اس کے تمام یاروں اور مددگاروں پر۔

علامہ تفتازانیؒ نے یزید کی "شان" میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

اللعن على يزيد في الشرع يجوز والـلاعـن يـحـزي حسنات ويفوز

---

[1] (شرح العقائد النسفية: ص ۱۱۷، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاقدین: ۱۱۴)

[2] (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، بحوالہ مقالات: ۲/ ۳۳۵ پیر کرم شاہ صاحب الازہری، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاقدین: ۱۱۴)

قد صح لدیّ انه معتل واللعن مضاعف وذلک مقرر

ترجمہ: (۱) یزید پر لعنت کرنا شریعت میں جائز ہے اور لعنت کرنے والے کو نیکیوں کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور وہ کامیاب ہوگا (۲) میرے نزدیک یہ درست ہے وہ (یعنی یزید) "بیمار" تھا اور "روگ" کا شکار تھا، اس پر دوگنی لعنت ہو وہ معیوب مطعون تھا۔

شرح عقائد کی عبارت اور مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود امیر تیمور رافضی کی مصاحبت سے "یزید فوبیا" کا شکار ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے جمہور علماء کے مؤقف کے برعکس یزید پر سنگین ترین "فرد جرم" عائد کی ہے۔

یزید کے اعوان و انصار کے عموم سے حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور دیگر مجوزین صحابہ و تابعین کو کیوں کر مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟ جن کی مساعی جمیلہ سے وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ یا جن صحابہ و تابعین نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اس بیعت کو نہیں توڑا تھا اور بیعت و اطاعت پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں یزید پر لعنت کے جواز میں تین وجوہات (قتل حسین ؓ پر رضامندی اس پر خوشی کا اظہار اور اہانت اہل بیت) بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ نیز موصوف کے نزدیک یہ امور موجب لعنت و کفر ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے اسے اعوان و انصار سمیت لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ حالاں کہ اگر بالفرض یزید کا حضرت حسین ؓ کو قتل کرنے کا حکم دینا "ثابت" بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر "کفر" کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسا حکم گناہ کبیرہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ لیکن یہاں یزید کا قتل حسین کا حکم دینا، اس قتل پر خوشی کا اظہار کرنا اور قافلہ اہل بیت کی اہانت کرنا تینوں امور ثابت نہیں ہیں۔

مزید برآں یزید کا حالت کفر پر مرنا بھی یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کیوں کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہٰذا یزید کی نہ تو تکفیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مع اعوان و انصار اس پر بالتعیین لعنت۔ کسی بھی مسلمان کو متعین طور پر کافر اور لعنت کا مستحق قرار دینے کا شرعی حکم اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہاں حضرت معاویہ ؓ اور دیگر مجوزین صحابہ ؓ و تابعین سے

متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کا مسئلہ ایک علیحدہ اور مستقل عنوان ہے جس پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے۔"[1]

یزید کے اعوان وانصار سے کون سے اشخاص مراد ہیں؟:

جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی اس بات کا تعلق ہے کہ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ ؓ پر بھی لعنت کی گنجائش نکالی ہے، کیوں کہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً "اعوان وانصار" کا ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یزید کے اعوان وانصار سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جو یزید کے ساتھ مل کر امام حسین ؓ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت ؓ کی توہین وتذلیل کی تھی، وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، جیسے حضرت معاویہ ؓ حضرت مغیرۃ بن شعبہ ؓ اور دیگر مجوزین مبایعین حضرات صحابہ ؓ وتابعینؒ ہیں۔ اس لئے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق وسباق ہی سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں پر زیر بحث مسئلہ یزید اور اس کے اُن اعوان وانصار کا چل رہا ہے کہ جنہوں نے قتل حسین ؓ کا حکم دیا تھا یا وہ قتل حسین ؓ پر خوش اور راضی تھے یا انہوں نے حضرات اہل بیت ؓ کی توہین وتذلیل کی تھی، اُن لوگوں کی تو یہاں سرے سے بات ہی نہیں ہو رہی ہے کہ جن کی مساعی سے یزید منصب خلافت پر فائز ہوا تھا یا جن صحابہ ؓ وتابعینؒ نے واقعہ کربلا کے بعد بھی یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا، بلکہ وہ اس کی بیعت پر برابر قائم رہے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق وسباق کو دیکھتے ہوئے یزید کے اعوان وانصار سے صرف یزید کے ماتحت وہی لوگ مراد ہیں جو امام حسین ؓ کے قتل پر راضی اور خوش تھے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت ؓ کی توہین وتذلیل کی تھی۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ علامہ تفتازانیؒ کی اسی عبارت "وعلى انصاره واعوانه" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اي جنوده الذين حاربوا الحسين." [2]

ترجمہ: یعنی یزید کا وہ لشکر کہ جس نے حضرت امام حسین ؓ کے ساتھ قتال کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۱۳:۱۱۵)

[2] (السراج شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ص ۳۳۲، المكتبة الحقانية: ملتان، آلہ اکستاد)

پس ثابت ہوا کہ یزید کے اعوان و انصار سے علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کی مراد وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے قتل حسین ؓ کا حکم دیا یا وہ لوگ قتل حسین ؓ پر خوش ہوئے یا انہوں نے اہل بیت اطہار ؓ کی توہین و تذلیل کی تھی۔ علامہ تفتازانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے صرف انہیں لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔

وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا بالاتفاق جائز ہے!:

باقی جہاں تک بات ہے یزید اور اس کے مذکورہ بالا اعوان و انصار پر لعنت بھیجنے اور نہ بھیجنے کے مسئلہ کی تو اس کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ: ''جس شخص نے حضرت حسین ؓ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کو جائز کہا، یا قتل پر راضی رہا اس پر بالاتفاق لعنت کرنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"واتفقوا علي جواز اللعن علي من قتله او امر به او اجازه او رضي به."[1]

ترجمہ: اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین ؓ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کو جائز کہا، یا قتل پر راضی رہا اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) اس کی تشریح لکھتے ہیں:

" أما من قتله فلقوله تعالي: ﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه﴾ وأما الآمر فلأنه شريك القاتل في الاثم وأما من اجاز ورضي فلأن الرضاء بالمعصيه كفر وايضاً قال الله تعالي: ﴿ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾ وقال الله تعالي: ﴿لعنة الله علي الظالمين﴾ ولا شك أن قاتله والآمر به والراضي به مؤذي ظالم وعندنا فيه بحث لأنه ان اراد لعن الشخص المعين فدعوي الاتفاق غير مسموعة الا في من رضي ومات عليه بلا توبة، لأن الرضاء بالمعصية من حيث هي معصية كفر بالاتفاق ولكن اثبات الموت عليه أصعب من خرط القتاد. وان أريد اللعن بالوصف العام فالاتفاق مسلم، لكن لا يلزم منه جواز

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ص ۳۷٤، الناشر: مكتبة الشرق - كراتشي، الباكستان)

اللعن على الشخص المعين الذي يوجب هذا الوصف فيه كما سنحققه."[1]

ترجمہ: بہر حال جس شخص نے آپ ﷺ کو قتل کیا تو اس پر تو اس وجہ سے (لعنت کرنا جائز ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اُس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا ... الخ۔" (نساء: ۹۳/۴)[2] اور قتل کا حکم دینے والے پر اس وجہ سے کہ وہ گناہ میں قتل کرنے والے کا شریک تھا اور قتل کو جائز کہنے اور اس پر خوش رہنے والے پر اس وجہ سے کہ گناہ پر خوش ہونا کفر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے ..." (الاحزاب: ۳۳/۵۷)[3] اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر!" (ہود: ۱۸/۱۱)[4] اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین ﷺ کو قتل کرنے والا، آپ ﷺ کے قتل کا حکم دینے والا اور آپ ﷺ کے قتل پر خوش ہونے والا شخص موذی اور ظالم ہے۔

اور ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں تھوڑی سی بحث ہے وہ یہ کہ اگر اس سے کسی معین شخص پر لعنت کرنا مراد ہے تو (علماء کا) یہ اتفاق غیر مسموع ہے، مگر اُس شخص کے بارے میں جو (گناہ پر) راضی (اور خوش) ہو اور اسی حالت میں توبہ کے بغیر مر جائے۔ اس لئے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر اُس پر خوش ہونا بالاتفاق کفر ہے، لیکن رضاء بالمعصیۃ پر (کسی کے لئے) موت کا ثابت کرنا از بس دُشوار ہے۔ اور اگر وصف عام کے ساتھ لعنت کی جائے تو (اس پر علماء کا) اتفاق مسلم ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس شخص معین میں یہ وصف پایا جاتا ہو اُس پر لعنت کرنا جائز ہے، جیسا کہ عن قریب ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة للهيتمي: ص ۳۳۲، الناشر: مكتبة المثنى، كراتشي، الباكستان)

[2] (آسان ترجمہ قرآن، ۱/۴۸۸، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[3] (آسان ترجمہ قرآن، ۳/۱۳۰۹، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[4] (آسان ترجمہ قرآن، ۲/۹۷۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

شخص معین (یزید) پر لعنت کرنے کا مسئلہ:

گویا علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ اُس وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ کسی شخص کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا از بس دُشوار ہے، اور جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ اُس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع ہوئی ہے یا توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ پر واقع نہیں ہوئی ہے تو ایسے شخص پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ یزید جیسے شخص معین پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی اُسی وقت متفق علیہ کہلایا جاسکتا ہے جب کہ اُس کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ اُس کی موت توبہ کے بغیر رضاء بالمعصیۃ (یعنی قتل حسین رضی اللہ عنہ) پر (خوشی کی حالت میں) واقع ہوئی ہے، حالاں کہ یہ بات معلوم کرنا کسی کے بھی بس میں نہیں کہ یزید نے آخری وقت قتل حسین رضی اللہ عنہ پر خوش رہنے کے گناہ سے توبہ کرلی تھی یا توبہ نہیں کی تھی، پس معلوم ہوا کہ یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ بھی علماء کے درمیان اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

چنانچہ علمائے اہل سنت میں سے جو لوگ (یزید پر) جواز لعنت کے قائل ہیں اُن میں ابن جوزیؒ، قاضی ابو یعلیٰ، علامہ تفتازانی، علامہ قسطلانیؒ، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ حضرات نمایاں ہیں۔ جب کہ عدم جواز کے قائلین میں امام غزالیؒ، اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نمایاں ترین بزرگ حضرات ہیں۔

اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کرنے والے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"ويتأول تأويلاً فاسداً، ولهذا ذهب الأكثرون الى أن أول من بغى في الاسلام."[1]

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ فاسد تاویل کرتا تھا۔ لہٰذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اوّل جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔

---

[1] شرح المقاصد: ۲/ ۳۰۶، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۱۵، ۱۱۶)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے اور موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ معاویہؓ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔ حالاں کہ جنگ جمل پہلے ہوئی ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے۔ کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ ؓ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی، تو پھر ان کی طرف کس طرح "أوّل من بغي في الاسلام" کی نسبت کی جا سکتی ہے؟ قاتلین عثمان ؓ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے؟۔[1]

ہاشمی صاحب کی عربی گرائمر سے بے خبری یا اُن کا تجاہل عارفانہ:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت: "ویتأول تأویلاً فاسداً" میں "یتأول" کا فاعل حضرت معاویہ ؓ کو مانا ہے حالاں کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ ؓ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ (تفصیل اس کی آگے آرہی ہے۔ رفیع) اور دوسرے یہ کہ "یتأول" کا فاعل حضرت معاویہ ؓ کو مان کر اس کا انتہائی غلط ترجمہ کیا ہے اور اس سے قارئین باتمکین کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حزبہ بھڑکانے کی اپنی سی کوشش کی ہے، بایں طور کہ اس عبارت کا استمرار کا ترجمہ کیا ہے، حالاں کہ عربی زبان کی ابجد سے واقفیت رکھنے والا نوآموز طالب علم بھی یہ بات خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ فعل مضارع میں دوام اور استمرار کا ترجمہ نہیں پایا جاتا بلکہ لفظ کان کو فعل مضارع کے شروع میں لگانے سے اس میں دوام اور استمرار کا ترجمہ پایا جاتا ہے اور اس وقت وہ فعل، فعل مضارع نہیں رہتا بلکہ ماضی استمراری بن جاتا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت: "ویتأول تأویلاً فاسداً" کا ترجمہ کیا ہے: "اور معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔" حالاں کہ یہ ترجمہ ماضی استمراری کا ہے جو کہ بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے اور اس سے بجا طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاذ اللہ! علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کی ہر قسم کی تاویلات کو فاسد قرار دیا ہے، بایں طور کہ حضرت معاویہ ؓ جو بھی تاویل کرتے تھے وہ فاسد ہوتی تھی، حالاں کہ یہ بات بعید از قیاس اور خلاف واقعہ ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق حذف کر کے "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا" کا صحیح مصداق اُس سے اپنے مطلب کی عبارت اخذ کرنے کی خواہ مخواہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرا دیا، حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اُس کے کامل سیاق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو علامہ موصوف کا دامن نقد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بالکل پاک اور صاف نظر آتا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع اُس کے سیاق کے نقل کرتے ہیں کہ جس کو حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب قارئین باتمکین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُن کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ہونا باور کرانا چاہتے ہیں اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اُن کے سینوں میں بغض و نفرت کا لاوا ابلنا چاہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت:

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

" فان قيل : لا كلام في أن عليًا أعلم وأفضل وفي باب الاجتهاد أكمل ،لكن من أين لكم أن اجتهاده في هذه المسألة وحكمه بعدم القصاص على الباغي أو باشتراط زوال المنعة صواب واجتهاد القائلين بالوجوب خطأ ليصح له مقاتلتهم ؟ وهل هذا الا كما اذا خرج طائفة على الامام وطلبوا منه الاقتصاص ممن قتل مسلماً بالمثقل .قلنا : ليس قطعنا بخطأهم في الاجتهاد عائداً الى حكم المسألة نفسه بل الى اعتقادهم أن عليًا رضي الله عنه يعرف القتلة بأعيانهم ويقدر على الاقتصاص منهم . كيف وقد كانت عشرة آلاف من الرجال يلبسون السلاح وينادون : انا كلنا قتلة عثمان . وبهذا يظهر فساد ما ذهب اليه عمرو بن عبيدة و واصل بن عطاء من أن المصيب احدى الطائفتين ، ولا نعلمه على التعيين . وكذا ما ذهب اليه البعض من أن كلتا الطائفتين على الصواب بناءً على تصويب كل مجتهد وذلك لأن الخلاف

انما هو فيما اذا كان كل منهما مجتهداً في الدين على الشرائط المذكورة في الاجتهاد ، لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تأويلاً فاسداً ، ولهذا ذهب الأكثرون الى أن أول من بغى في الاسلام معاوية ، لأن قتلة عثمان لم يكونوا بغاة ، بل ظلمة وعناة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم بعد كشف الشبهة أصروا اصراراً واستكبروا استكباراً ."[1]

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ اس بارے میں تو کوئی کلام نہیں کہ سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ فضیلت والے اور اجتہاد کے باب میں سب سے زیادہ کامل حضرت علی ؓ ہیں، لیکن اس بات کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت علی ؓ کا اجتہاد کرنا اور اُن کا باغیوں پر عدم قصاص کا حکم لگانا، یا قصاص کو اُن کی قوت وشوکت کے زائل ہونے کے ساتھ مشروط ٹھہرانا درست ہے، اور قائلین وجوب قصاص کا اجتہاد غلط ہے، تاکہ حضرت علی کا اُن کے ساتھ باہم قتل وقتال کرنا صحیح ہو سکے؟ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جب کوئی جماعت امام کے خلاف خروج کرے اور اُس سے اُس شخص سے قصاص لینا طلب کرے کہ جس نے کسی مسلمان کو بھاری آلہ سے قتل کیا ہو (تو یہ شرعاً جائز ہے اور اسے کوئی بھی غلط نہیں کہتا۔ (رفیع) ہم کہتے ہیں کہ نفس مسئلہ کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے قطعی طور پر ہم ان کو اُن کے اجتہاد میں خطی نہیں کہتے، بلکہ اُن کے اُس اعتقاد کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں اُن کے اجتہاد میں خطی کہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ قاتلین عثمان ؓ کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اُن سے دم عثمان ؓ کا قصاص لینے پر قادر ہیں، اس طرح کہ وہ دس ہزار آدمی تھے جو اسلحہ سے لیس تھے اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "ہم سب قاتلین عثمان ؓ ہیں۔" اور اسی سے اُس مذہب کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء کا ہے کہ "ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت مصیب ہے، لیکن علی التعیین ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سی جماعت ہے؟"

---

[1] (شرح المقاصد للتفتازاني - ۵ / ۳۰۸ ، ۳۰۹ ، الناشر : عالم الكتب ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان)

اسی طرح اس سے اُن بعض لوگوں کے مذہب کا بھی فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "دونوں جماعتیں مصیب ہیں بخلاف اس کے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔" اور یہ اس وجہ سے کہ اختلاف صرف اسی صورت میں (معتبر) ہوتا ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک شخص مجتہد فی الدین ہو اُن شرائط کے مطابق جو اجتہاد کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں، نہ کہ ہر اس شخص کے بارے میں کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بغاوت کرنے والے حضرت معاویہ ؓ ہیں، (قاتلین عثمان ؓ نہیں ہیں) اس لئے کہ قاتلین عثمان ؓ باغی نہیں تھے، بلکہ وہ تو (اس سے بھی بڑھ کر) ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کے اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ مکمل عبارت بمع ترجمہ کے کہ جس کا سیاق و سباق حذف کر کے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنے من کا مطلب اور مفہوم نکال کر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر اندھا دھند بوچھاڑ شروع کر دی اور انہیں "ناقدین معاویہ ؓ" کی فہرست میں لا کھڑا کر دیا۔

ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہونا دجل و فریب:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے مندرجہ ذیل دجل و فریب کی قلعی کھلتی ہے:

۱۔ ایک تو یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت: "ویتأول تأویلاً فاسداً" میں "یتأول" کا فاعل حضرت معاویہ ؓ کو مانا ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس کا فاعل حضرت معاویہ ؓ نہیں، بلکہ ہر وہ شخص ہے کہ جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا کا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کر دے۔

۲۔ اور دوسرے یہ کہ پروفیسر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت: "ویتأول تأویلاً

فاسداً" کا ترجمہ کیا ہے: "اور معاویہ ﷺ فاسد تاویل کرتا تھا۔" ایک تو آپ اس بات سے یہ اندازہ لگائیں کہ ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ﷺ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرانے کے لئے جان بوجھ کر "معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا" کتنا بے ہودہ اور بے ادبی والا ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ماضی استمراری کا ترجمہ کیا ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ ﷺ کے جملہ اجتہادات کو باطل اور فاسد خیال کرتے تھے، کیوں کہ ماضی استمراری دوام اور استمرار کو چاہتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مضارع بعض جگہ میں ماضی کے معنی میں ضرور آتا ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ موقع ومحل کی مناسبت سے جس ماضی کا معنی بن رہا ہو وہی مراد لیا جائے۔ چنانچہ اس جگہ ماضی مطلق کا معنی بنتا ہے، ماضی استمراری کا نہیں، اسی لئے ہم نے ماضی مطلق کا ہی ترجمہ کیا ہے کہ "جس کے دماغ میں کوئی معمولی سا شبہ گزرے اور وہ فاسد (اور باطل) قسم کی تاویل کردے۔"

۳- اور تیسرے یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق وسباق حذف کرکے اس سے اپنے مطلب کی عبارت اخذ کرکے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ﷺ کا ناقد اور ان کا گستاخ ٹھہرایا ہے حالاں کہ اگر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اس کے کامل سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو علامہ موصوف کا دامن "نقد معاویہ ﷺ" سے مکمل طرح پاک اور صاف نظر آتا ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے "بغاوت" کس نے کی؟:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کے رد میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دعوی کیا تھا کہ

> "علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے "أول من بغي في الاسلام معاوية" کی نسبت حضرت معاویہ ﷺ کی طرف کی ہے، حالاں کہ "جنگ جمل" پہلے ہوئی ہے، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرکے توڑی ہے، لیکن کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرسکتا۔ حضرت معاویہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر ان کی طرف کس طرح "أول من بغي في الاسلام" کی نسبت کی جاسکتی ہے؟۔"[1]

---

[1] (سیف معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۱۹)

اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں!:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ "قتل عثمان رضی اللہ عنہ" اور "جنگ جمل" کے واقعات "جنگ صفین" سے پہلے ہی رونما ہوئے تھے، اور "جنگ صفین" کا واقعہ بعد میں پیش آیا تھا، لیکن اگر کتب تاریخ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس سے اس بات کا ثبوت اچھی طرح مل جاتا ہے کہ دراصل اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی تھیں۔

پہلی بغاوت:

۱۔ پہلی بغاوت "جمل" کی تھی جس میں جنگ اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر ہوئی تھی۔

چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن سبا کی جماعت اور بلوائیوں کے گروہ کو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے متصل پڑے ہوئے تھے، کوئی موقع اپنی شرارت آمیز ارادوں کے پورا کرنے کا نہ ملا۔ اب جب کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ صبح کو صلح نامہ لکھا جائے گا تو بہت فکرمند ہوئے اور رات بھر مشورے کرتے رہے۔ آخر پیدۂ سحر کے نمودار ہونے کے قریب انہوں نے سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر یعنی اہل جمل پر حملہ کر دیا۔ جس حصہ فوج پر یہ حملہ ہوا اس نے بھی مدافعت میں ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ جب ایک طرف سے لڑائی شروع ہوگئی تو فوراً ہر طرف طرفین کی فوجیں لڑائی پر مستعد ہو کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوگئیں۔ لڑائی کا یہ شور سن کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنے خیموں سے نکلے اور شور و غل کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا۔ سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: "افسوس اہل رضی اللہ عنہ کشت و خون کے بغیر باز نہ آئیں گے۔"

ادھر شور و غل کی آواز سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے خیمے سے نکلے اور شور و غل کی وجہ پوچھی، تو وہاں پہلے ہی سے عبداللہ بن سبا نے اپنے چند آدمیوں کو لگا رکھا تھا، انہوں نے فوراً جواب دیا کہ "طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لشکر پر اچانک بے خبری میں حملہ کر دیا اور معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے تو مل بھی یہ اتفاقیہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "افسوس طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بغیر خون ریزی کیے باز نہ آئیں گے۔" یہ فرما کر اپنے [illegible]

کے حصوں کو احکام بھیجنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنے لگے۔ غرض بڑے زور وشور سے لڑائی شروع ہوگئی۔ فریقین کے سپہ سالاروں میں سے (غلط فہمی میں) ہر ایک نے دوسرے کو مجرم سمجھا اور حقیقت اصلیہ سے دونوں بے خبر و ناواقف رہے۔"[1]

۲- اور دوسری بغاوت "صفین" کی تھی، جس میں جنگ ارادے اور عزم کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ غالباً علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے "جنگ جمل" کو سب سے پہلی بغاوت اس لئے نہ کہا کہ چوں کہ یہ جنگ اتفاقیہ اور بلا قصد ہوئی تھی، اس لئے اس کا وجود "جنگ صفین" کی صورت میں پیش آنے والی ایک بڑی جنگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔

اصحاب جمل کی طرف بغاوت کی نسبت:

باقی رہا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ کہ:

"جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔"[2]

ہاشمی صاحب کے بطلانِ دعویٰ پر چند دلائل:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ خلاف حقیقت اور بالکل باطل ہے کہ "کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔" اس لئے کہ اکابر علمائے اہل سنت جس طرح جنگ صفین پر بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں اسی طرح جنگ جمل پر بھی بغاوت کا اطلاق کرتے ہیں، اور ایسے درجنوں حوالے موجود ہیں کہ جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بغاوت کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا حوالہ:

خلیفۂ چہارم حضرت علی المرتضیٰ ؓ اہل جمل وغیرہ حضرات کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی اور تلوار نے انہیں پاک کیا۔"

---

[1] (تاریخ اسلام: ۱/۳۲۳، ۳۲۴)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ۱۱۶)

چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

"یزید بن هارون عن شریک عن أبي العنس عن أبي البختري قال: سئل عليٌّ عن أهل الجمل قال: قيل: أمشركون هم؟ قال: من الشرك فروا. قيل: أمنافقون هم؟ قال: ان المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً. قيل: فما هم؟ قال: اخواننا بغوا علينا."[1]

ترجمہ: ابوالبختری کہتے ہیں کہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں پوچھا گیا کہ: "کیا وہ مشرک تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "شرک سے تو وہ بھاگتے تھے۔" پوچھا گیا: "کیا وہ منافق تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "منافقین اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔" پوچھا گیا کہ: "پھر وہ کیا تھے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمارے بھائی تھے، ہمارے خلاف انہوں نے بغاوت کی۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وقال من أهل الجمل وغيرهم: أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا فطهرهم السيف."[2]

ترجمہ: اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) اہل جمل وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جمل والے ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا۔

اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"وكان يقول في أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا، فطهرهم السيف."[3]

---

[1] (مصنف ابن أبي شيبة: ۷/۵۳۵، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)

[2] (الفتاوى الكبرى لابن تيمية: ۳/۵۳۹، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (حقوق آل البيت لابن تيمية: ۱/۳۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۲۸/۵۱۶، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۴/۴۹۷/۷، ۴۰۶، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية)

[3] المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي: (۱/۲۷۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحاب جمل کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

" وروينا عن عليٍّ أنه سئل عليٌّ عن أهل الجمل فقال : اخواننا بغوا علينا ، فقاتلناهم ."[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل جمل" کے بارے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف خروج کیا، پس ہم نے اُن کے ساتھ قتال کی۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

" وقال فيهم (أي في اصحاب الجمل و الصفين) اخواننا بغوا علينا طهرهم السيف ، وصلى علي قتلى الطائفتين ."[2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحاب جمل و اہل صفین کے بارے میں فرماتے تھے کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے ان کو پاک کیا۔" اور آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں:

" سئل عليٌّ (رضي الله عنه) عن أهل الجمل فقال : اخواننا بغوا علينا ، فقاتلناهم ."[3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل جمل" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی پس ہم نے اُن کے ساتھ قتال کی۔

---

[1] (السنن الكبرى للبيهقي، ج ۸ ص ۳۱۰، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان؛ ومناقب الشافعي للبيهقي: ۱/ ۴۶۰، الناشر: مكتبة دار التراث، القاهرة)

[2] (شرح العقيدة الطحاوية، لابن أبي العز: ۲/ ۷۹۹، الناشر: مكتبة الرشد، للنشر، السعودية، المملكة العربية)

[3] (حياة الصحابة للكاندهلوي: ۳/ ۱۶۹، الناشر: مؤسسة الرسالة، للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

﴿۲﴾ امام عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أجمع فقهاء الحجاز والعراق ممن تكلم في الحديث والرأي منهم مالك والشافعي وأبو حنيفة والأوزاعي والجمهور الأعظم من المتكلمين والمسلمين أن عليًا مصيب في قتاله لأهل صفين كما أصاب في قتاله أهل الجمل، وان الذين قاتلوه بغاة." [1]

ترجمہ: حجاز اور عراق کے متکلم فی الحدیث والرائے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ اور متکلمین اور مسلمانوں کے بڑے جمہور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس طرح اہل جمل کے ساتھ قتال کرنے میں حضرت علی ؓ مصیب ہیں اسی طرح اہل صفین کے ساتھ قتال کرنے میں بھی حضرت علی ؓ مصیب ہیں۔ (ترجمہ ختم)

﴿۳﴾ امام ابومنصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابومنصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴۴ھ) فرماتے ہیں:

"اجمعوا (أهل السنة) أن عليًا مصيب في قتاله أهل الجمل طلحة والزبير وعائشة ببصرة." [2]

ترجمہ: اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت علی ؓ اہل جمل حضرت طلحہ ؓ حضرت زبیر ؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بصرہ میں لڑی جانے والی جنگ میں "مصیب" تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۴﴾ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار (أبي ابراهيم عز الدين الكحلاني: ۲۵۷/۲، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

[2] فيض القدير شرح جامع الصغير للمناوي: ۳۶۵/۶ الناشر مكتبة التجارية الكبرى، مصر)

" والمصيب في حرب الجمل والخوارج عليٌّ والمخالفون بغاة."[1]

ترجمہ: جمل اور خوارج کی لڑائی میں حضرت علی ؓ مصیب تھے اور (اُن کے) مخالفین باغی تھے۔

﴿۵﴾ علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

"الاجماع علىٰ أن المقاتلين لأمير المؤمنين عليه السلام في صفين والجمل بغاة عليه."[2]

ترجمہ: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی ؓ) سے جمل وصفین میں قتال کرنے والے اُن کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۶﴾ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) فرماتے ہیں:

" ومن حاربوه كانوا بغاة عليه."[3]

ترجمہ: اور جنہوں نے اُن (حضرت علی ؓ) سے لڑائی کی تو وہ اُن کے خلاف باغی تھے۔

﴿۷﴾ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

"اب حضرت مرتضیٰ ؓ سے لڑنے والا اگر از راہ بغض وعداوت لڑتا ہے تو یہ علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی کافر ہے۔ اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور اگر شبہ فاسد اور تاویل باطل کی بناء پر نہ نیت عداوت وبغض سے حضرت ؓ سے لڑنے والا مثلاً اصحاب جمل و

---

[1] (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي: ۴۵۳/۲، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

[2] (العواصم والقواصم في الذب عن سنة أبي القاسم لابن الوزير: ۹۵/۱، الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[3] (الأسانيد الجلية في قتال الفئة الباغية وما يتعلق بها من الأحاديث النبوية: ۱۶۸/۱، الناشر: المطبعة الحسينية، مصر)

اصحاب صفین تو یہ خطائے اجتہادی۔" ۱

﴿۸﴾ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

" وأهل السنة ..... يقولون ... ان مقاتليه في الوقعتين مخطئون باغون ." ۲

ترجمہ: اہل سنت ..... کہتے ہیں کہ ..... دونوں لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے مخطی اور باغی ہیں۔ (ترجمہ ختم)

﴿۹﴾ امام الحرمین امام ابوالمعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

" كان (عليٌّ) اماماً حقا ، ومقاتلوه كانوا بغاة ." ۳

ترجمہ: (حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلیفۂ برحق تھے اور ان کے ساتھ قتال کرنے والے باغی تھے۔ (ترجمہ ختم)

﴿۱۰﴾ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

" فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن عليًا رضي الله عنه كان اماماً وان كل من خرج عليه باغ ." ۴

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور ان کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی تھے۔

﴿۱۱﴾ امام قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

---

۱ (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۲۱۳ ، ناشر: ولی محمد اینڈ سنز، کراچی)

۲ (الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية للآلوسي ۱/ ۳۸ ، الناشر : مطبعة الحميدية ، بغداد)

۳ (كتاب الإرشاد للإمام الحرمين الجويني ، ص ۴۳۲ ، الناشر : لم أطلع عليه)

۴ (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۱۶/ ۳۱۸ ، الناشر : دار الكتب المصرية ، القاهرة)

"فظهر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان اماماً وأن كل من خرج عليه باغ ."[1]

ترجمہ: پس علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ (برحق) تھے اور ان کے خلاف (ناحق) خروج کرنے والے باغی تھے۔

﴿۱۲﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" وقد ثبت أن من قاتل عليًا كانوا بغاة ."[2]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی وہ باغی تھے۔

﴿۱۳﴾ علامہ محمد بن علی الولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد ثبت أن من قاتل عليًا بغاة ."[3]

ترجمہ: اور یہ بات ثابت ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کی وہ باغی ہے۔

ہاشمی صاحب کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ:

اس ساری تفصیل اور تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت مذکور و بالا تمام علمائے اہل سنت اہل جمل پر "بغاوت" کا اطلاق کرتے تھے، مگر ادھر دیکھئے کہ ہاشمی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ:

"جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔"[4]

---

[1] (أحكام القرآن لابن العربي: ٤/ ٥٧، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

[2] (فتح الباري لابن حجر العسقلاني: ١٣/ ٦٧، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

[3] (ذخيرة العقبى في شرح المجتبى للولوي: ٢٥٤/١٦، الناشر: دار آل بروم للنشر والتوزيع)

[4] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۶)

گویا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی ؓ سمیت مذکورہ بالا تمام علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں بڑے دھڑلے کے ساتھ اسلام سے ہی خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اس پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں، کیوں کہ انہوں نے حضرت علی ؓ جیسے خلیفہ راشد اور مقام صحابیت کے حامل ایک عظیم صحابی کی انتہائی سخت توہین اور تنقیص کی ہے۔

کیا بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے؟:

اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص امام برحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دے تو وہ باغی کہلاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے بیعت ہی نہ کرے تو کیا وہ بھی باغی کہلاتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ایسا شخص باغی نہیں کہلاتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ ؓ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر اُن کی طرف کس طرح ﴿اوّل من بغیٰ فی الاسلام﴾ کی نسبت کی جا سکتی ہے؟"[1]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ برحق کی بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم آدمی سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ حکم فقہ ظاہری کا تو ہو سکتا ہے، فقہ اسلامی کا ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ فقہ اسلامی کا حکم مطلق ہے، چاہے کوئی شخص امام برحق کی بیعت سرے سے کرے ہی نہیں یا کر کے توڑ ڈالے، دونوں صورتوں میں وہ باغی کہلاتا ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

"البغاة ... شرعاً (هم الخارجون عن الامام الحق بغير حق)"[2]

ترجمہ: شرعاً باغی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔

اور علامہ محمد بن فرامرز ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

"هم قوم مسلمون خرجوا عن طاعة الامام فيدعوهم الى العود فيكشف شبههم"[3]

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۱۹)

[2] (الدر المختار شرح تنوير الأبصار للحصكفي: ۱/ ۳۵۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان)

[3] (درر الحكام في شرح غرر الأحكام لملا خسرو: ۱/ ۳۰۵، الناشر: دار احياء الكتب العربية)

ترجمہ: باغی وہ مسلمان قوم ہوتی ہے جو امام کی اطاعت سے نکل جائے اور وہ انہیں واپس لوٹنے کی دعوت دے اور ان کے شکوک وشبہات دُور کرے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ شیخی زادہ داماد افندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

"وفي التنوير هو في عرف الفقهاء هم الخارجون على الامام الحق بغير حق."[1]

ترجمہ: اور تنویر میں ہے کہ فقہاء کے عرف میں باغی اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کریں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ مطلقاً امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والا شخص "باغی" کہلاتا ہے، چاہے اُس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کر کے بعد میں توڑ ڈالی ہو، یا سرے سے بیعت کی ہی نہ ہو دونوں صورتوں میں وہ "باغی" کہلائے گا۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں بلکہ ظالم اور سرکش تھے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک یہ استفتاء بھی کیا ہے کہ

"قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل وغارت کے مرتکب ہوئے تھے؟"[2]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے عقائد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ظالم، سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لئے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ نرے فسادی تھے، ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں، اس لئے کہ شکوک و شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ لوگ باطل پر ڈٹے رہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۲ھ) ہی فرماتے ہیں کہ:

"ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة، بل ظلمة وعتاة، لعدم الاعتداد

---

[1] مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زاده أفندي: ۱/ ۶۹۹، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[2] (بینات کراچی، شمارہ نمبر ۱۱۹)

بشبهتهم، ولأنهم بعد كشف الشبهة أصروا اصراراً واستكبروا استكباراً "[1]

ترجمہ: قاتلین عثمان ﷺ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کا اعتبار (اور وزن) کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر (اور ڈٹے) رہے اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ کمال الدین قدسی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۹ھ) بھی لکھتے ہیں کہ:

" ان قتلة عثمان رضي الله عنه لم يكونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا على الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح الحق لهم. "[2]

ترجمہ: قاتلین عثمان ﷺ باغی نہیں تھے، بلکہ ظالم اور سرکش تھے، ان کے شبہات کے اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر مصر اور (اس پر ڈٹے) رہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"فان الذي ذهب اليه كثيرون من العلماء ان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة وانما كانوا ظلمة وعتاة ، لعدم الاعتداد بشبهتهم ، ولأنهم أصروا على الباطل بعد كشف الشبهة وايضاح الحق لهم. "[3]

ترجمہ: بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ قاتلین عثمان ﷺ "باغی" نہیں تھے، بلکہ وہ صرف "ظالم" اور "سرکش" تھے، ان کے شبہات کا اعتبار کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ شبہات کے ختم ہو جانے اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر ڈٹے رہے۔

---

[1] شرح المقاصد للتفتازاني (۵/ ۳۰۵، ۳۰۹، الناشر: عالم الكتب، المطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[2] المسامرة شرح المسايرة (۲/ ۱۵۹، ۱۶۰، الناشر:)

[3] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة للهيتمي (۲/ ۶۲۳، الناشر: مؤسسة الرسالة، لبنان)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے "بدخواہوں" سے مراد کون لوگ ہیں؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "چوٹ" یا "تعریض" کا کوئی سا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ وہ "شرح تلخیص" میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے انہوں نے یہ شعر پڑھا:

(ترجمہ) (۱) اور بدخواہوں کے سامنے میرا اظہار بہادری اس مقصد کے لئے ہے کہ میں زمانے کے حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔ (۲) اور جب موت اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔ [1]

مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ان الرواية غير صحيح، ولو سلمت فليس فيها تصريح بارادته الحسن" [2]

ترجمہ: یہ روایت صحیح نہیں اور بر تقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مراد لیا تھا۔" [3]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں بھی اپنے دجل و فریب کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر یہ الزام تھوپ دیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مرض الوفات میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اشعار کے سے انداز میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا بدخواہ مراد لیا، حالاں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بدخواہ مراد لینے کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

---

[1] (المطول شرح تلخیص مفتاح العلوم للتفتازانی، ص ۶۰۷، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

[2] (الکلب علی علی لعنۃ اللہ علیہ المعاویۃ معاویۃ، ص ۳۱، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۲۶)

[3] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۲۶)

اور دوسرا دجل پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ کیا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو کانٹ چھانٹ کر مذکورہ بالا دونوں اشعار کی نسبت حضرت معاویہ ؓ کی طرف کر دی، حالاں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پہلا شعر حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے نقل کیا ہے اور دوسرا شعر اُس کے جواب میں حضرت حسن ؓ کی طرف سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"حكي أن الحسن بن علي (رضي الله عنهما) دخل على معاوية رضي الله عنه يعوده ، فلما رآه معاوية قام وتجلد وأنشد :

بتجلدي الشامتين أريهم
أني لريب الدهر لا أتضعضع

فاجابه الحسن على الفور وقال:

واذا المنية — الخ [1]

ترجمہ: حکایت کی گئی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ ؓ کی عیادت کرنے تشریف لائے، جب حضرت معاویہ ؓ نے انہیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا اور یہ شعر پڑھا:

ترجمہ: اور خوش ہونے والوں کے لئے میرا مضبوطی دکھانا اس لئے تھا کہ میں انہیں دکھاؤں کہ میں گردشِ زمانہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والا نہیں۔

تو حضرت حسن ؓ نے فی الفور جواب دیا:

"اور جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو تم دیکھو گے کہ کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا۔" (ترجمہ ختم)

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے تو حضرت علی ؓ کی شہادت کے ۶ ماہ بعد ۴۱ھ میں حضرت حسن ؓ سے صلح کر لی تھی [2] اور آپس کی دلی رنجشیں اور کدورتیں ایک دوسرے کو معاف کر دی تھیں پھر اس کے باوجود

---

[1] (المطول شرح تلخيص مفتاح العلوم للتفتازاني، ص: ۶۰۷، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (تاریخ اسلام: ۱/ ۴۹۷)

حضرت معاویہ ؓ کے کلام سے حضرت حسن ؓ کو "بدخواہ" مراد لینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ بالخصوص اُس وقت جب کہ حضرت معاویہ ؓ کے اس کلام میں آپ ؓ کے نام کی تصریح تک نہیں ہے۔ جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے اور اُنہوں نے بھی علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"برتقدیر تسلیم صحت روایت بذا اس میں حضرت حسن ؓ کو ہی خاص طور پر مراد لینے کی تصریح نہیں ہے۔"[1]

علاوہ ازیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی (۷۷۴ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں کسی شخص معین کے نام کی تصریح کیے بغیر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔[2]

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ ؓ کے مرض الوفات کا ہے، جو ۶۰ھ میں پیش آیا تھا۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حضرت معاویہ ؓ اسی دن وفات پا گئے تھے جب کہ ابن الاعثم کے قول کے مطابق آپ ؓ نے اس واقعہ کے پانچ دن بعد وفات پائی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فمات من يومه ذلك "[3]

ترجمہ: پس حضرت معاویہ ؓ اسی دن وفات پا گئے۔

"البداية والنهاية" کے محقق اس عبارت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"في ابن الأعثم: مات بعد خمسة أيام."[4]

ترجمہ: ابن الاعثم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ دن بعد آپ ؓ نے وفات پائی۔

بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ ؓ کے مرض الوفات (۶۰ھ) کا ہے جس کے (زیادہ سے زیادہ) چند دن بعد آپ ؓ نے وفات پائی۔ جب کہ حضرت حسن ؓ کی وفات اس واقعہ سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۱۶)

[2] (البداية والنهاية: ۱۵۱/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[3] (البداية والنهاية: ۱۵۱/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[4] (حاشية المحقق على البداية والنهاية (۱۵۱/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

" والمشهور انه مات سنة تسع وأربعين كما ذكرنا. وقال آخرون مات سنة خمسين وقيل احدى وخمسين أو ثمان وخمسين "[1]

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ ۵۱ھ میں ہوئی یا ۵۸ھ میں ہوئی۔ (ترجمہ ختم)

بہر حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سن وفات اگر ۵۸ھ بھی مان لیا جائے تب بھی ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں آپ رضی اللہ عنہ کا آکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لانا از بس دشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے جو کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین "مسئلہ تفضیل" پر علمی بحث:

اسلامی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات خلفائے راشدین میں سے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے کون افضل اور کون مفضول ہے؟ اس بارے میں پروفیسر طاہر باجی صاحب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب جمہور اہل سنت کے عقیدے کے برعکس شیعہ فرقہ "تفضیلیہ" کی موافقت میں موصوف کا ایک اور عقیدہ ملاحظہ فرمائیے:

"جمہور اہل سنت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی بالترتیب افضلیت کے قائل ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" واما نحن فقد وجدنا دلائل الجانبين متعارضة (اي في افضلية عثمان او علي)ولم نجد هذه المسئلة مما يتعلق به شيء من الأعمال أو يكون

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير، ۸/۴۹، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت (لبنان))

التوقف فيه محلا بشيٍ من الواجبات ، و السلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمان حيث جعلوا من علامات السنة و الجماعة تفضيل الشيخين و محبة الختنين . و الانصاف انه ان أريد بالأفضلية كثرة الثواب فللتوقف جهة و ان أريد كثرة ما يعده ذو والعقول من الفضائل فلا ۔"[1]

ترجمہ: رہے ہم تو ہم نے جانبین کے دلائل کو متعارض پایا اور ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا کہ اس سے کسی عمل کا تعلق ہو اور اس بارے میں توقف کسی واجب میں خلل انداز ہو۔ اور سلف صالحین حضرت عثمان ؓ کو افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے "تفضیل شیخین اور محبت ختنین" کو اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے قرار دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب مراد ہو تو (پھر تو) توقف کی (کوئی) وجہ (بنتی) ہے اور اگر وہ چیزیں مراد ہوں جن کو اہل دانش فضائل اور کمالات میں سے شمار کرتے ہیں تو (پھر توقف کی) کوئی وجہ نہیں (بنتی)۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی ؓ پر ترجیح دینے کا مسئلہ ظنی ہے۔ ہمارے اسلاف سے یہی ترتیب منقول ہے۔ اگر ہم اسلاف کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس بارے میں توقف ہی افضل تھا۔

۱- ایک تو اس وجہ سے کہ اس سلسلے میں شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض ہیں۔ لہٰذا کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

۲- اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ مسئلہ اعتقادی ہے ظنی نہیں اور اعتقادیات میں ظنیات کافی نہیں ہوا کرتے۔

۳- اور تیسرے اس وجہ سے کہ اس مسئلے میں توقف اور سکوت کسی واجب شرعی میں خلل نہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفية للتفتازاني : ص ۳۴۷ ، الناشر : مكتبة البشرى ، كراتشي ، الباكستان)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تینوں باتیں خلاف واقع، ضعیف اور کمزور ہیں۔
اسی طرح موصوف کا یہ کہنا (کہ ہمارے اسلاف نے توقف کو ترجیح دی ہے) بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان تنازع فیہ "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ نہیں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے توقف نہیں کیا بلکہ "تفضیل شیخین" کو اہل السنّت والجماعت کی علامات میں سے شمار کیا ہے۔

اس مؤقف کے آخر میں موصوف نے جو "انصاف" فرمایا ہے وہ شیعیت ہی کی ترجمانی ہے۔ بعض علماء نے ان کے اس "انصاف" کی بناء پر پورا پورا انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس "انصاف" سے شیعیت کی بو آتی ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے پھر تو توقف کی کوئی بنیاد ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کا تعلق عقل سے ممکن نہیں اور نقل وارد نہیں۔ اور اگر ان اشیاء کی زیادتی مراد ہے جن کو لوگ کمالات میں شمار کرتے ہیں تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کمالات اور کرامات زیادہ ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت اور ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي علىٰ عثمان و أن عليا كان مصيبا في حروبه و أن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي و لا كرامة "[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

[1] تہذیب التہذیب (۷/۲۹۶) بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ناقدین کی نظر میں ص ۱۱۸

صرف حضرت عثمان ؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی ؓ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا)۔ جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جاسکتی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصولی و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ پر فضیلت دیتا ہے، شیعہ قرار دیا ہے۔ [1]

[1] (سیدنا معاویہ ؓ، کے ناقدین: ۱۱۷، ۱۱۸)

حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی ؓ پر فضیلت دینے کا مسئلہ قطعی ہے یا ظنی؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں دو نکات اُٹھائے ہیں:

۱- پہلا نکتہ تو یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی ؓ پر فضیلت دینے کا مسئلہ "قطعی" ہے "ظنی" نہیں۔

۲- اور دوسرا نکتہ یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں "شیعہ" کہلاتا تھا۔

پہلا نکتہ:

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے کہ "حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی ؓ پر فضیلت دینے کا مسئلہ "قطعی" ہے "ظنی" نہیں ہے۔" تو اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ منفرد نہیں، بلکہ پہلی، دوسری اور تیسری صدی کے علماء کے یہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ نیز اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے شخص کو بدعتی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کی ترتیب کا مسئلہ "ظنی" ہے "قطعی" نہیں، اس لئے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے ساتھ حسن ظن رکھا ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل ضرور موجود ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے افضلیت کے اعتبار سے یہ ترتیب قائم کی ہے کہ خلافت کے معاملہ میں

حضرت عثمان ؓ کا مقام و مرتبہ حضرت علی ؓ سے مقدم ہے۔ اور اگر ہم حسن ظن کی بنیاد پر اُن کی تفضیل نہ کرتے تو پھر اس مسئلہ میں توقف اور سکوت افضل تھا۔ کیوں کہ اس کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے دلائل باہم متعارض ہیں اس لئے کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ نیز افضلیت کا مسئلہ اعتقادی ہے، عملی نہیں، عملیات میں تو ظنی دلیل کافی ہو جاتی ہے، لیکن اعتقادیات میں دلیل ظنی کافی نہیں ہوتی، بلکہ اُس میں یقین مطلوب ہوتا ہے، جس کے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز افضلیت کے اس مسئلہ میں توقف اور سکوت کرنے میں کسی واجب شرعی کا نقصان بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اسلاف سے اس مسئلہ میں توقف اور سکوت منقول ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اُس کے یہاں کس کو زیادہ تقرب حاصل ہے، پھر تو توقف اور سکوت کرنا بجا ہے، کیوں کہ کثرت ثواب کو عقل سے جانا نہیں جاتا اور نقل اس میں وارد نہیں۔ اور اگر افضلیت سے مراد فضائل و مناقب کا زیادہ ہونا ہے تو پھر توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس اعتبار سے حضرت علی ؓ کا مقام اعلیٰ ہے، کیوں کہ اُن کے مناقب بہت زیادہ ہیں، مثلاً کمالات علمیہ و عملیہ، فصاحت و بلاغت، شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی سیدۃ النساء اہل الجنۃ کا شوہر ہونا، حسنین کریمین کا والد ہونا وغیرہ۔

حضرت عثمان ؓ کی حضرت علی ؓ پر افضلیت ثابت ہونے کے چند شرعی دلائل:

اگرچہ کثرت ثواب کی بناء پر حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دینے کا عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی نقل اس بارے میں وارد ہے اور نہ ہی حضرت عثمان ؓ کے ظاہری مناقب اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم چند شرعی دلائل ایسے ضرور موجود ہیں کہ جن سے حضرت عثمان ؓ کی افضلیت حضرت علی ؓ پر ثابت ہوتی ہے:

پہلی دلیل:

۱۔ چنانچہ امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نافع کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله (صلى الله عليه وسلم)

فنخير أبا بكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان."[1]

---

[1] (صحيح البخاري / ٥ / ٤ / الناشر: دار طوق النجاة)، (جامع الترمذي / ٥ / ٦٢٩ / الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں (آپ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ) حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو پسند کرتے تھے پھر حضرت عمر ؓ کو پھر حضرت عثمان ؓ کو۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سالم کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ:

"كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌّ: افضل امة النبي صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر ثم عمر ثم عثمان رضي الله عنهم."[1]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:

"(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل) حضرت ابوبکر ؓ ہیں، پھر حضرت عمر ؓ ہیں، پھر حضرت عثمان ؓ ہیں۔" (ترجمہ ختم)

طبرانی کی روایت کے آخر میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ بات سنی تو اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

"كنا نقول ورسول الله صلي الله عليه وسلم حيٌّ: افضل امة النبي صلي الله عليه وسلم بعده أبوبكر، ثم عمر، ثم عثمان، ويسمع ذلك النبي صلي الله عليه وسلم ولاينكره."[2]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کے حیات کے زمانہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ:

"(آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل) حضرت ابوبکر ؓ ہیں، پھر حضرت عمر ؓ ہیں، پھر حضرت عثمان ؓ ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے یہ بات سنی اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ (ترجمہ ختم)

دوسری دلیل:

۲- حضرت علی ؓ خود فرماتے ہیں کہ: "حضرت ابوبکر ؓ کے بعد اس اُمت میں بہترین شخص حضرت عمر ؓ ہیں، پھر حضرت عثمان ؓ اور پھر میں ہوں۔ (رواه الحافظ أبوسعد السمان كما في فصل الخطاب)

---

[1] (سنن أبي داود: ٤/٢٠٦، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، لبنان)

[2] (المعجم الكبير للطبراني: ١٢/٢٨٥، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

اور یہی نہیں بلکہ امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان ؓ کے (حضرت علی ؓ پر) افضل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"عن علي قال: خير الناس في هذه الأمة بعد أبي بكر عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم أنا ." (رواه الحافظ أبو سعد السمان كما في فصل الخطاب) بل حكى أبو منصور البغدادي الاجماع على أن عثمان أفضل ."[1]

ترجمہ: حضرت علی ؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں حضرت ابوبکر ؓ کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت عمر ؓ ہیں پھر حضرت عثمان ؓ ہیں اور پھر میں ہوں۔ (رواه الحافظ أبو سعد السمان كما في فصل الخطاب) بلکہ امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عثمان ؓ کے افضل ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

تیسری دلیل:

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "مہاجرین اور انصار (صحابہ ؓ) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق ؓ ہیں اور پھر حضرت عثمان ذو النورین ؓ ہیں۔

چنانچہ علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ہی لکھتے ہیں:

"وعن عبد الله بن عمر قال: أجمع المهاجرون والأنصار على أن خير هذه الأمة أبو بكر وعثمان وعلي. رواه خيثمة بن سعد ."[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "مہاجرین اور انصار (صحابہ ؓ) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس اُمت کے سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر

---

[1] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ۳۰۲، الناشر: مكتبة حقانية، ملتان، الباكستان)

[2] (النبراس شرح شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ۳۰۳، الناشر: مكتبة حقانية، ملتان، الباكستان)

صدیق ﷺ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق ﷺ ہیں اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین ﷺ ہیں۔ اس کو خطیب ابن سعد نے روایت کیا۔ (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

"واتفق أهل السنة على أن أفضلهم أبو بكر ثم عمر، قال جمهورهم ثم عثمان ثم علي، وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ على عثمان والصحيح المشهور تقديم عثمان."[1]

ترجمہ: اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (حضور ﷺ کے بعد تمام اُمت میں) سب سے افضل حضرت ابوبکر ﷺ ہیں پھر حضرت عمر ﷺ ہیں، جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت عثمان ﷺ ہیں اور پھر حضرت علی ﷺ ہیں۔ اور بعض کوفہ کے رہنے والے اہل سنت کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی ﷺ ہیں اور پھر حضرت عثمان ﷺ ہیں، (لیکن اہل سنت کا) صحیح اور مشہور مذہب (حضرت علی ﷺ پر) حضرت عثمان ﷺ کی تقدیم کا ہے۔ (ترجمہ ختم)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض وتشیع سے پاک ہے!:

بہرحال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی انہی مذکورہ باتوں کی وجہ بعض حاشیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان سے شیعیت ورفضیت کی بو آتی ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت علی ﷺ کے فضائل ومناقب کا اعتراف کرنا رفض وشیعیت نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"قال بعض المحشين: في كلام الشارح هذا شائبة من الرفض وتعقبه محشي آخر وقال: الاعتراف بفضائل علي رضي الله عنه ومناقبه ليس رفضاً."[2]

---

[1] (شرح النووي على صحيح المسلم: ۱۵/۱۴۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (العرائس على شرح العقائد النسفية للفرهاروي: ص ۳۰۳، الناشر: المكتبة الحقانية، ملتان، الباكستان)

ترجمہ: بعض حاشیہ نگاروں نے شارح (علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں رفض کا شائبہ پایا جاتا ہے، لیکن بعض دوسرے حاشیہ نگاروں نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا اعتراف کرنا "رفض" نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

خلاصۂ کلام:

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کے مسئلہ میں جمہور علماء کے برعکس یہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی انفرادی تحقیقات ہیں جو ان کے رفض و تشیع سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ ان کی اپنی علمی و تحقیقی تحقیقات کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہیں، اس لئے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر رفض و تشیع کا الزام (کا) کسی طرح بھی درست اور قرین انصاف نہیں۔

دوسرا نکتہ:

دوسرا نکتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ اُٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا شخص متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں "شیعہ" کہلاتا ہے۔ چنانچہ وہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو متقدمین کے عرف اور ان کی اصطلاح میں شیعہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلاف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت و ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

"فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ على عثمان وأن عليا كان مصيبا في حروبه، وأن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما. وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة."[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف و اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق

---

[1] (تہذیب التہذیب: ۹۴/۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۱۸)

جانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کے بھی قائل تھے (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا) جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے۔ لہٰذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جاسکتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

اس سے واضح ہو گیا کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے "شیعہ" قرار دیا ہے۔"[1]

متقدمین کی اصطلاح میں "تشیع" کا مطلب:

اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت متقدمین، سلف صالحین اور علمائے علم حدیث نے اس شخص کو جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو "شیعہ" قرار دیا ہے، لیکن ہمارے ہاں اس شخص کا اس معروف و متداول شیعہ فرقہ کا فرد یا اس کا پیروکار ہونا لازم نہیں آتا جو کہ اہل سنت کے مقابلہ میں ہے، اس لئے کہ لفظ "شیعہ" مشایعہ بمعنی متابعت سے مشتق ہے جس کا معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہونا بنتا ہے۔ اور چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سچے اور اصل پیروکار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، آج کل کے موجودہ شیعہ حضرات خالی زبانی دعویٰ کی حد تک ان سے عقیدت و محبت کے دعوے دار ہیں، اس لئے کہ متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک روافض مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ "شیعہ" کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوا کرتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پیروکار ہو، گویا شیعہ مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے لفظ "شیعہ" اہل سنت والجماعت کا پرانا نام تھا، لیکن جب بعد میں شیعہ مذہب وجود میں آیا اور اس لفظ کا بہ کثرت اطلاق اس بدعتی، رافضی، اسماعیلی اور اہل بیت کے مخالف ٹولہ پر ہونے لگا تو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے اصل پیروکار لوگوں (اہل سنت) نے اس لفظ کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا اور انہوں نے اپنا نیا نام "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔

چنانچہ علامہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

---

[1] (اسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۱۸)

" فالشيعة والتشيع والمشايعة في اللغة تدور حول معني المتابعة و المناصرة والموافقة بالرأي والاجتماع علي الأمر أو المماثلة عليه . ثم غلب هذا الاسم – كما يقوله صاحب اللسان ، والقاموس ، وتاج العروس – علي كل من يتولي عليا وأهل بيته وهذه الغلبة محل نظر ، لأنه اذا تأمل الباحث في المعني اللغوي للشيعة والذي يدل علي المتابعة والمناصرة ، ثم نظر الي أكثر فرق الشيعة التي غلب اطلاق هذا الاسم عليها يجد أنه لايصح تسميتها بالشيعة من الناحية اللغوية لأنها غير متابعة لأهل البيت علي الحقيقة بل هي مخالفة لهم ومجافية لطريقهم . ولعل هذا ما لاحظه شريك بن عبد الله حينما سأله سائل :أيهما أفضل أبوبكر أو علي ؟ فقال له :" أبوبكر" فقال السائل : " تقول هذا و أنت شيعي ! " فقال له : " نعم ! من لم يقل هذا فليس شيعيا ، والله لقد رقي هذا الأعواد علي فقال : ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر فكيف نرد قوله و كيف نكذبه ؟ والله ماكان كذاباً . فالامام شريك لاحظ أن غير المتابع لعلي لايستحق اسم التشيع لأن معني التشيع وحقيقته المتابعة . ولهذا آثر بعض الأئمة أن يطلق عليهم اسم الرافضة . وقد لجأ المتابعون لأهل البيت علي الحقيقة والذين كانوا يلقبون بالشيعة ، لجأوا الي ترك هذا اللقب لما غلب اطلاقه علي أهل البدع المخالفين لأهل البيت كما يشير صاحب " التحفة الاثني عشرية " الي ذلك فيقول : ان الشيعة الأولي تركوا اسم الشيعة لما صار لقباً للروافض والاسماعيلية ولقبوا أنفسهم بأهل السنة والجماعة ."[1]

ترجمہ: پس "شیعہ، تشیع اور مشایعت لغت میں متابعت، مناصرت، موافقت بالرائے کسی خاص معاملہ پر اجتماع کرنے یا اُس کی موافقت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

---

[1] أصول مذهب الشيعة الإمامية الاثني عشرية، عرض ونقد للقفاري، ١/ ٣١، ٣٢)

پھر اس لفظ کا غالب استعمال (صاحب لسان البیان، قاموس اور تاج العروس کی تصریحات کے مطابق) ہر اس شخص پر ہونے لگا جو حضرت علی ؓ اور حضرات اہل بیت ؓ سے محبت کرے۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال محل نظر ہے، اس لئے کہ جب بحث کرنے والا شخص لفظ "شیعہ" کے لغوی معنی میں اور اس معنی میں جو کہ "متابعت" اور "مناصرت" پر دلالت کرتا ہے بحث کرے گا اور شیعوں کے اکثر فرقوں پر نظر کرے گا کہ جن پر اس نام کا اطلاق غالب آچکا ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ لغوی اعتبار سے ان فرقوں کو "شیعہ" کا نام دینا بالکل صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حضرات اہل بیت کے حقیقی پیروکار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان کے مخالف ہیں اور ان کے راستہ سے ہٹ جانے والے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ شریک بن عبداللہ نے بھی اس بات کا اس وقت لحاظ رکھا ہو جب ایک شخص نے آکر ان سے یہ سوال کیا کہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت علی ؓ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر ؓ! سائل نے کہا: آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضی ؓ کا موقف اور ان کا نظریہ بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا: "خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہترین شخص حضرت ابوبکر ؓ ہیں پھر حضرت عمر ؓ ہیں۔ پس ہم کیسے حضرت علی المرتضی ؓ کی بات کو رد کر دیں یا اسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! حضرت علی المرتضی ؓ جھوٹے نہیں تھے۔" امام شریک بن عبداللہ نے اس بات کا لحاظ کیا کہ جو شخص حضرت علی ؓ کا پیروکار نہ ہو وہ اپنے لئے شیعہ نام رکھے جانے کا مستحق ہی نہیں ہے، اس لئے لفظ شیعہ کا حقیقی معنی کسی کا پیروکار ہونا ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کا رافضی نام رکھنا پسند کیا ہے۔ جب لفظ شیعہ کا غالب اطلاق بدعتیوں اور حضرات اہل بیت کے مخالف لوگوں پر ہونے لگا تو ان کے حقیقی پیروکاروں اور ان لوگوں نے کہ جن کا لقب شیعہ تھا اس لفظ (شیعہ) کا استعمال کرنا اپنے لئے ترک کر دیا، جیسا کہ صاحب "تحفہ اثنا عشریہ" نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "لفظ شیعہ جب رافضیوں اور اسماعیلیوں کا لقب بن گیا تو پہلے شیعہ لوگوں نے (اپنے لئے) اس لقب کو ترک کر دیا اور

(آئندہ کے لئے مستقل طور پر) اپنا لقب "اہل سنت والجماعت" رکھ لیا۔" (ترجمہ ختم)

اور صاحب "تثبیت دلائل النبوۃ" لکھتے ہیں:

"..... وأن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كان يقدمه ويقدم عمر علىٰ نفسه، ويفضلهما علىٰ سائر الناس وهما من الأموات، حتى يقول ابو القاسم البلخي: "ومن يفضل أمير المؤمنين لايمكننا أن ندفع قوله. ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها ابوبكر وعمر. ولايدفع هذا من له بالعلم بصيرة، أو له فيه نصيب، ولكنه عندنا ما أراد نفسه، وقد كانت الشيعة الأولىٰ تفضل أبابكر وعمر عليه قال: وقال قائل لشريك بن عبد الله أيهما أفضل أبوبكر أم علي؟ فقال: أبوبكر. فقال له السائل: أتقول هذا وأنت من الشيعة؟ فقال: نعم! انما الشيعي من قال مثل هذا والله لقد رقي أمير المؤمنين هذه الأعواد فقال: ألا ان خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر وعمر. أفلا نرد قوله؟ أفكنا نكذبه؟ والله ماكان كذاباً."[1]

ترجمہ..... اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر مقدم رکھتے تھے، اور اپنے منبروں پر ان کے فضائل بیان کرتے تھے، حالاں کہ یہ دونوں حضرات وفات پا چکے تھے۔ حتیٰ کہ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "جو امیر المؤمنین کو فضیلت دے ہمارے لئے اس کی بات کو رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ خبردار! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں بہترین شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور جس شخص کو علم میں بصیرت حاصل ہو یا علم میں اُس کا کچھ حصہ ہو وہ اس بات کو محکر نہیں سکتا، لیکن ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات مراد نہیں لی۔ اور پہلے زمانہ کے شیعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ابوالقاسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پوچھنے والے نے شریک بن عبداللہ سے پوچھا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

---

[1] (تثبیت دلائل النبوۃ: ۱/۶۲-۶۳)

حضرت علی ؓ میں سے کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر ؓ۔'' سائل نے کہا کہ: ''آپ شیعہ ہو کر یہ بات کیسے فرما رہے ہیں؟'' آپؒ نے فرمایا: ''ہاں! جو شخص یہ بات نہ کہے وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔'' اللہ کی قسم! امیر المومنین (حضرت علی) کا موقف بھی یہی تھا۔ پھر فرمایا کہ: ''خبردار! نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ بہترین شخص حضرت ابوبکر ؓ ہیں پھر حضرت عمر ؓ ہیں۔ پس ہم کیسے امیر المؤمنین (حضرت علی ؓ) کی بات کو رد کر دیں یا اسے جھٹلا دیں؟ اللہ کی قسم! وہ جھوٹے نہیں تھے۔'' (ترجمہ ختم)

اسی طرح امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

''یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ شیعان اولیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے، مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اپنے لئے شیعہ لقب اختیار کیا، اور ان کے اعمال و عقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے، تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرہ کے پیش نظر فرقۂ سنیہ و تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کر کے ترک کر دیا، اور اس کی جگہ ''اہل سنت والجماعت'' کا لقب اختیار کیا اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اسالفین اہل سنت کے لئے جو یہ الفاظ'' فلان من الشیعۃ او من شیعۃ '' مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں، کیوں کہ پہلے ایسے حضرات شیعان اولیٰ کا یہ لقب تھا۔ واقدی کی تاریخ اور الاستیعاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں، لہٰذا اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ یہ حضرات مذکورین ہرگز ایسے شیعہ نہ تھے، جنکہ حضرت علی ؓ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعان علی ؓ (حضرت علی ؓ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔ [1]

اسی طرح شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۷ھ) لکھتے ہیں:

'' الشیعۃ : وھم فرقۃ علیّ بن ابی طالب (علیہ السلام) المسمون بشیعۃ علیّ (علیہ السلام) فی زمان النبیّ وبعدہ معروفون بانقطاعھم الیہ

---

[1] (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۴۰، ناشر: عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی، پاکستان)

والقول بامامته ."[1]

ترجمہ: "شیعہ" حضرت علی ؓ کے فرقہ کا نام ہے، جنہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں "شیعان علی ؓ" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد حضرت علی ؓ سے منسلک ہو جانے اور ان کی امامت کے قائل ہو جانے سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح صاحب "الفرق الاسلامیة" لکھتے ہیں:

"وفي نظري أن تعريف الشيعة مرتبط اساساً باطوار نشأتهم ومراحل التطور العقدي لهم فالتشيع في العصر الأول غير التشيع فيما بعده فعلي هذا يكون التعريف للشيعة في الصدر الأول: "أنهم يقدمون عليّاً علي عثمان فقط ."[2]

ترجمہ: میرے خیال میں لفظ "شیعہ" کی تعریف بنیادی طور پر ان کے ابتدائی حالات اور ان کے مرحلہ وار اور لئے بدلتے عقائد و نظریات کے ساتھ مربوط ہے۔ پس پہلے زمانہ کے شیعہ اور تھے اور بعد کے زمانہ کے شیعہ اور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بنیاد پر لفظ "شیعہ" کی تعریف پہلے زمانہ میں یہ ہوگی کہ: "وہ لوگ جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم رکھتے تھے اور بس"۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت کے تحت نیچے حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے کہ:

"وهم وان سموا بالشيعة فهم من أهل السنة لأن مسئلة عثمان و علي ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها لكن المسئلة التي يضلل فيها هي مسئلة الخلافة وقد كان بعض أهل السنة اختلفوا في عثمان وعليّ بعد اتفاقهم علي تقديم أبي بكر وعمر أيهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا

---

[1] (الشيعة وأهل السنة لاحسان الٰہی ظہیر: ۱۷/۱، الناشر: ادارة ترجمان السنة، لاهور، الباكستان)

[2] (الفرق الاسلامية: ۴۷/۱)

و ربّعوا بعليٍّ وقدم قوم علياً وقوم توقفوا لكن استقر أمر أهل السنة على تقديم عثمان."[1]

ترجمہ: پہلے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو شیعہ کہا جاتا تھا، لیکن درحقیقت یہی اہل سنت والجماعت تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کی افضلیت کا مسئلہ دین کے ان اصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے شخص کی تضلیل کی جائے اور اسے گمراہ قرار دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ) کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین (حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ) کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان ؓ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے اور حضرت علی ؓ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی ؓ کو مقدم رکھا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان ؓ کے حضرت علی ؓ پر مقدم ہونے پر مستقر ہو گیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"ومن أصول أهل السنة والجماعة — يقرون بما تواتر به النقل عن أمير المؤمنين عليّ بن أبي طالب وعن غيره من أن خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر ويثلثون بعثمان ويربعون بعليٍّ كما دلت عليه الآثار وكما اجمع الصحابة على تقديم عثمان في البيعة مع أن بعض أهل السنة كانوا قد اختلفوا في عثمان وعليٍّ بعد اتفاقهم على تقديم ابي بكر وعمر أيهما أفضل فقدم قوم عثمان وسكتوا او ربعوا بعليٍّ وقدم قوم علياً وقوم توقفوا، لكن استقر امر أهل السنة على تقديم عثمان وان كانت هذه المسألة مسألة عثمان وعليٍّ ليست من الأصول التي يضلل المخالف فيها

---

[1] (حقیقۃ الفرقۃ الاسلامیۃ: ۲/۲۷)

عند جمهور أهل السنة لكن المسألة التي يضلل المخالف فيها هي مسألة الخلافة وذلك أنهم يؤمنون بأن الخليفة بعد رسول الله أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليّ ومن طعن في خلافة أحد من هؤلاء الأئمة فهو أضل من حمار أهله."[1]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کے اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ ان تمام روایات کا اقرار کریں جو امیر المؤمنین حضرت علی ؓ اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ اس اُمت میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے بہترین آدمی حضرت ابوبکر ؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر ؓ ہیں اور حضرت عثمان ؓ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی ؓ چوتھے خلیفہ ہیں، جیسا کہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز جیسا کہ صحابہ کرام ؓ نے بیعت کرنے میں حضرت عثمان ؓ کو مقدم رکھنے پر اجماع کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے حضرات شیخین ؓ کو مقدم رکھتے ہوئے حضرات ختنین ؓ کی باہمی افضلیت میں اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت عثمان ؓ کو مقدم رکھتے ہوئے سکوت سے کام لیا ہے، یا حضرت علی ؓ کو چوتھا خلیفہ مانا ہے، اور بعض علماء نے حضرت علی ؓ کو مقدم رکھا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اہل سنت والجماعت کا مسلک حضرت عثمان ؓ کے حضرت علی ؓ پر مقدم ہونے پر مستقر ہوگیا ہے۔ جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کی باہمی افضلیت کا مسئلہ اگرچہ دین کے ان اُصول میں سے نہیں ہے کہ جن میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے، تاہم مسئلہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف کرنے والے کو گم راہ کہا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اہل سنت کا اس بات پر ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر ؓ ہیں پھر حضرت عمر ؓ ہیں پھر حضرت عثمان ؓ ہیں اور پھر حضرت علی

---

[1] مجموع الفتاوى لابن تيمية (۳/ ۱۵۳)، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبو

ہیں۔اور جو شخص ان چاروں خلفاء میں سے کسی ایک کی خلافت کے بارے میں بھی طعن و تشنیع کرے گا تو وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ گم راہ ہے۔(ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" واذا تقرر ذلک فالمقطوع به بين اهل السنة بافضلية ابي بكر ثم عمر ثم اختلفوا فيمن بعدهما فالجمهور علي تقديم عثمان وعن مالک التوقف والمسألة اجتهادية ومستندها أن هؤلاء الأربعة اختارهم الله تعالي لخلافة نبيه واقامة دينه فمنزلتهم عنده بحسب ترتيبهم في الخلافة والله أعلم "[1]

ترجمہ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بات (جان لینی چاہیے کہ) اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی افضلیت ایک قطعی چیز ہے، البتہ ان کے بعد والے خلفاء (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی باہمی افضلیت) میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں توقف منقول ہے۔ اور یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور اس کا مستند ہونا اس طرح سے ہے کہ ان چاروں خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور اپنے دین کو قائم رکھنے کے لئے پسند کر کے چنا ہے۔ پس ان چاروں کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت میں ان کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔(ترجمہ ختم)

اکابرین کی مذکورہ بالا تمام عبارات سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

۱۔ ایک یہ کہ شروع اسلام کے زمانہ میں "اہل سنت والجماعت" کا پرانا نام "شیعہ" بمعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پیروکار" تھا، لیکن: اب اس نام کا غالب اطلاق اہل ہوا، اہل بدعت اور حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر ہونے لگا، جنہیں اس موجودہ دور میں "روافض" کہا جاتا ہے تو

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۷/۳۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

تب اہل سنت والجماعت نے اپنا پرانا نام "شیعان علی ؓ" سے بدل کر "اہل سنت والجماعت" نیا نام اپنے لئے منتخب کر لیا۔ لہٰذا اگر متقدمین علمائے اہل سنت میں سے کسی عالم کے بارے میں کہیں لفظ "شیعہ" لکھا ہوا نظر آئے تو اس سے اس عالم کا "اہل سنت والجماعت" میں سے ہونا ہی مراد لیا جائے گا۔

۲- اور دوسری یہ چیز معلوم ہوئی کہ جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں جو بعض علما حضرت عثمان ؓ پر حضرت علی ؓ کے مقدم ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی اہل سنت والجماعت ہی میں سے ہیں "شیعہ" نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔ بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالکل صاف اور واضح الفاظ میں ان کو بھی اہل سنت میں سے شمار فرمایا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وقال بعض أهل السنة من أهل الكوفة بتقديم عليٍّ علي عثمان."[1]

ترجمہ: اور کوفہ والے بعض اہل سنت حضرت عثمان ؓ پر حضرت علی ؓ کی تقدیم کے قائل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے استدلال کر کے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو "شیعہ" بلکہ "رافضی" ثابت کرنے کی جو اپنی سی ناکام کوشش کی ہے وہ بالکل باطل مردود اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

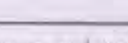

---

[1] (شرح النووي على صحيح المسلم: ۱۵/ ۱۴۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

﴿۷﴾

جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۸۱۶ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: زین الدین، والد کا نام: محمد اور دادا کا نام: علی ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"زین الدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی۔"

آپ "میر سید شریف جرجانی" کے نام سے مشہور ہیں۔

سن پیدائش:

بقول علامہ غیاث الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ صاحب "حبیب السیر فی أخبار افراد البشر" آپ قریۂ "طاغو" ملحقات استرآباد میں مؤرخہ ۲۲/۲۲ شعبان المعظم ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اور صغرسنی ہی میں علوم ادبیہ کی تکمیل کی، بلکہ صغرسنی ہی میں نحو کی متعدد کتابیں بھی لکھیں۔ چنانچہ "وافیہ شرح کافیہ" دور تعلیم ہی کی تصنیف ہے۔ مؤرخ شمس الدین نے جائے پیدائش "جرجان" بتائی ہے۔

تحصیل علم:

علوم ادبیہ کی تکمیل کے بعد آپ نے علوم عقلیہ کی تحصیل کی۔ پھر "شرح مطالع" و "قطبی" پڑھنے کے واسطے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ یہ خود ان کے مصنف سے پڑھیں "لأن صاحب البیت أدری بما فیه" چنانچہ آپ ان

کتابوں کے مؤلف امام قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (تحتانی) کی خدمت میں "ہرات" پہنچے مگر اس وقت قطب موصوف کی عمر دسویں منزل کی انتہاء پر پہنچ چکی تھی اور آپ پیر فرتوت ہو چکے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی آنکھوں پر لٹک آئے تھے اور اپنی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ لیکن سال علامہ نے جواں ہمت سید کی ذہانت و قابلیت کی صحیح طور پر جانچ کی تو جوہر دانش ناصیۂ شباب پر نمودار پایا اور دیکھا کہ علم منطق میں آپ کی فکر، نظر برق کی طرح چمک رہی ہے اس لئے آپ نے اپنے بڑھاپے کا عذر کیا اور کہا کہ تم کو پڑھانے کے لئے جس محنت کی ضرورت ہے وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی، اس لئے تم میرے آزاد کردہ غلام اور تلمیذ مبارک شاہ منطقی کے پاس "قاہرہ" چلے جاؤ۔ چنانچہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

"یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔ بچپن سے انہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا تا ایں کہ مبارک شاہ مدرس ہو گئے اور ہر علم میں فاضل۔ عام طور سے لوگ ان کو "مبارک شاہ منطقی" سے موسوم کرتے تھے۔"

ساتھ ہی مبارک شاہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا۔

میر سید شریف کا شوق ان کو "خراسان" سے "مصر" لے پہنچا۔ "قاہرہ" پہنچ کر مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو استاد کا خط دیا۔ سفارش کے اثر سے حلقۂ درس میں تو داخل کر لئے گئے، لیکن اللہ جانے کیا صورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے ان کو صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی، پوچھنے کی اور قرأت کی اجازت نہیں دی۔

علمی تکرار سے اُستاد پر وجد:

مبارک شاہ کا مکان مدرسہ سے بالکل متصل اور اس کا دروازہ بھی مدرسہ ہی کی جانب تھا۔ ایک مرتبہ یہ دیکھنے کے لئے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں؟ شب کو چپ چاپ نکلے اور جس حجرہ میں سید شریف مقیم تھے وہاں آئے۔ اس وقت میر سید شریف آموختہ دہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ:

"کتاب کے مصنف نے تو اس مسئلہ کی یہ تقریر کی ہے اور شارح کا یہ قول ہے اور اُستاد نے اس کی تقریریوں کی ہے اور میں اس کی تقریریوں کرتا ہوں۔"

مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے۔ میر صاحب کی تقریر کا انداز بیان استدلال ترتیب لفظ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ:

"لحقه البهجة والسرور بحيث رقص في فناء المدرسة ."[1]

ترجمہ: یعنی ان کو ایسی مسرت اور خوشی ہوئی کہ صحن مدرسہ میں ناچنے لگے۔

اس واقعہ سے استاد اتنا متاثر ہوا کہ صبح سے ان کا درس مقرر کر دیا۔

اساتذہ و شیوخ:

''شرح مطالع'' اور ''قطبی'' کے علاوہ ''مواقف'' بھی میر صاحبؒ نے مبارک شاہؒ سے پڑھی اور علوم عقلیہ کے علاوہ علوم نقلیہ بمعیت شمس الدین محمد فارسیؒ شیخ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی صاحب عنایہ (حاشیۂ ہدایہ) سے قاہرہ میں حاصل کیے۔ ''مفتاح العلوم'' اور طاوسیؒ (شارح مفتاح) سے اور ''شرح مفتاح'' مؤلف کے صاحب زادے مخلص الدین ابوالخیر علی بن قطب الدین رازیؒ سے پڑھی۔ محمود بن اسرائیل (ابن قاضی سماوہ) اور الحاج پاشا صاحب رسہیل آپؒ کے ہم سبق تھے۔

جرجانیؒ و تفتازانیؒ:

موصوف علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور ان ہی کی وجہ سے تیموری دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ لیکن بعد میں ''معاصرانہ چشمک'' کی وجہ سے اپنی تحریرات میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر خوب اعتراضات کرنے کے علاوہ قطبی کے حاشیہ میں سخت الفاظ میں چوٹیں بھی کیں، بلکہ تیمور کے دربار میں اپنی اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لئے دونوں فضلاء کے درمیان نوک جھونک، بحث و مباحثہ اور مکالمہ و مناظرہ رہتا تھا۔ اس نوعیت کے ایک مناظرہ میں ''حکم'' نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں شاہ نے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ بڑھا دیا۔ بعد میں اسی شکست کے صدمہ کی وجہ سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر ۷۹۲ھ میں انتقال کر گئے۔

تصانیف:

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گراں قدر علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی اجمالی تفصیل درج ذیل ہے:

---

[1] (مفتاح السعادة لطاش كبرى زاده نحو الف ظفر المحصلين بأوال المصنفين: ۳۲۷ الناشر: میر محمد کتب خانة)

﴿۱﴾ شرح مفتاح العلوم (فرغ منه أواسط شوال سنة ۸۰۳ هجرية) ﴿۲﴾ شرح منتهي السؤال والأمل في علمي الأصول والجدل (لابن حاجب) ﴿۳﴾ شرح مواقف (فرغ منه في أوائل شوال سنة ۸۰۷ هجرية) ﴿۴﴾ شرح فوائد غياثية ﴿۵﴾ شرح كافية (فارسي) ﴿۶﴾ حاشية لوامع الأسرار شرح مطالع الأنوار ﴿۷﴾ حاشية الشرح الشمسية ﴿۸﴾ حاشية المرشح في شرح الكافية ﴿۹﴾ حاشية شرح الوقاية ﴿۱۰﴾ حاشية تحرير نصير طوسي ﴿۱۱﴾ حاشية التحفة الشاهية ﴿۱۲﴾ حاشية التذكرة النصيرية ﴿۱۳﴾ حاشية التلويح ﴿۱۴﴾ حاشية شرح حكمة العين ﴿۱۵﴾ حاشية الخلاصة (في أصول الحديث) ﴿۱۶﴾ تعليق علي نصاب البيان (في اللغة) ﴿۱۷﴾ تعليق علي مقامات الأربعة التوضيح ﴿۱۸﴾ تعليق علي شرح الرضي ﴿۱۹﴾ تعليق علي الرسالة العضدية ﴿۲۰﴾ تعليق علي عوارف المعارف ﴿۲۱﴾ حاشية المطول ﴿۲۲﴾ الأجوبة لأسئلة الأسكندر (من ملوك تبريز) ﴿۲۳﴾ تعريفات العلوم ﴿۲۴﴾ تفسير الزهراوين ﴿۲۵﴾ رسالة في الانس والآفاق ﴿۲۶﴾ رسالة البهائية ﴿۲۷﴾ رسالة في تقسيم العلوم ﴿۲۸﴾ رسالة مرتية ﴿۲۹﴾ رسالة في الموجودات ﴿۳۰﴾ رسالة صغري ﴿۳۱﴾ رسالة كبري (في المنطق) ﴿۳۲﴾ صرف مير ﴿۳۳﴾ نحو مير ﴿۳۴﴾ رسالة في الأدوار ﴿۳۵﴾ شرح ايساغوجي ﴿۳۶﴾ حاشية شرح تجريد الأصفهاني ﴿۳۷﴾ شرح الجغميني ﴿۳۸﴾ الشريفية شرح السراجية (في الميراث) ﴿۳۹﴾ حاشية البيضاوي ﴿۴۰﴾ حاشية المشكاة ﴿۴۱﴾ حاشية الهداية (في الفقه الحنفي) ﴿۴۲﴾ حاشية العوامل الجرجانية ﴿۴۳﴾ حاشية شرح الطوالع.

ان میں سے "صغري، كبري، صرف مير، نحو مير" اور "مير قطبي" داخل درس ہیں۔

وفات حسرت آیات:

جب شاہ تیمور لنگ نے ۷۸۹ھ میں "شیراز" کو فتح کیا تو وہ سید شریف کو اپنے ہم راہ "سمرقند" لے گیا، جہاں علامہ تفتازانی صدر الصدور تھے، تیمور ان کی بہت عظمت کرتا تھا، اس لئے میر سید تیمور کی وفات تک "سمرقند" میں رہتے رہے اور تیمور کی وفات کے بعد "شیراز" واپس آگئے اور یہیں یوم چہار شنبہ (بدھ کے دن) مؤرخہ ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ میں بہ عمر چھہتر (۷۶) سال نفس مجرد شریف نے تحمل بار بدن خاکی کثیف سے خلاصی پائی۔

میر سید شریفؒ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین کے حسد اور معاندین کے عناد کے دو دھاری وار سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی آپؒ کے بارے میں بعض شاذ حلقوں میں یہ بات بہ کثرت گردش کرتی رہتی ہے کہ: ''آپؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مشہور اختلاف کے ''اجتہادی'' نہیں بلکہ ''غیر اجتہادی'' ہونے کے قائل تھے۔''

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا، جب کہ میر سید شریف جرجانی شارح مواقف نے کہا ہے کہ: ''ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔''[1]

ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریفؒ کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت:

ایک تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور بلا حوالہ بات نقل کر دی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جہاں تک ہم نے شارح مواقف میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی محولہ بالا کتاب ''شرح مواقف'' کا مطالعہ کیا ہے تو ہمیں تو اس میں آپؒ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ملی کہ جس میں آپؒ نے یہ فرمایا ہو کہ ''ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔'' البتہ اسی سے ملتا جلتا ایک مشہور اعتراض شرح مواقف کے حوالے سے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ: ''شیعہ حضرات کی طرح ہمارے بہت سے علمائے اہل سنت نے بھی ''تفسیق'' کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔

چنانچہ وہ شرح مواقف میں لکھتے ہیں:

'' ومنهم من ذهب الي التفسيق كالشيعة و كثير من أصحابنا ''[2]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۲۲)

[2] (شرح المواقف للجرجاني: ۸/ ۳۷۰، المرصد الرابع - المقصد السابع - تعظيم الصحابة كلهم، الناشر: المكتبة العلمية، بيروت، لبنان)

ترجمہ: اور ان میں سے بعض علماء وہ ہیں جو (اس تخطیہ کی) تفسیق کی طرف گئے ہیں جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب۔

لیکن اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں پر میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیق" کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ "خطائے اجتہادی" کی طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت کی ہے۔

چنانچہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح مواقف کی مکمل عبارت بمع سیاق کے ملاحظہ فرمایئے!

"﴿ والذي عليه الجمهور ﴾ من الأمة هو ﴿ أن المخطئ قتلة عثمان ومحاربو علي لأنهما امامان فيحرم القتل والمخالفة قطعا ﴾ الا أن بعضهم كالقاضي أبي بكر ذهب الى أن هذه التخطئة لا تبلغ الى حد التفسيق ومنهم من ذهب الى التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا "[1]

ترجمہ: اُمت کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے دونوں خطاکار ہیں، کیوں کہ وہ دونوں امام ہیں پس اُن کو قتل کرنا اور اُن کی مخالفت (لڑائی) کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔ مگر بعض علماء قاضی ابوبکر وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تخطیہ حد تفسیق تک نہیں پہنچتا۔ اور بعض علماء جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ (یہ تخطیہ حد) تفسیق تک پہنچ جاتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

ملاحظہ فرمایئے کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر "تفسیق" کی نسبت "خطاء" کی طرف کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی، اور یہ بات اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی فعل کا فسق ہونا اس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"اور میرے نزدیک یہی مراد ان ﴿ کثیر من أصحابنا ﴾ کی بھی ہے جن کا قول

---

[1] شرح المواقف للجرجاني: ۸/۳۷۰، المرصد الرابع - المقصد السابع: تعظيم الصحابة كلهم، الناشر: الشريف الرضي، بيروت، لبنان

میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے، کیوں کہ انہوں نے "تفسیق" کی نسبت "خطاء" کی طرف کی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں، اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ کسی فعل کا فسق ہونا اس کے فاعل کے فاسق ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اجتہادی اختلاف میں ایک شخص کا عمل دوسرے کے نظریے کے مطابق فسق ہوتا ہے، لیکن اسے فاسق نہیں کہا جاتا، جیسے ذبیحہ کی مثال میں پیچھے عرض کیا جا چکا ہے (کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے مار دینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافعی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رو سے گناہ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہ کبیرہ اور فسق ہے لیکن..... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رو سے اسے جائز سمجھتا ہے تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات مراد نہیں ہے تو میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تو "کثیر من اصحابنا" کہہ رہے ہیں، کوئی شخص اہل سنت کے کسی ایک عالم کا قول کہیں دکھلادے، جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ صفین و جمل کی بناء پر فاسق قرار دیا ہو۔" [1]

پس معلوم ہوا کہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول اپنی جگہ صحیح اور بجا ہے اور اس کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کی کوئی زد نہیں پڑتی۔

غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کسی کتاب سے اٹھا کر یہاں غلط نقل کر دی، جبھی تو اس کا بقید جلد، صفحہ کوئی حوالہ بھی نہیں دیا، لہٰذا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

"نقل را عقل باید"

یا پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اصل کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم جس کتاب سے یہ

---

[1] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ۲۶۳، ناشر مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

عبارت نقل کی ہے اُسی کا حوالہ دے دیتے یا اور کچھ نہیں تو کم سے کم عبارت تو صحیح نقل کر دیتے:

"عقل نکیں تے موجاں ای موجاں"

﴿۸﴾

حضرت ملا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۸۹۸ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالرحمٰن، لقب اصلی: عمادالدین، لقب مشہور: نورالدین، کنیت: ابوالبرکات تخلص: جامی، والد کا نام: احمد اور دادا کا نام: محمد ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"ابوالبرکات نورالدین عبدالرحمٰن بن شمس الدین احمد بن محمد ہے۔"

شیخ صفی علاء الدین واعظ کاشفی نے "رشحات عین الحیات" میں ذکر کیا ہے کہ آپ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہیں، اور آپ کا تخلص جامی ہے۔ کما یشیر الیہ بقولہ:

مولد جام ورقمۂ قلم
جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار
بدو معنی تخلص جامی است

ولادت باسعادت:

ملا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ کو بوقت عشاء "خراسان" کے مشہور قصبہ "جام" میں پیدا ہوئے، جہاں سے آپ بعد میں "ہرات" کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

تحصیل علم:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے مشاہیر علماء وفضلاء سے علم کی تحصیل کی، جن کے اسماء آپؒ کے تلمیذ خاص ملا عبدالغفور اللاریؒ نے "حاشیہ نفحات الانس" کے آخر میں درج کئے ہیں۔

آپؒ نے پہلے صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، پھر خواجہ علی سمرقندیؒ تلمیذ میر سید شریف جرجانیؒ، مولانا شہاب الدین محمد چاچرمی تلمیذ علامہ تفتازانیؒ اور مولانا جنید اصولیؒ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے۔

طلبہ مولانا جنیدؒ سے شرح مفتاح پڑھتے اور یہ اُن کو سمجھایا کرتے اور کہتے کہ جب سے "سمرقند" آباد ہوا ہے اُس وقت سے لے کر اب تک یہاں عبدالرحمٰن جامیؒ جیسا جید الطبع نہیں آیا۔

"ہرات" میں ملا علاء الدین قوشجیؒ شارح تجرید سے مباحثہ ہوا اور آپ ہی غالب رہے، یہاں تک علامہ قوشجیؒ کو اپنے طلبہ سے یہ کہنا پڑا کہ "مجھے یقین ہو گیا کہ "نفس قدسی" ہی عالم میں موجود ہے۔"

تصوف وسلوک:

ملا جامیؒ جب ظاہری علوم کی تکمیل سے فارغ ہو گئے تو ایک روز کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا جو آپؒ سے کہہ رہے ہیں: "انتظر جہا یبدیک" خواب سے بیدار ہوئے اور اس واقعہ سے نہایت متاثر ہوئے، اور "سمرقند" سے "خراسان" منتقل ہو کر خواجہ عبیداللہ الاحرار نقشبندیؒ کے حلقہ میں داخل ہو گئے، خواجہ کی صحبت کے فیوض وبرکات نے آپؒ کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ شیخ سعد الدین کاشغریؒ سے بھی استفادہ کیا اور دیگر مشائخ عظام سے بھی ملاقات ہوئی۔

چنانچہ درج ذیل بیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللہی آمد

زیارت حرمین شریفین:

۸۷۷ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور بلاد شام میں دمشق، حلب وغیرہ کا سفر کیا۔ وہاں سفر حج کے علماء ومشائخ نے آپ کی تعظیم وتکریم کی۔

علامہ شامیؒ نے ملا جامیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ محض زیارت روضۂ اقدس کی نیت سے سفر کیا جس میں "حج" کو بھی شامل نہ کیا تاکہ محض زیارت ہی کی نیت رہے۔

شیفتگی و فریفتگی:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ سراپا خلق و ایثار تھے، ان سب سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذات پاک رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلق اور بے پناہ عشق و محبت اور شیفتگی و عقیدت تھی۔

اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ۸۹۷ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہونے سے چند روز پہلے یہ اشعار لکھے۔

احن شوقاً الیٰ دیار لقیت فیها جمال سلمیٰ
کہ می رساند از نوای نوید وصلت بجانب ما
رہی جمال تو قبلۂ جاں ، حریم کوئے تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ
بکت عیوني علي شیوني نساء حالي ولا ابالي
کہ دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا

ایسا ہی حج کو جانے سے پہلے آپؒ نے بے انتہاء والہانہ جذبہ اور عاشقانہ حالت میں حضور اقدس ﷺ کی مدح میں نعتیہ قصیدہ بھی لکھا جو "مثنوی جامی" کے نام سے "یوسف زلیخا" کے شروع میں بتیس (۳۲) اشعار پر مشتمل آپؒ کی ایک مشہور نعت فارسی میں ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

زمہجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا رسول اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی
زمحروماں چرا غافل نشینی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فضائل درود شریف" میں ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ:

"مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یہ نعت کہنے کے بعد ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف

لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ: ''اس (جامی) کو مدینہ نہ آنے دیں۔'' امیر مکہ نے ممانعت کر دی، مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ آ رہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو۔'' امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑ کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ کوئی مجرم نہیں، بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا، جس میں فتنہ ہوگا۔'' اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔''[1]

[1] (فضائل درود شریف: ص ۱۳۳)

تصانیف:

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد چون (۵۴) تک پہنچتی ہے، جو آپ کے تخلص ''جامی'' کے اعداد ہیں۔

﴿ وهذا من قبيل كرامات أمر الهامي ﴾

آپ کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے:

﴿۱﴾ التفسير الي قوله (فاياي فارهبون) ﴿۲﴾ شرح احاديث اربعين ﴿۳﴾ شرح حديث أبي رزين لقيط العقيلي الصحابي ﴿۴﴾ شواهد النبوة ﴿۵﴾ نفحات الأنس من حضرات القدس ﴿۶﴾ شرح فصول الحكم ﴿۷﴾ نقد النصوص في شرح نقش النصوص ﴿۸﴾ الطريقة النقشبندية ﴿۹﴾ أشعة اللمعات ﴿۱۰﴾ اللوامع ﴿۱۱﴾ شرح قصيدة التائية ﴿۱۲﴾ شرح رباعيات اللوائح ﴿۱۳﴾ شرح البيتين الأولين من المثنوي ﴿۱۴﴾ شرح ابيات امير خسرو الدهلوي ﴿۱۵﴾ شرح كلمات خواجة محمد پارسا ﴿۱۶﴾ الدر الفاخر في تحقيق مذهب الصوفية

﴿۱۶﴾ رسالة في وحدة الوجود ﴿۱۷﴾ رسالة في أسئلة الهند واجوبتها ﴿۱۸﴾ مناقب عارف الرومي ﴿۱۹﴾ رسالة لا اله الا الله ﴿۲۰﴾ مناسک الحج ﴿۲۱﴾ اعتقاد نامة ﴿۲۲﴾ الصرف المنظوم ﴿۲۳﴾ المنصور ﴿۲۴﴾ شرح أشعار مائة عامل (منظوم) ﴿۲۵﴾ شرح مفتاح الغيب ﴿۲۶﴾ مثنوي طرح نوي ﴿۲۷﴾ سلسلة الذهب ﴿۲۸﴾ آبسان ﴿۲۹﴾ تحفة الاحرار، مثنوی ہے جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں لکھی گئی ہے۔ ﴿۳۰﴾ سبحة الابرار ﴿۳۱﴾ يوسف زليخا ﴿۳۲﴾ ليلي مجنون ﴿۳۳﴾ خرد نامه اسكندرية ﴿۳۴﴾ ديوان اوّل ﴿۳۵﴾ ديوان ثاني ﴿۳۶﴾ ديوان ثالث ﴿۳۷﴾ ديوان رابع ﴿۳۸﴾ الكبير ﴿۳۹﴾ المتوسط ﴿۴۰﴾ الصغير ﴿۴۱﴾ الأصغر (چاروں رسالے مجھے میں ہیں) ﴿۴۲﴾ رسالة في العروض ﴿۴۳﴾ رسالة في القوافي ﴿۴۴﴾ رسالة في الموسيقي ﴿۴۵﴾ بهارستان على نمط گلستان الفه لولده ضياء الدين يوسف سنة ۸۴۰ هجرية رتب على ثمان روضات و اوراد، في كل روضة منها لطائف حكمية ونوادر كثيرة ﴿۴۶﴾ الكبرى ﴿۴۷﴾ الصغرى (دونوں رسالے ادبیات ومنتخبات میں ہیں) ﴿۴۸﴾ رسالة في الهيئة ﴿۴۹﴾ رسالة في الاصطرلاب ﴿۵۰﴾ رسالة في المنطق ﴿۵۱﴾ حاشية المفتاح ﴿۵۲﴾ هدية الخلان في لطائف البيان

ان کتابوں میں آپ کی "شرح ملا جامی، یوسف زلیخا" اور "شرح مائۃ عامل" علمی دنیا میں اپنی کافی شہرت رکھتی ہیں۔ "شرح ملا جامی" پر ملا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی (المتوفی ۹۴۳ھ) اور ملا عبد الغفور لاری وغیرہ جیسے بڑے بڑے علمائے کرام کے کثیر التعداد حواشی اور شروحات ہیں۔

وفات حسرت آیات:

ملا جامی نے اعداد لفظ "کاس" یعنی اکیاسی سال کی عمر میں ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ بمطابق ۱۴۹۲ء میں جمعہ کے دن شہر "ہرات" میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے، اور جب "طائفہ طاطیہ اوزبکیہ" نے "خراسان" کا قصد کیا تو آپ کے صاحب زادے علامہ ضیاء الدین یوسف نے آپ کا جسم مبارک دوسری جگہ منتقل کر دیا۔[1]

---

[1] (خلاصة المحصلين بأحوال المصنفين (بهدف و تحصار) ص ۳۳۰ ، ۳۳۵ ، الناشر: مير محمد كتب خانه كراتشي، الباكستان)

حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کا باہمی اختلاف ملا جامی کی نظر میں:

لیکن بایں ہمہ علم فضل مشہور حلقوں میں آپ پر یہ الزام ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ ؓ کی "اجتہادی خطاء" کو نہ صرف "خطائے منکر" کہا، بلکہ آں موصوف پر تعریض کرتے ہوئے آپ ؓ کا نام تک لینا گوارا نہ کیا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ سے محبت کی پہچان تو صحابہ کرام ؓ سے محبت ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا جامی جیسے "عاشق رسول ﷺ" نے حضرت معاویہ ؓ کی "اجتہادی خطاء" کو نہ صرف "خطائے منکر" کہا، بلکہ آں معظم پر تعریض کرتے ہوئے ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

پیر نصیر الدین گولڑوی نے جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کے برعکس اپنے باطل نظریے کو مولانا جامی کے نظریے سے ہی ثابت کیا ہے۔

چنانچہ پیر گولڑوی لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق تھے اور اس پر اجماع اُمت ہے کہ جناب امیر معاویہ ؓ نے حضرت علی ؓ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس نظریے کو محض "خطائے اجتہادی" قرار دے کر موجب اجر و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جد و جہد کے بعد "اجتہادی غلطی" کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دنیوی اور حکمی اُمور میں ایسی "اجتہادی خطاء" کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی و انصاف نہیں۔

ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے۔ اور ہم جناب امیر معاویہ ؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو "اجتہادی کارنامہ" سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

"مشہور عاشق رسول ﷺ اور عارف حضرت مولانا عبد الرحمن جامی قدس سرہ

السامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش ابا کردند
و ندراں سرکشی خطا کردند

ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علی ؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطاء کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ
در خلافت صحابی دیگر
حق در آں جا بدست حیدر بود
جنگ با او خطائے منکر بود

ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علی ؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ ؓ) اس وقت حق علی المرتضیٰ ؓ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا "خطائے منکر" تھا یعنی ناپسندیدہ خطاء تھی۔[1]

جمہور کے نزدیک حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کا باہمی اختلاف مبنی بر اجتہاد تھا:

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے اختلاف کی نوعیت "اجتہادی" ہے، لیکن پیر نصیر الدین گولڑوی نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کا حوالہ نقل کر کے حضرت معاویہ ؓ اور ان کی ساری جماعت کو "سرکش" بنا دیا ہے، جس میں بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

"نصف صحابہ کرام ؓ شریک ہیں۔ اور یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو زندیق ہو اور جس کا مقصد و منشاء دین کو باطل ٹھہرانا ہو۔" ع

تو کیا کوئی شخص حضرت معاویہ ؓ اور ان کی جماعت (یعنی نصف صحابہ کرام ؓ) کو سرکش کہہ کر "سنی"

---

[1] (نام ہوں ۵۳۳، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۲۶)

ع (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

رہ سکتا ہے؟۔

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر مجدد الف ثانی کا تبصرہ:

رہی بات مولانا جامی کے ان اشعار کی، تو اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اس کی تردید میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

"وخدمت مولانا عبدالرحمن الجامی کہ "خطائے منکر" گفتہ است، نیز زیادۃ کردہ است بر خطا ہر چہ زیادت گنند خطا است۔ وآں چہ بعد ازاں گفتہ است: "اگر او مستحق لعنت است ..... الخ" نیز نامناسب گفتہ است، چہ جائے تردید است؟ وچہ محل اشتباہ؟ اگر ایں سخن در باب یزیدی گفت گنجائش داشت۔ امادر حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گفتن شناعت دارد۔ ودر احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ: "حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام در حق معاویہ دعا کردہ اند، وفرمودہ اند: " اللھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب ." وجائے دیگر در دعا فرمودہ اند: " اللھم اجعلہ ھادیا ومھدیا ". ودعائے آں حضرت مقبول ظاہر ایں سخن از مولانا بر سبیل سہو ونسیان سر بر زدہ باشد وایضاً مولانا در ہمان ابیات تصریح باسم نا کردہ گفتہ است آں صحابی دیگر ایں عبارت نیز از ناخوشی خبری دہد۔ ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطانا "۔[1]

ترجمہ: مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "خطائے اجتہادی" کو "خطائے منکر" کہہ کر زیادتی کی ہے۔ خطاء پر جو زیادتی کی جائے گی خطاء ہوگی۔ پھر اس کے بعد جو مولانا جامیؒ نے کہا کہ: "اگر وہ مستحق لعنت ہے ..... الخ" یہ بات بھی نامناسب کہی ہے۔ یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور اس میں اشتباہ کا کون سا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہی جاتی تو البتہ گنجائش تھی، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کہنا نہایت گھناؤنی بات ہے۔ حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ: "آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب وحساب

---

[1] (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ: دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔" دوسرے موقع پر یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! ان کو ہادی و مہدی بنا"۔ اور آنحضرت ﷺ کی دعا مقبول و منظور ہے۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامیؒ سے یہ قول سہو و نسیان کی بدولت نکل گیا ہے۔ نیز ان اشعار میں مولانا جامیؒ نے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے: "اے دوسرے صحابی!" اس عبارت سے بھی (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) ناخوشی کی بو آتی ہے، اس لئے ہم بھی دعا کرتے ہیں: "اے اللہ! ہماری خطا، و نسیان پر مؤاخذہ نہ فرمانا۔"

"لعنت بر یزید" کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"پیر نصیر الدین گولڑوی "لعنت بر یزید" سے متعلق مولانا جامیؒ کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں: "عارف نامی حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ (۸۹۸ھ) کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامیؒ کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں بہ روایت تذکرہ گلرعنا، خزینۃ الاصفیاء، لطائف الطوائف اور مولانا فخر الدین علی کاشفی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"مرزا بابر کے زمانہ میں سمرقند کے ایک "مزید" نامی دانش مند فقیہ ہرات آئے۔ مولانا جامیؒ اور مولانا مزید دونوں مرزا بابر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا نے "لعن یزید" کے بارے میں "مزید" سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ "یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ اہل قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ مرزا نے یہی سوال مولانا جامیؒ سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟" تو مولانا جامیؒ کہنے لگے کہ "ہم کہتے ہیں: "صد لعنت بر یزید و صد دیگر بر مزید" (یعنی) سو لعنت بر یزید اور سو بر مزید۔

اس کے دو معنی نکلتے ہیں، یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو مزید۔ یعنی جو شخص یزید کو مستحق لعنت نہ سمجھتا ہو اس پر بھی لعنت۔ اس طرح حضرت جامیؒ نے لفظ "مزید" سے "زائد" کا مفہوم نکال لیا۔ اور مولانا "مزید" جو "لعن یزید" کے مخالف تھے ان کا نام لے کر ان پر بھی

چار حرف بھیج دیے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں ان لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت و فطانت کا بین ثبوت ہیں۔"[1]

[1] (نام ونسب، ص ۵۲۰، بحوالہ سید معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۲۶)

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا سہو وتسامح:

بہر حال خلاصۂ کلام یہ کہ ملا جامیؒ کی زبان سے حضرت معاویہ ؓ کی "خطائے اجتہادی" کے بارے میں جو "خطائے منکر" کے الفاظ سرزد ہوئے ہیں وہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بطور سہو ونسیان کے سرزد ہوئے ہیں جن کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کر سکتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطا ونسیان پر مؤاخذہ نہ فرمانا۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت:

دراصل مولانا جامیؒ کی شخصیت پر بڑا نزاع ہے۔ بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ مولانا جامیؒ عقیدۃً ومسلکاً اہل سنت سے دُور اور اہل تشیع سے قریب ہیں۔

اور اُنہوں نے خصوصاً خلفائے راشدین ؓ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں وہ بربنائے تقیہ ہیں ..... ورنہ جامیؒ نے اپنی کتابوں خصوصاً "شواهد النبوة" میں جن عقائد کی ترویج کی ہے وہ خالصتاً شیعہ عقائد ہیں ..... خود مولانا جامیؒ کے حالات پر مشتمل کتاب میں "جامیؒ" کے مصنف سید عارف نوشاہی نے باب "جامیؒ کے مذہبی عقائد" کے تحت لکھا ہے کہ:

"۱- وہ شیعہ مائل سنی تھے۔[1]

۲- مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب (شواہد النبوۃ) کے مندرجات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف ایک سنی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے، مگر ساتھ ہی وہ عقائد امامیہ کی طرف بھی راغب ہے۔[2]

۳- جامیؒ کے افکار میں دونوں عقیدوں (شیعہ سنی) کے امتزاج کی دلیل ہے۔[3]

---

[1] (جامی، ص ۲۵۴)

[2] (جامی، ص ۲۵۴)

[3] (جامی، ص ۲۵۵)

(۴) جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ ؓ کی مدح میں یہ مقالات اور اشعار جامی کا تقیہ ہیں۔ چنانچہ "سبحۃ الأبرار" (مصنفہ جامیؒ) کے مندرجہ قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضرات خلفائے ثلاثہ ؓ کی قدح اور امیر المومنین حضرت علی ؓ کی طرف اشارۃً و کنایۃً قیاس کرتے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
بیخ بر کن دوسہ روباہی را [1]

شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی کتاب "الکنی والألقاب" میں جامیؒ کے متعلق لکھا ہے:

"المولى عبد الرحمان بن أحمد بن محمد الدشتي الفارسي الصوفي، النحوي، الصرفي الشاعر، الفاضل ..... و يقال له الجامي، لأنه ولد ببلدة "جام" من بلاد ماوراء النهر سنة ۸۱۷ الهجرية ..... وله سبحة الأبرار وشواهد النبوة في فضائل النبيّ والأئمة عليهم السلام ..... وهل هو من علماء السنة كما هو الظاهر منه بل من المتعصبين كما هو الغالب على أهل بلاد تركستان وماوراء النهر. ولذا بالغ في التشيع القاضي نور الله مع مذاقه الوسيع، أو أنه كان ظاهراً من المخالفين، وفي الباطن من الشيعة الخالصين. ولم يبرز ما في قلبه تقيّة كما يشهد بذلك بعض أشعاره منها ما عن "سبحة الابرار" قوله:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
بیخ بر کن دوسہ روباہی را

واعتضده السيد الأجل الأمير محمد حسين الخاتون آبادي سبط العلامة المجلسي (وينقل) حكاية في ذلك مسنداً وحاصلها أن الشيخ علي بن

---

[1] (جامی، ص ۲۵۹)

عبد العالي ، كان رفيقاً مع الجامي في سفر زيارة أئمة العراق عليهم السلام وكان بتقيه . فلما وصلوا الى بغداد ذهباً الى ساحل الدجلة للنزه فجاء درويش قلندر ، وقرأ قصيدة غراء في مدح مولانا امير المؤمنين عليه السلام ولما سمعها الجامي بكى وسجد بكى في سجوده ، ثم أعطاه جائزة . ثم قال في سبب ذلك اعلم اني شيعي من خلص الامامية ولكن التقية واجبة وهذه القصيدة مني . واشكر الله انها صارت بحيث يقرأها القاري في هذا المكان .

ثم قال الخاتون آبادي : وأخبرني بعض الثقات من الأفاضل نقلاً عن من يثق به أن كل من كان في دار الجامي من الخدم والعيال والعشيرة كانوا على مذهب الامامية . ونقلوا عنه أنه كان يبالغ في الوصية بأعمال التقية سيما اذا أراد سفراً والله العالم بالسرائر "[1]

ترجمہ: مولوی عبدالرحمن بن احمد بن محمد دشتی، فارسی، صوفی، نحوی، صرفی، شاعر اور فاضل تھے۔ جامی انہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ "ماوراء النہر" کے شہر "جام" میں ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان تصانیف میں "سجۃ الأبرار" اور "شواهد النبوّة" ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فضائل میں لکھی گئی ہیں۔ کیا جامی سنی علماء میں سے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ بلکہ وہ متعصب سنی ہیں، جیسا کہ ترکستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں مشہور ہے، اسی لیے انہوں نے اپنی طبیعت کی عدم سختی کے باوجود قاضی نور اللہ شوستری پر سخت تشنیع کی ہے، یا یہ کہ جامی بظاہر مخالفین (سنیوں) میں سے تھے، لیکن باطنی طور پر خالص شیعوں میں سے تھے اور جو ان کے دل میں تھا وہ (انہوں نے) از روئے تقیہ ظاہر نہ کیا، اس بات کی گواہی ان کے بعض اشعار دیتے ہیں۔ جیسا کہ "سجۃ الأبرار" کا یہ شعر ہے:

پنجہ در کن اسد اللہی را

[1] (الكنى والألقاب للقمي : ۲/۱۳۸)

بیچ بر کن دوسہ روباہی را

اور اس بات کو امیر سید حسین خاتون آبادی نواسہ ملا محمد باقر مجلسی کی ذکر کردہ حکایت سے مزید مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اس باسند حکایت کا خلاصہ (یہ) ہے کہ:

"شیخ علی بن عبد العالی ایک مرتبہ سفر میں جامیؒ کے رفیق تھے، جو عراق میں ائمہ کرام کی قبور کی زیارت کے سلسلہ میں کیا گیا تھا وہ تقیہ کرتے تھے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو دونوں ساحل دجلہ کی طرف چل دیئے، اتنے میں ایک درویش قلندر آیا اور اس نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ مدح مولانا امیر المؤمنین علی علیہ السلام میں پڑھا۔ جب جامیؒ نے یہ قصیدہ سنا تو رو پڑے اور سجدہ ریز ہو کر روتے رہے۔ پھر اس (قصیدہ خواں) کو انعام دیا۔ پھر فرمایا: "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں شیعہ ہوں اور مخلص امامی ہوں، البتہ تقیہ واجب ہے اور یہ قصیدہ میرا لکھا ہوا ہے اور میں شکر الٰہی بجالاتا ہوں کہ اس نے قصیدہ کو اس مقام پر پہنچایا۔" پھر محمد حسین خاتون آبادی نے کہا: "مجھے ثقہ فاضلین میں سے کسی نے بتایا اور وہ اس بات کو ثقہ لوگوں سے روایت کرتا ہے کہ جامیؒ کے گھر کے تمام افراد، بال بچے اور خاندان کے لوگ "مذہب امامیہ" پر تھے، اور جامی تقیہ کے متعلق نہایت کڑی وصیت کرتے تھے، خاص کر جب وہ سفر کا ارادہ کرتے اور اللہ ہی بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ (ترجمہ ختم)

عباس قمی شیعہ نے جامیؒ کے شیعہ ہونے پر جو حکایت بیان کی ہے وہ دیوان کامل جامیؒ بخشش دہم صفحہ ۴۹۱ پر بھی موجود ہے۔[1]

ہمارا موقف:

چوں کہ مولانا جامیؒ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابیں سنی عقائد و نظریات کی بھی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جامیؒ کے بارے میں ناقدین کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ چوں کہ اکابر علمائے اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ ہمیشہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سنی، صوفی اور مسلمان نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتے رہے اور ان کا ذکر مدحیہ انداز میں کرتے رہے ہیں، ان سے حسن ظن رکھتے رہے ہیں، لہٰذا ہم

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ: ص ۱۹۵ تا ۱۹۷، ناشر: مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

بھی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ان رافضی خرافات کو تسلیم نہیں کرتے۔ جہاں تک ان حوالہ جات کے ذکر کرنے کا تعلق ہے تو اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ:

"سبائیہ، باطنیہ اور دشمنانِ صحابہ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اسی طرح (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی "مذہب امامیہ" اختیار کر چکے ہیں اور اپنے مذہب کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا ظرفہ تماشا ہے کہ صاحب مزار سنّی تھا، لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا "ثمر شیریں" ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے۔ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو "مسلک امامیہ" کا پیرو ثابت کر دو تاکہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔"[1]

مولانا جامیؒ کی کتابوں میں شیعہ سنی دونوں قسم کے عقائد کے مندرج ہونے کی بنیادی وجہ:

مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں تو وہیں ان کی کتابیں سنّی عقائد و نظریات کی بھی حامل ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم لکھتے ہیں:

"صوفیہ کے اشعار میں تدلیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب "سلسلۃ الذہب" پر چند اعتراضات کیے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ

---

[1] (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش: ۶۹، ۷۰ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۱۹۷، ۱۹۸)

روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے، مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سنّی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔[1]

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسماعیلیہ، قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علی ؓ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی (یا تنقیص معاویہ ؓ۔ از: ناقل) پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء احدی حضرت علی ؓ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علی ؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ ؓ کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے، وہاں حضرت علی ؓ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شاملِ کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ مولانا جامیؒ نے اکیس اشعار کی ایک نظم حضرت علی ؓ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علی ؓ کو خدا بنا دیا گیا ہو، اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے (اور اسی کو تدلیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟"۔[2]

اسی وجہ سے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ناقدین ان کے بارے میں آج تک کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ اور اسی وجہ سے ہم بھی مولانا جامیؒ سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اس قسم کی رافضی خرافات ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ اور آپ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ کی "خطائے اجتہادی" کو "خطائے منکر" کہا ہے تو اس بات کا ایک جواب پیچھے یہ دیا جا چکا ہے کہ اس بات کا صدور آپ کی ذات سے بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے: "یا تو سہو و نسیان کے طور پر ہوا ہے۔" جسے تسامح کہا جاتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کے لئے "حیاتِ جامی" مؤلفہ: ڈاکٹر علی اصغر حکمت، مطبوعہ تہران ص ۸۳ ملاحظہ فرمائیے۔ (راقم)

[2] اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ص ۳۵، ۳۶ بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے بارے میں گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ ص ۱۹۰، ۱۹۱)

کہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے تدلیس کرتے ہوئے چپکے سے اس بات کو آپ کے کلام میں شامل کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات متصف باصد صفات سے حسن ظن رکھتے ہوئے اُن کی شخصیت کو قطعی اور یقینی طور پر بغیر سوچے سمجھے محض ظن کی بناء پر اس طرح ''شیعیت'' سے متہم کر دینا کسی بھی طرح قرین انصاف اور دانش مندی کے لائق نہیں ہے۔

﴿۹﴾

محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۰۱۴ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: علی، کنیت: ابوالحسن، لقب: نورالدین، عرف: ملا علی قاری، اور والد کا نام سلطان محمد ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی تاریخ پیدائش کا تو صحیح علم نہیں، البتہ آپ کی ولادت افغانستان کے مشہور شہر ''خراسان'' کے معروف علاقے ''ہرات'' (مغربی افغانستان) میں ۹۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی دینی تعلیم آپ نے اپنے اسی علاقے ''ہرات'' میں اُس وقت کے اساتذہ سے حاصل کی۔ وہیں پلے پوسے، قرآن مجید حفظ کیا، اور شیخ مقری معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید پڑھی، یہاں تک کہ آپ کو سات قراُتوں پر مکمل عبور حاصل ہوگیا۔

منتہی تعلیم:

اس کے بعد اعلیٰ اور منتہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا، اور کئی سال تک وہاں کے علماء سے علم حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا شمار بھی مشاہیر علماء میں ہونے لگا۔

فقہی مسلک:

آپ حنفی المسلک تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف اور آپ کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے، نیز اکثر مسائل مذہب حنفیہ تفصیلاً لکھنے اور انہیں شرعی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے سے بھی آپ کا حنفی المذہب ہونا مترشح ہوتا ہے۔

زہد وتقویٰ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تدین وتعفف اور ورع اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور ریا سے بہت بچتے برتتے تھے۔ آپ پر زہد وعفاف اور قوت لایموت پر راضی رہنا غالب تھا۔ لوگوں سے بہت کم ملتے، عبادت الٰہیہ میں کثرت سے منہمک رہتے، ہر سال اپنی خوب صورت لکھائی سے ایک قرآن مجید لکھتے اور اس کے حاشیہ پر مختلف قرأتیں اور تفسیر لکھتے اور اسے ہدیۃً بھیج دیتے اور اس طرح ہدیہ کی یہ رقم آپ کے لئے پورا سال کافی ہو جاتی۔

شاہی حکام کا تقرب اور ان کی عطایا کو آپ اخلاص اور تورع کے لئے مضر خیال کرتے، اور فرماتے کہ: "اللہ تعالیٰ میرے والد پر رحم فرمائے وہ مجھے فرمایا کرتے تھے کہ" میں نہیں چاہتا کہ تیرا شمار علماء میں سے ہو کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ پھر تو امیر اور مال دار لوگوں کے دروازوں پر ہی پڑا رہے گا۔"

شیوخ واساتذہ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اساتذہ وشیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا:

﴿۱﴾ابن حجر الهيتمي المكي﴿۲﴾علي المتقي الهندي﴿۳﴾ عطيه بن علي السلمي ﴿۴﴾ محمد سعيد الحنفي الخراساني ﴿۵﴾ عبد الله السندي ، ﴿۶﴾ قطب الدين المكي

تلامذہ وشاگرد:

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

﴿۱﴾عبدالقادر الطبري﴿۲﴾عبدالرحمان المرشدي﴿۳﴾محمدبن فروخ المورري

تصانیف:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علوم وفنون میں بیسیوں گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے نام یہ

ہیں:

﴿۱﴾ تفسیر القرآن ﴿۲﴾ مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ﴿۳﴾ شرح نخبۃ الفکر ﴿۴﴾ الفصول المہمۃ ﴿۵﴾ شرح مشکلات المؤطا ﴿۶﴾ بدایۃ السالک ﴿۷﴾ شرح الحصن الحصین ﴿۸﴾ شرح الأربعین النوویۃ ﴿۹﴾ ضوء المعالي ﴿۱۰﴾ شم العوارض في ذم الروافض ﴿۱۱﴾ فیض المعین وغیرہ ذلک۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی پوری زندگی قرآن وحدیث اور مختلف علوم وفنون کی خدمت کرتے کرتے آپؒ نے ماہ شوال ۱۰۱۴ھ کو اس عالم رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور "جنت المعلی" نامی قبرستان میں ابدی نیند سو کر محو استراحت ہو گئے۔

لیکن ہائے ہمہ فضل وکمال آپؒ اپنے حاسدین ومعاندین کے بغض وحسد اور کینہ وعناد کے زہر آلود تیروں سے کسی طرح بھی بچ نہ نکلے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی الشہیر بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں زیر عنوان: "اختلف أهل السنة في تسمية لمعاوية باغيا" لکھتے ہیں کہ

"ثم كان معاوية مخطيا، الا أنه فعل مافعل عن تأويل، فلم يصر به فاسقاً. واختلف أهل السنة والجماعة في تسمية باغياً، فمنهم من امتنع من ذلک والصحيح من أطلق (بلفظ الباغي أي علي معاوية) لقوله لعمار: "تقتلک الفئة الباغية" وكان عليٌّ مصيباً في التحكيم. وزعمت الخوارج انه كان مخطياً فيه وقد كفراذ الواجب في أهل البغي المحاربة لقوله سبحانه وتعالى: ﴿فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله﴾ ولكنا نقول المقصود اراد دفع الشر وتاليف القلوب وذا فيما فعل عليٌّ"[1]

---

[1] شرح فقہ الأکبر، ص ۸۲، بحوالہ سیدنا معاویہؓ کے ناقدین ص ۱۴۸

ترجمہ: پھر حضرت معاویہ ؓ مخطی تھے، مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہو گئے۔ اور اہل سنت والجماعت نے انہیں "باغی" کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ ؓ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حضرت عمار ؓ کے لئے اس قول کی بناء پر کہ: "تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" اور حضرت علی ؓ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس میں مخطی تھے اور انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر لڑنا فرض تھا کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے دفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تحکیم قبول کی تھی۔ (ترجمہ ختم)

اس عبارت سے درج ذیل اُمور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت معاویہ ؓ مخطی تھے۔

۲۔ اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

۳۔ جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے (ہیں۔ از: ربیع)۔

۴۔ انہیں باغی کہنا صحیح ہے۔

۵۔ حضرت علی ؓ بھی انہیں باغی سمجھتے تھے، مگر انہوں نے حکم الٰہی: "فقاتلوا التي تبغي" کی خلاف ورزی "دفع شر اور تالیف قلوب" کی خاطر کی تھی۔[1]

حضرت معاویہ ؓ اور فسق و بغاوت:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی ؓ کی خلافت ارباب حل وعقد کے مشورے اور انتہائی مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی تو حضرت معاویہ ؓ کا اپنے اجتہاد کی بناء پر اُن سے قتال کرنا غلط تھا، جس کی وجہ سے انہیں اس معاملہ میں بالاتفاق "مجتہد مخطی" اور دنیوی احکام کے اعتبار سے "باغی" کہا گیا ہے، جو حقیقت نفس الامر کے اعتبار

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۲۸، ۱۲۹)

سے اگرچہ گناہ کبیرہ اور فسق کے زمرے میں آتا ہے، اسی لئے حضرت علی ؓ کا اُن سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا لیکن چوں کہ اُن کا یہ عمل حضرت علی ؓ سے کسی عداوت یا بغض یا کسی سیاسی اور دُنیوی غرض کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہرحال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر ہی مبنی سہی، لیکن تھے دیانت دارانہ، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے اُن کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے زُمرے میں آتا ہے جس پر عنداللہ وہ ماجور ہیں اور اُن پر فسق کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ خطائے اجتہادی کی بناء پر نہ تو کسی پر فسق کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُس پر کسی قسم کا لعن طعن کیا جاسکتا ہے۔

باقی رہی بات اُن اہل سنت کی کہ جو آپؓ پر "باغی" ہونے کا اطلاق نہیں کرتے تو اگر اس نفی سے اُن کی مراد عرفی بغاوت کی نفی ہے، جو ہوسِ اقتدار، لوٹ مار، اور ظلم وستم پر مبنی ہوتی ہے تو پھر تو صحیح ہے۔ اور اگر اس سے فقہی احکام کے اعتبار سے بغاوت کی نفی مراد ہے تو پھر غلط ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ایک تو حضرت معاویہ ؓ کا "مجتہد مصیب" اور حضرت علی ؓ کا "مجتہد مخطی" ہونا لازم آتا ہے، جو اہل سنت کے اجماع کے خلاف ہے، اور دوسرے یہ کہ اس سے حدیث عمار ؓ "تقتلک الفئة الباغية" کا بے محل اور بے کار ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی ؓ بھی اہل شام کو باغی سمجھتے تھے، لیکن اُنہوں نے محض دفع شر اور تالیف قلوب کی خاطر تحکیم قبول کی تھی اور قتال روک لیا تھا۔

حدیث عمار ؓ کے بموجب حضرت معاویہ ؓ باغی تھے!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"موصوف (ملا علی قاریؒ) اپنی ایک دوسری کتاب میں "حدیث عمار ؓ" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"اعلم ان عماراً قتله معاوية وفئته، فكانوا طاغين، باغين بهذا الحديث."

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ حضرت عمار ؓ کو معاویہ ؓ اور اس کے گروہ نے قتل کیا، تو وہ اس حدیث کی رُو سے طاغی (سرکش) باغی ہو گئے۔[1]

---

[1] (سپاہ معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۴۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے سے عرفی نہیں بلکہ فقہی اصطلاح مراد ہے!:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے جتنے بھی الفاظ آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں وہ عرفی معنوں میں نہیں، بلکہ فقہی اصطلاح کے معنوں پر محمول ہیں، لہٰذا اس تناظر میں "باغی" کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت حدیث عمار رضی اللہ عنہ ﴿تقتلک الفئة الباغية﴾ کی رُو سے آپ رضی اللہ عنہ فقہی احکام کے اعتبار سے "باغی" تھے۔ اور "طاغی" کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں امام برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہیں کر رہے تھے، اس لئے اس رُو سے آپ رضی اللہ عنہ "طاغی" بھی تھے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"جن حضرات نے لفظ "باغی" کی تاویل طالب دم عثمان رضی اللہ عنہ سے کی ہے انہیں جواب دیتے ہوئے موصوف (ملا علی قاریؒ) فرماتے ہیں کہ:

" قلت فاذا كان الواجب عليه أن يرجع عن بغيه باطاعته الخليفة و يترك المخالفة وطلب الخلافة المنفية فتبين بهذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر مسترا بدم عثمان مراعيا مرائيا فجاء هذا الحديث عليه ناعيا وعن عمله ناهيا لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولي الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب "۔[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا اور خلیفہ کی مخالفت اور منفی خلافت کی طلب و خواہش ترک کر دیتا (مگر اس نے یہ کام نہیں کیا) تو ظاہر ہو گیا کہ وہ باطن (حقیقت) میں باغی تھا اور ظاہری طور پر اس نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا لبادہ اپنی حفاظت کے لئے ریاکارانہ طور پر اُوڑھ

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۱۱/ ۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۲۹)

رکھا تھا۔ سو یہ حدیث اُس کے گناہ کو ظاہر کرنے اور اس کے عیب کا اعلان کرنے اور اس کے مکمل بغاوت سے روکنے کے لئے آگئی لیکن یہ سب کچھ مقدر ہو چکا تھا۔ (ترجمہ ختم)

پس قرآن و حدیث دونوں معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک متروک ہو گئے۔ سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی، تاکہ صراط مستقیم سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور تمام آل و اصحاب سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

ملا علی قاریؒ کی مذکور بالا تشریح سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱- معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرتا۔

۲- معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔

۳- معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔

۴- معاویہ رضی اللہ عنہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵- معاویہ رضی اللہ عنہ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان کی آڑ لے رکھی تھی۔

۶- حدیث عمار رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

۷- معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن و حدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔

۸- انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔"[1]

دریں چہ شک؟:

اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر کے بغاوت سے رجوع کرتے اور خلیفہ کی اطاعت کرتے؟ لیکن چوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اس لئے فقہی احکام کے اعتبار سے وہ "باغی" کہلائے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۲۹)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کج فہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا جو یہ مطلب مراد لیا ہے کہ

"۴۔معاویہ ؓ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

۵۔معاویہ ؓ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمان ؓ کی آڑ لے رکھی تھی۔"

وہ انتہائی غلط اور خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ اگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق و سباق کو سامنے رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مطلب:

"حضرت عمار ؓ کی شہادت سے پہلے حضرت معاویہ ؓ جو حضرت علی ؓ کے ساتھ قصاص دم عثمان ؓ کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے تو اس وقت تک بہت سے لوگوں کو کسی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ لیکن جب حضرت عمار ؓ حضرت معاویہ ؓ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو یہ بات خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آ گئی کہ حضرت معاویہ ؓ جو بظاہر ایک معقول تاویل کے سائے میں حضرت علی ؓ سے لڑائی کر رہے ہیں باطن (حقیقت) میں وہی باغی ہیں اور غلطی پر ہیں۔"

چنانچہ اگر آپ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر دوبارہ غور کریں کہ

"فتبين بهذا أنه كان في الباطن باغيا وفي الظاهر مستترا بدم عثمان."

ترجمہ: پس اس (حدیث عمار ؓ) سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (حضرت معاویہ ؓ) باطن (حقیقت) میں باغی تھے اور بظاہر دم عثمان ؓ میں چھپے ہوئے تھے۔ (ترجمہ ختم)

تو آپ کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ آ جائے گی۔

باغی اس بات میں کیا شک ہے کہ حدیث عمار ؓ معاویہ ؓ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے؟ پس اگر اس معاملہ میں غلطی سے کسی طرح قرآن و حدیث دونوں ہی حضرت معاویہ ؓ سے مجبور ہو گئے تو اس میں حیرانگی والی کون سی بات ہے؟ اس لئے کہ حضرت معاویہ ؓ معصوم تو نہیں تھے کہ ان سے کسی غلطی کا صدور ہی ممکن نہ

ہونا جیسا کہ حضرات انبیا علیہم السلام سے غلطی کا صدور ممکن نہیں ہوتا، بلکہ وہ صحابی تھے اور صحابی سے بعض مرتبہ کسی ایسی غلطی کا صدور ہونا عین ممکن ہے کہ جس کی قرآن وحدیث میں بالکل اجازت نہ ہو۔ اس کی بیسیوں مثالیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں موجود ہیں، جن کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اس کے لئے کتب حدیث کی ''کتاب الحدود'' دیکھ لینا کافی ہے۔

لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی ایسی غلطی کا صدور ہو گیا کہ جس سے اُن سے کسی طرح قرآن وحدیث دونوں ہی مجبور ہو گئے تو ایسا عین ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ مغفور ضرور ہیں لیکن معصوم نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہ تو فسق کا حکم لگایا ہے اور نہ ہی فجور کا، بلکہ ایک طرح سے اُن کا دفاع کیا ہے، اور اس سارے معاملے کو تقدیر قرار دیا ہے جو کسی بھی طرح سے ٹل نہیں سکتی تھی۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ:

''۸- انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا اُمور کا مرتکب سمجھا جائے۔''

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور اس میں کسی بھی قسم کا کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محاربین اہل بیت کی مذمت کرنا امت کا (اجماعی) مسئلہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر اس ''اجماعی عقیدے'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''فضل أهل البيت وذم من حاربهم أمر مجمع عليه عند العلماء السنة وأكابر أئمة الأمة۔''[1]

ترجمہ: پس اہل بیت رضی اللہ عنہم کی فضیلت بیان کرنا اور جن حضرات نے ان کے ساتھ

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ۱۰: ۵۲۴، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۳۰)

جنگ کی ہے ان کی مذمت بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر اہل سنت کے علماء اور امت کے اماموں کا اجماع ہے۔ (ترجمہ ختم)

سخت حیرت ہے کہ ملا علی قاری "محاربین اہل بیت" کے تخطیہ ہی کو نہیں بلکہ ان کی مذمت کو اُمت کا اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں۔ حالاں کہ محدثین کرام کے نزدیک ایسا رجحان تشیع کے زُمرے میں آتا ہے۔

"فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليٍّ عليٰ عثمان وان عليّاً كان مصيباً في حروبه، وأن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما"[1]

ترجمہ: متقدمین کی اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کو صرف حضرت عثمان ؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی ؓ اپنی جنگوں میں حق بجانب اور ان کے مخالف خطاء پر تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ تفضیل شیخین کا بھی قائل ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علی ؓ) تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطاء پر۔"[2]

محاربین اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں "محاربین" کا لفظ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق نقل کیا ہے، جس سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بلا قرینہ و قیاس صرف حضرت معاویہ ؓ ہی کی ذات کو مراد لیا ہے، اور خواہ مخواہ کھینچ تان کر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ؓ کا ناقد اور گستاخ ٹھہرا دیا ہے۔ فیا اسفا!

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں محاربین اہل بیت سے جنگ جمل و صفین میں حضرات اہل بیت ؓ کے مقابلے میں برسر پیکار لڑنے والے حضرات (حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ ؓ وغیرہ) مراد نہیں کہ انہیں تو حضرات

---

[1] (نہایۃ المطالب: ۱/ ۹۴) و (فتح الملہم شرح صحیح المسلم: ۱/ ۶۵، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۳۱)

[2] (مکتوبات، جلد دوم ص ۵۵ مکتوب نمبر ۲۹)، بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین ص ۱۳۱)

اہل بیت ؓ سے کسی قسم کی ذاتی دشمنی وعداوت، بغض وعناد اور دُنیوی حرص ولالچ یا کوئی سیاسی غرض نہ تھی، بلکہ اس سے بعد کے دور میں اہل بیت ؓ پر زیادتیاں کرنے والے لوگ مراد ہیں، جیسے یزید، ابن زیاد، اور شمر وغیرہ۔ گویا اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو حضرات اہل بیت اطہار ؓ کے ساتھ دشمنی وعداوت، بغض وکینہ اور دُنیوی حرص ولالچ اور سیاسی اغراض ومقاصد رکھتا ہو، اور اُن کے ساتھ لڑتا بھڑتا ہو۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرات اہل بیت اطہار ؓ سمیت تمام صحابہ کرام ؓ کے بارے میں معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے شخص کو دُعا دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولى الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي مسيل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب."[1]

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر کہ جس نے انصاف سے کام لیا ہو اور تعصب وتعسف کا شکار نہ ہوا ہو اور اس نے عقیدہ میں میانہ روی اختیار کی ہو تاکہ راہِ ہدایت کی دونوں اطراف (یعنی) رفض وناصبیت میں نہ پڑے اور تمام اہل بیت ؓ وصحابہ کرام ؓ سے محبت رکھے۔ (ترجمہ ختم)

پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حضرات اہل بیت اطہار ؓ سمیت تمام صحابہ کرام ؓ کے بارے میں مناسب اور معتدل نظریہ وعقیدہ رکھنے والے دوسرے لوگوں کے حق میں تو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم وبہبانی کی دعا کرے اور دوسری طرف حضرات اہل بیت اطہار ؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کی مذمت کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کرے؟۔

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري، ۹: ۳۷۸۹، الناشر: دار الفكر - بيروت، لبنان

﴿۱۰﴾

حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۴۲ء)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: عبدالحق، کنیت: ابوالمجد، تخلص: حقی، محدث دہلوی: عرف، والد کا نام: سیف الدین اور دادا کا نام: سعد اللہ ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری... الخ۔''[1]

خاندان:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سربرآوردہ اور ذی وجاہت خاندان کے فرد تھے، وہ نسلاً ترک تھے، اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق "ماوراء النہر" سے تھا، سب سے پہلے اس خاندان کے آغا محمد ترک بخاری سلطان علاء الدین خلجیؒ کے زمانہ میں بخارا سے ''دہلی'' آئے، وہ اپنے خاندان کے سردار اور سربراہ تھے، اس لئے اُن کے ہم راہ بہت سے ترک بھی اپنا اصل وطن چھوڑ کر ''دہلی'' چلے آئے، جن میں ان کے اعزہ واقرباء کے علاوہ مریدین ومتوسلین اور خدام بھی تھے۔[2]

---

[1] (اخبار الاخیار، ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

[2] (اخبار الاخیار، ص ۲۷۹، ۲۸۰، ناشر مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

ولادت باسعادت:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی ذی حیثیت اور ممتاز گھرانے کے فرد تھے۔ آپؒ مؤرخہ محرم الحرام ۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ء کو "دہلی" میں پیدا ہوئے۔ "شیخ اولیاء" سے آپؒ کی تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم اُن کے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، پڑھائی میں آپؒ کے والد ماجد کی ساری توجہ آپؒ ہی کی جانب مرکوز ہوگئی تھی اور ہر وقت آپؒ کو اپنے ساتھ رکھ کر آپؒ کی تعلیم تربیت میں مشغول رہتے۔ آپؒ نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں "شرح شمسیہ" اور "شرح عقائد" پڑھیں اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں آپؒ "مطول" اور "مختصر المعانی" ختم فرما چکے تھے۔ پھر ایک دو برس کے اندر علوم عقلیہ سے آپؒ نے فراغت حاصل کی، اس کے بعد آپؒ قرآن مجید کے حفظ کرنے میں مشغول ہوگئے، اور تقریباً سال، سوا سال میں آپؒ نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا۔[1] اس طرح تعلیم اور حفظ قرآن مکمل کر لینے کے وقت آپؒ کی عمر لگ بھگ انیس بیس برس کے قریب ہوگی، جیسا کہ عبدالحمید لاہوریؒ نے بھی لکھا ہے۔[2]

مطالعہ سے شغف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں علم کا شوق اور مطالعہ کا ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ وہ بچپن ہی سے راحت و آرام، کھیل کود اور سیر و تفریح کی لذتوں سے ناآشنا رہے۔

چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

"زمانہ طفولیت ہی سے مجھے پتہ نہیں کہ کھیل کود کیا چیز ہے؟ نیند کیسی ہوتی ہے؟ مصاحبت اور لطف کس کو کہتے ہیں؟ آرام و آسائش کیا ہے؟ اور سیر و تفریح کیا ہوتی ہے؟:

شب خواب چہ سکون کدام است
خود خواب بعاشقاں حرام است

روزانہ سخت ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں دو بار دلی کے مدرسہ میں

---

[1] (اخبار الاخیار، ص ۲۹۱، ناشر: مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۲۷۸ھ)

[2] (بادشاہ نامہ، ۱/۳۴۱)

جاتا تھا، جو غالباً میرے گھر سے دو میل کے فاصلہ پر تھا، دوپہر کو گھر میں بس چند لقمے کھانے کے لئے رُکتا، تاکہ جسم و جان میں حرکت و قوت باقی رہے، اس سے زیادہ اس وقت گھر پر نہ رہتا، ایک مدت تک صبح ہونے سے پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتا اور چراغ کی روشنی میں ایک جزء لکھ لیتا، اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ گو سارا وقت مطالعہ اور پڑھی ہوئی کتابوں کی بحث و تکرار میں گزار رہتا تھا مگر اس کے باوجود ان شروح و حواشی کو جو نظر و مطالعہ سے گزرتے تھے لکھ لینا بھی ضروری سمجھتا تھا، رات کا زیادہ حصہ اور دن کا کچھ حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اور رات کا تھوڑا اور دن کا بڑا حصہ لکھنے میں گزرتا تھا۔" [1]

اساتذہ و شیوخ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد المتقین"، "اجازات الحدیث فی القدیم و الحدیث" اور "اسماء الاساتذین" کے نام سے جو کتابیں لکھی تھیں اُن میں آپؒ کے اساتذہ کا ذکر موجود ہے۔ غالباً آپؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپؒ کے اساتذہ کا اسی لئے کوئی ذکر نہیں کیا کہ خود آپؒ اُن کے بارے میں مستقل رسالے لکھ چکے ہیں، مگر آپؒ کے یہ رسالے اب دست یاب نہیں، اس لئے آپؒ کے عام اساتذہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا، تاہم تفحص و تلاش سے آپؒ کے جن اساتذہ کے نام معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) شیخ سیف الدین (۲) محمد سلیم (۳) شیخ عبدالوہاب متقی (۴) قاضی علی بن جار اللہ بن ظہیرہ قرشی مکی (۵) شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحرم مدنی (۶) شیخ حمید الدین بن عبداللہ سندھی مہاجرؒ۔ [2]

درس و تدریس کا آغاز:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۸۵ھ کے بعد اور حجاز کو روانگی سے پہلے درس و تدریس کا کام بھی سرانجام دیا، گو آپؒ کے عام سوانح نگاروں نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، مگر عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں:

"دریں سنین عمرش بہ عشرین رسید از پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس و چندے بہ نگارش افادہ گرم داشتہ بہ پائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید۔" [3]

---

[1] (اخبار الاخیار، ص ۲۸۲، ناشر مطبع ہاشمی میرٹھ، مطبوعہ ۱۳۷۸ھ)

[2] (تذکرۃ المحدثین: ۲/ ۱۳۱، ۱۳۲) [3] (بادشاہ نامہ: ۱/ ۳۳۱)

ترجمہ: جب آپؒ کی عمر بیس برس کی ہوئی اور آپ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تو منصب تدریس پر فائز ہوئے اور کچھ دنوں یہ شغل اختیار کرنے کے بعد حجاز مقدس روانہ ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

لیکن جیسا کہ آپؒ نے خود اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ: "تکمیل علوم کے بعد میں سات آٹھ برس سے زیادہ عرصہ تک دانش وران ماوراء النہر سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔" اس لئے بیس برس ہی کی عمر میں منصب درس وتدریس پر فائز ہو جانے کی بات محل نظر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ علمائے ماوراء النہر سے استفادہ کے بعد ۹۸۶ھ میں آپؒ درس وتدریس کی مسند پر متمکن ہوئے ہوں۔ بہر حال اس تفصیل سے اتنا معلوم ہوا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حجاز کو جانے سے پہلے بھی درس وتدریس کی خدمت سرانجام دی ہے۔ [1]

سفر حج وزیارت مدینہ:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے ارادے سے حجاز مقدس کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں آپؒ نے بڑے علمی وروحانی مراتب طے کئے، اور ہر سال حج وزیارت کعبہ سے مشرف ہو کر بیش از بیش روحانی برکتیں اور سعادتیں حاصل کیں، اور دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ کے انوار وبرکات بھی بھرپور طرح سے سمیٹے۔

کہا جاتا ہے کہ ۹۹۲ھ میں آپ مکہ معظمہ پہنچے اور فریضہ حج ادا کیا، پھر اس کے دس ماہ بعد مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۳ھ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، اور رجب ۹۹۸ھ کے اخیر تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لائے اور دوسرا حج کیا۔ پھر اس کے بعد شعبان ۹۹۹ھ کے آخری ایام میں "طائف" تشریف لے گئے اور پھر مکہ معظمہ واپس آ کر تھوڑی مدت تک قیام کرنے کے بعد اسی سال ہندوستان کے لئے واپس روانہ ہو گئے۔ [2]

تصانیف:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا بڑا اچھا ذوق عطا فرمایا تھا، جس

---

[1] (نزھۃ الخواطر، ۲/۴۳۴، ۴۳۵ بحذف وتصرف)

[2] (نزھۃ الخواطر، ۲/۴۳۵، ۴۳۶، بحوالہ جامعہ: ص ۱۴)

کی مقبولیت اور حسن قبول کا بعد کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ اجازۃ الحدیث في القدیم والحدیث ﴿۲﴾ اجوبۃ الاثنا عشر في توجیہ الصلوۃ علی سید البشر ﴿۳﴾ احوال الائمۃ الاثنا عشر ﴿۴﴾ اخبار الاخیار ﴿۵﴾ آداب الصالحین ﴿۶﴾ آداب اللباس ﴿۷﴾ آداب المطالعۃ والمناظرۃ ﴿۸﴾ اسماء الرجال والرواۃ المذکورین في کتاب المشکوۃ ﴿۹﴾ اسیناس انوار القبس في شرح دعاء انس ﴿۱۰﴾ افکار الصافیۃ في ترجمۃ کتاب الکافیۃ ﴿۱۱﴾ التعلیق الحاوي علی تفسیر البیضاوي ﴿۱۲﴾ الجواہر المضیۃ في شرح الدرر البہیۃ ﴿۱۳﴾ الفوائد في الفقہ والعقائد ﴿۱۴﴾ انتخاب المثنوي المولوي المعنوي ﴿۱۵﴾ الأنوار الجلیۃ في أحوال المشائخ الشاذلیۃ ﴿۱۶﴾ ایراد العبارات لبیان أھل الاشارات ﴿۱۷﴾ البناء المرفوع في ترصیص مباحث الموضوع ﴿۱۸﴾ تالیف القلب الألیف بذکر فہرس التوالیف ﴿۱۹﴾ تجلیۃ القلوب القدس الملکوت بشرح دعاء النصوت ﴿۲۰﴾ تحصیل البرکات والطیبات ببیان معنی التحیات ﴿۲۱﴾ تحصیل التعریف في معرفۃ الفقہ والتصوف ﴿۲۲﴾ تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورۃ والعادیات ﴿۲۳﴾ تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ ﴿۲۴﴾ ترجمۃ غنیۃ الطالبین (فی الفارسیۃ وھو نادر معدوم) ﴿۲۵﴾ ترجمۃ مکتوب النبي الأمي في تعزیۃ ولد معاذ بن جبل ﴿۲۶﴾ ترجمۃ منہج السالک الی أشرف المسالک ﴿۲۷﴾ ترغیب أھل السعادات علی تکثیر الصلوۃ علی سید الکائنات ﴿۲۸﴾ تسلیۃ المصاب لنیل الأجر والصواب (في الصبر) ﴿۲۹﴾ تکمیل الایمان وتقویۃ الایمان ﴿۳۰﴾ تنبیہ العارف بما وقع في العوارف ﴿۳۱﴾ توصیل العرید الی المراد ببیان أحکام الأحزاب والأوراد ﴿۳۲﴾ جامع البرکات ﴿۳۳﴾ جذب القلوب الی دیار المحبوب ﴿۳۴﴾ جواب بعض کلمات شیخ أحمد سرھندي ﴿۳۵﴾ حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ ﴿۳۶﴾ الدرۃ البہیۃ في اختصار الرسالۃ الشمسیۃ ﴿۳۷﴾ الدرۃ الفرید في بیان قواعد التجوید ﴿۳۸﴾ دفاتر ﴿۳۹﴾ ذکر سلوکي ﴿۴۰﴾ رسالۃ البات توقیت ﴿۴۱﴾ رسالۃ أقسام الحدیث ﴿۴۲﴾ رسالۃ تنبیہ أھل الفکر برعایۃ آداب الذکر ﴿۴۳﴾ رسالۃ ذکر الأحوال والأقوال بھذہ

على رعاية طريق الاستقامة والاعتدال ﴿۴۴﴾ رسالة شب برأت ﴿۴۵﴾ رسالة عقد الأنامل ﴿۴۶﴾ رسالة في أسرار الصلوة ﴿۴۷﴾ رسالة نورية سلطانية ﴿۴۸﴾ رسالة وجودية ﴿۴۹﴾ زاد المتقين ﴿۵۰﴾ زبدة الآثار منتخب بهجة الأسرار ﴿۵۱﴾ شرح أسماء الرجال للبخاري ﴿۵۲﴾ شرح سفر السعادة ﴿۵۳﴾ شرح الشمسية ﴿۵۴﴾ شرح الصدور بتفسير آية النور ﴿۵۵﴾ شرح فتوح الغيب ﴿۵۶﴾ شرح القصيدة الجزرية ﴿۵۷﴾ صحيفة المودة ﴿۵۸﴾ فصول الخطب لنيل أعالي الرتب ﴿۵۹﴾ كتاب الفوائد والصلوة ﴿۶۰﴾ ماثبت بالسنة في أحكام السنة ﴿۶۱﴾ مدارج النبوة ﴿۶۲﴾ مرج البحرين ﴿۶۳﴾ مكتوبات و رسائل ﴿۶۴﴾ نكات الحق والحقيقة من معارف الطريقة ﴿۶۵﴾ نكات العشق والمحبة في تطيب قلوب الأحبة ﴿۶۶﴾ وصيت نامه ﴿۶۷﴾ هداية الناسك الى طريق المناسك ﴿۶۸﴾ اشعة اللمعات شرح مشكوة (في الفارسية) ﴿۶۹﴾ لمعات التنقيح على مشكوة المصابيح [1]

وفات حسرت آیات:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مؤرخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) کو دارالسلطنت دہلی میں ہوئی، اُس وقت آپ کی عمر مبارک چورانوے (۹۴) برس تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا نماز جنازہ آپ کے فرزند ارجمند شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور "حوض شمسی" کے قریب ایک قبرستان میں دفن کیے گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قبر پر ایک لوح لگانے کی بھی وصیت فرمائی تھی جو آن کے صاحب زادے شیخ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لگائی اور اُس پر تاریخ وفات اور مختصر حالات بھی جامعیت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ آپ کی قبر مبارک آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ [2]

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاندین وحاسدین کے عناد وحسد اور اُن کے کینہ بغض سے کسی بھی طرح محفوظ نہ رہے۔

---

[1] (تذکرۃ المحدثین (باختصار): ۲/۵۲۸ ـــ ۵۶۱)

[2] (تذکرۃ المحدثین (باختصار): ۲/۵۲۴ ـــ ۵۲۵)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب آپ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "نقد" کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کردار زیر بحث ہے۔ موصوف نے "شرح سفر السعادۃ" میں اس بات کی تائید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ علامہ عبدالعزیز فرہاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ولم ينصف الشيخ عبد الحق الدهلوي في شرح سفر السعادة فانه اقر كلام المصنف ولم يتعقب كتعقبه علىٰ سائر تعصباته"۔[1]

[1] التحفة عن طعن معاوية: ص ۳۴ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۲)

ترجمہ: اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "شرح سفر السعادۃ" میں انصاف نہیں کیا۔ کیوں کہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعقب کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں "عدم صحت روایت" سے کیا مراد ہے؟

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سر آنکھوں پر تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "خلق" کا ہوں میں جو یہ مقبول ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے تو یہ قول صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ دوسرے بھی کئی اہل علم کا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھ کر فارغ ہوئے تو چاہا کہ جامع دمشق میں لوگوں کے سامنے اس کتاب کو بیان کر دیں، تاکہ وہاں کے لوگ جو بنی اُمیہ کی مدت مدید تک شام میں سلطنت کے باعث نواصب کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے ہیں، ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ (ابھی آپ نے) اس کتاب کا تھوڑا ہی حصہ بیان کیا تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ "امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی آپ نے تحریر کچھ کیا ہے؟" امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ انہیں سر بسر نجات مل جائے، اُن کے فضائل ہی کہاں ہیں؟" بعض کہتے ہیں کہ "آپ نے یہ بات بھی فرمائی تھی کہ "میرے

نزدیک اُن کے مناقب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں، سوائے "لا أشبع الله بطنه" کے۔" (یعنی سے) عوام الناس نے اُن پر تشیع کا الزام جڑ دیا اور چند ضریبیں اُن کے خصیتین میں لگیں جن کی وجہ سے وہ نیم جاں ہو گئے۔[1]

لہٰذا اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے تو یہ قول بالکل درست نہیں، اس لئے کہ متعدد روایات جو "حسن" درجہ کی ہیں وہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں، اگرچہ اُن کا درجہ اصطلاحی صحت کے درجہ سے کم ہے۔ اور جو روایات حسن درجہ کی ہوں وہ محدثین عظام کے نزدیک مقبول ہوتی ہیں اور اُن سے احکام شرعیہ بھی ثابت ہوتے ہیں اور یہ اُصول علمائے کرام کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان احادیث کا پایا جانا جو حسن درجہ کی ہوں عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ووافی ہیں۔

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

"اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیوں کہ متعدد روایات جو درجۂ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجۂ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا احسان روایات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔"

چنانچہ مولانا عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"فان أريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين فلا خير، فان فحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالأحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا يحط ما في المسند والسنن عن درجة الحسن."[2]

---

[1] (بستان المحدثین للدهلوي: ص ۱۱۱) [2] (التحفة عن طعن أمير المؤمنين معاوية: ۱/۶۸ بالناشر: غرباء للنشر والتوزيع، الكويت، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۳/۶۶۳، ۶۶۴، ناشر: دار الکتاب اردو بازار، لاہور)

ترجمہ: پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے۔ اور اگر صحت سے "صحة مصطلحة عند المحدثين" مراد ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اس کا دائرہ تنگ ہے۔ اور عام احکام اور فضائل جو ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے احادیث حسان ہی سے ثابت ہیں۔ اور مسند اور سنن کی احادیث درجہ حسن سے کم تر نہیں ہوتیں۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یا بعض دوسرے علماء نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ: "ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔" تو اس سے وہ صحیح مراد نہیں جس کی ضد "خطا" آتی ہے اور جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی قابل اعتماد حدیث مروی نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت احادیث مروی ہیں۔ بلکہ اس "صحیح" سے مراد محدثین عظام کا اصطلاحی "صحیح" مراد ہے جس کا درجہ حسن سے اوپر کا ہوتا ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں:

"اکابر علمائے کرام نے محدثین کی مصطلحات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا قول: "لا يصح ولا ثبت هذا الحديث" کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے، حالاں کہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت "موضوع" ہے یا "ضعیف" ہے بلکہ ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بناء پر صادر ہوا ہے۔"

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"كثيراً ما يقولون ما لايصح ولايثبت هذا الحديث . ويظن منه من لا علم له أنه موضوع أو ضعيف وهو مبني على جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه على مصرحاتهم."[1]

---

[1] الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي (ص ۸۶، ۸۷)۔ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۲/۲۹۸، ناشر: دار الاشاعت اردو بازار، کراچی)

ترجمہ: بہت سی دفعہ علماء جو یہ کہتے ہیں کہ "لایصح ولا ثبت هذا الحدیث" تو اس سے کم علم لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث "موضوع" ہے یا "ضعیف" ہے، اور یہ چیز مصطلحات حدیث سے جاہل اور محدثین عظام کی تصریحات سے ناواقف ہونے پر مبنی ہوتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

مسئلہ ہذا پر چند تمثیلات:

چنانچہ اہل علم کی خاطر کے باعث اس کی چند ایک تمثیلات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ – قال الحافظ ابن حجر في تخريج أحاديث الأذكار المسمّى بنتائج الأفكار : ثبت عن أحمد بن حنبل أنه قال : لاأعلم في التسمية أي في الوضوء حديثاً ثابتاً – قلت : لايلزم من نفي العلم ثبوت العدم . وعلى التنزل : لايلزم من نفي الثبوت ثبوت الضعف ، لاحتمال أن يراد بالثبوت الصحة فلا ينفي الحسن ."[1]

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار" میں فرماتے ہیں کہ: "امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: "وضوء میں تسمیہ کے متعلق کوئی ثابت حدیث مجھے معلوم نہیں۔" میں کہتا ہوں کہ: "علم کی نفی سے نہ ہونے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور بر سبیل تنزل نفی کے ثبوت سے ضعف کا ثبوت لازم نہیں آتا کیوں کہ اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ "ثبوت" سے "صحت" مراد ہو، لہٰذا حسن منفی نہیں ہوتا۔ (ترجمہ ختم)

۲ – وقول الامام أحمد "لايصح" لايلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيم . فقد يكون الحديث غير صحيح ، وهو صالح للاحتجاج به بان يكون حسناً . والله تعالى أعلم ."[2]

ترجمہ: اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول: "لایصح" سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو جیسا کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھ رکھا ہے، اس لئے کہ کبھی ایک حدیث "صحیح" نہیں ہوتی، لیکن "حسن" ہونے کی

---

[1] (الرفع والتكميل في الجرح والتعديل : ۱۹۴/۱ ، الناشر : مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب)

[2] (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاد الشنيعة الموضوعة للكناني : ۱۵۸/۲ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت) و (الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة لملا علي القاري : ۴۷۴/۱ ، الناشر : دار الأمانة / مؤسسة الرسالة ، بيروت)

حجت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (ترجمہ ختم)

۳ - وقال نور الدين السمهودي في جواهر العقدين في فضل الشرفين ، قلت : لايلزم من قول احمد في حديث التوسعة على العيال يوم عاشورآء لايصح أن يكون باطلاًفقديكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به اذا الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف . انتهى "[1]

ترجمہ: علامہ نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے "جواهر العقدين في فضل الشرفين" میں لکھا ہے کہ "میں کہتا ہوں کہ عاشورہ کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کہ "یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔" سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث باطل ہے، اس لئے کہ بعض دفعہ ایک حدیث صحیح نہیں ہوتی، حالاں کہ وہ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے (بایں طور کہ وہ حسن ہو) کیوں کہ "حدیث حسن" کا مرتبہ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان ہوتا ہے۔ انتهى "(ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ "لایصح" کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر، ابن عراق، علامہ نورالدین ہیثمی، مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہم نے واضح کر دیا ہے، جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں، اس سے واقع میں کوئی مقبول روایت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔" ع

خلاصۂ کلام:

الغرض شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اس سے وہ صحیح مراد نہیں کہ جس سے اس کا مفہوم مخالف لازم آتا ہے یعنی اگر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو پھر موضوع اور من گھڑت احادیث موجود ہوں گی یہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محدثین عظام کی اصطلاح کے مطابق اس سے وہ "حسن احادیث" مراد ہیں جو ضعیف سے اوپر کی درجہ کی ہوتی اور صحیح سے نیچے

---

[1] الرفع والتكميل في الجرح والتعديل المكتوي : ۱/۱۹۵، ناشر: مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب)

ع (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۲/۶۶۷ — ۶۶۹، ناشر: ادارۃ الکتاب اردو بازار، لاہور)

درجہ کی ہوتی ہیں۔ لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ ؓ کے فضائل میں کوئی صحیح درجہ کی حدیث موجود نہیں ہے، البتہ حسن درجہ کی احادیث ضرور موجود ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن صحابہ ؓ کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے ایک مضمون زیر عنوان "فضائل مدینۃ النبیؐ" میں فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبلؒ صحیح حدیث میں جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا۔ جابر ؓ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپؓ کی بینائی کمزوری کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا گیا: ''مصلحت وقت اسی میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے، تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس میں ابتلاء کے خوف سے محفوظ رہیں۔'' چنانچہ آپؓ اپنے دونوں صاحب زادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ سے باہر جا رہے تھے۔ ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکایک زمین پر گر پڑے۔ اس وقت آپؓ نے کہا: ''ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول خدا ﷺ کو ڈرایا۔'' آپؓ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کا ڈرانا کس طرح ہے؟ حالاں کہ حضور ﷺ اس دار فانی سے دار بقاء کو تشریف لے جا چکے ہیں۔'' اس پر جابر ؓ نے جواب دیا کہ: ''پیغمبر خدا ﷺ سے میں نے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ:

''جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا، بے شک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔'' نسائی کی روایتوں میں آیا ہے: ''جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلماً ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''اس کا کوئی عمل فرض یا نفل قبول نہیں ہے۔'' نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سید فرماتے ہیں کہ: ''بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مشار الیہ، جس سے جابر بھاگے تھے، مسرف بن ارطاۃ تھا۔ اس لئے کہ قرطبیؒ ابن عبدالبرؒ سے

روایت لاتے ہیں کہ معاویہ بھیجنے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بُسر بن ارطاۃ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، تاکہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔ حضرت ابوایوب انصاری اس وقت امیر المؤمنین حضرت علی کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوف فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سے جا ملے۔ بسر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المؤمنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ کو معاویہ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر بن عبداللہ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جابر نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہ کی خدمت میں آئے اور ان سے صورت حال بیان کی اور بسر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیعت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے، لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے۔ ام سلمہ نے حضرت جابر کو چاروناچار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔ علماء نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے "لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے، جس میں رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً اُمیدی پائی جاتی ہے، یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا تال کار دربار جل جلالہ میں رحمت خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے اور اول اول اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے۔ جن کا دامن عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ کبیرہ کا حکم رکھتا ہے۔ جس طرح بعض علما جرم مکہ میں گناہ کے دوگنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔"[1]

مولانا اللہ وسایا صاحب نے حسب عادت دور مشاجرات کے "تیر ثابت"

---

[1] (ماہنامہ لولاک صفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۳۴ تا ۱۳۶)

واقعات کو "لولاک" کے اوراق کی زینت بنایا۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے طعن صحابہ ؓ کی تردید:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا منشا ان واقعات کے ذکر کرنے سے حضرات صحابہ کرام کی ذات کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانا ہرگز مقصود نہیں، بلکہ ان واقعات کے ذکر کرنے سے محض آپ کا مقصد مدینہ منورہ کے فضائل و مناقب بیان کرنا ہے، اور چوں کہ مدینہ منورہ کے فضائل کے ساتھ ساتھ مشاجرات صحابہ ؓ کے بھی بعض واقعات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں اس لئے بجا وہ بھی ان کے زمرے میں آگئے، اگرچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر موضوع سے وہ متعلق نہیں ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مضمون پر:

"فضائل مدينة النبي"

کا عنوان قائم کرنا ہمارے اس دعوے پر زور و زر دشن کی طرح شاہد عدل ہے۔

ہاشمی صاحب کا مشاجرات صحابہ ؓ کے ناقابل اعتماد واقعات سے غلط استدلال:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"پھر تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ حضرت بسر کے مقابلے کے لئے حضرت علی ؓ نے حضرت جاریہ بن قدامہ ؓ کو بھیجا تھا جنہوں نے بقول انہی مؤرخین کے پوری بستی کو جلا ڈالا اور حامیان سیدنا عثمان ؓ کو پکڑ پکڑ کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت ابو ہریرۃ ؓ نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت علی ؓ کے سپہ سالار جاریہ بن قدامہ ؓ کی آہٹ سن کر حالت نماز میں ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت جاریہ بن قدامہ ؓ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ:

"والله لو أخذت أبا سنور (أباهريرة) لضربت عنقه"

ترجمہ: اللہ کی قسم اگر میں ابو سنور (ابو ہریرۃ ؓ) کو پکڑ لیتا تو اس کی گردن مار دیتا۔

حضرت علی ؓ کے فرستادہ حضرت جاریہ ؓ کے مظالم، قتل و غارت آگ میں

جلانے کی سزا دینا اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی توہین کرنا، نیز پہلے اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنا کیا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں شامل نہیں ہیں؟ کیا حضرت علی ؓ نے حضرت جاریہ ؓ کو ان مظالم کے بپا کرنے پر کوئی سزا دی؟"[1]

مقام صحابہ ؓ اور تاریخی روایات کا مسئلہ:

یہ اور اس جیسے دوسرے مذکورہ بالا مشاجرات صحابہ ؓ سے متعلق واقعات چوں کہ ناقابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ تاریخی روایات پر مبنی ہیں، اس لئے ہم بسر بن ارطاۃ کے مظالم سے حضرت معاویہ ؓ کے صرف نظر کرنے اور حضرت جاریہ بن قدامہ ؓ کے مظالم سے حضرت علی ؓ کے صرف نظر کرنے سے ان دونوں حضرات کو معذور اور بری سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ ایک ایسے ابتلائی دور کے ناقابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ واقعات ہیں کہ جن کے بارے کوئی بھی حتمی رائے قائم کرنا از بس دشوار ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (مدظلہم) لکھتے ہیں:

"ہم ان زیادتیوں سے حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ دونوں کو بری سمجھتے ہیں اور ناقابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو مورد الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے، کیوں کہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔"[2]

پس ثابت ہوا کہ ان مشکوک اور ناقابل اعتماد تاریخی روایات و واقعات کی بناء پر کوئی بھی صحابی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں ہرگز شامل نہیں ہے۔

"بسر بن ارطاۃ" کی "صحابیت" اور "عدم صحابیت" کے متعلق بحث:

حضرت بسر بن ارطاۃ صحابی تھے یا تابعی؟ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ صحابی تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"یہ نظر رہے کہ حافظ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے حضرت بُسر بن ارطاۃ کو صحابہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] (تاریخ طبری ۴/۸۱ تحت ۴۰ھ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۷/۳۲۲ تحت ۴۰ھ، بحوالہ: (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ۱۳۶)

[2] (حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ص ۶۷، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے بھی حضرت بسر بن ارطات کا ذکر "القسم الأوّل" کے تحت کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"وقال الدار قطني: له صحبة. وقال ابن يونس: كان من أصحاب رسول الله..... وقال ابن حبان..... وله أخبار شهيرة في الفتن لاينبغي التشاغل بها."[1]

ترجمہ: امام دارقطنیؒ نے کہا کہ: "بسر بن ارطاۃ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔" اور ابن یونسؒ نے کہا کہ: "وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں۔" اور ابن حبانؒ نے کہا کہ: "ان دو رفتن کے کچھ واقعات مشہور ہیں ان میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔"[2]

بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق علماء کا مسلک:

جہاں تک بسر بن ارطاۃ کے صحابی اور عدم صحابی ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شامل کیا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء نے ان سے صحابیت کی نفی کی ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی:

لیکن اس موقع پر آپ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی طوطا چشمی اور ان کی علمی خیانت تو ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں جہاں انہیں بسر بن ارطاۃ کے صحابی ہونے کا قول نظر آیا وہ تو انہوں نے قطعی اور یقینی سمجھ کر نقل کر ڈالا اور جہاں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی عبارت میں ان کے صحابی نہ ہونے کا قول نظر آیا تو وہاں پر انہوں نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف نظر سے کام لیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول نقل نہیں کیا۔

چنانچہ ذیل میں پہلے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے ذکر

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ مع الاستیعاب: ص ۱۴۸ ج ۱ (تحت حرف الباء۔ القسم الأوّل) طبع بیروت سنہ ۱۳۲۸ ھجریہ۔ (بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۶، ۱۳۷)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۳۷)

کرتے ہیں کہ جس سے ہاشمی صاحب نے صرف نظر سے کام لیا اور پھر بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق کبار علمائے فن اسماء الرجال کی مختلف عبارات پیش کرتے ہیں جنہیں ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی بسر بن ارطاۃ کے متعلق اُن کے صحابی یا غیر صحابی ہونے کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں:

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بسر بن أرطاة ويقال : بن أبي أرطاة واسمه عمير بن عويمر بن عمران بن الحليس بن سيار بن نزار بن معبص بن عامر بن لؤي القرشي العامري الشامي أبو عبد الرحمان مختلف في صحبته روي عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثين أحدهما : " لاتقطع الأيدي في السفر " والآخر : " اللهم أحسن عاقبتنا في الأمور كلها " الحديث . وعنه جنادة بن أبي أمية وأيوب بن ميسرة بن حلبس وغيرهما ..... وقال بن سعد عن الواقدي : قبض النبي و بسر صغير ولم يسمع من النبي شيئاً . وقال بن يونس : بسر من أصحاب رسول الله ..... وقال بن عدي مشكوك في صحبته ..... وقال الدارقطني له صحبة ..... وقال الدوري عن بن معين أهل المدينة ينكرون أن يكون بسر سمع من النبي وأهل الشام يروون عنه عن النبي ..... وقال ابن حبان في الصحابة من قال بن أرطاة فقد وهم ."[1]

ترجمہ: بسر بن ارطاۃ۔ ان کو "بن ابی ارطاۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام عمیر بن عویمر بن عمران بن الحلیس بن سیار بن نزار بن معبص بن عامر بن لوی قرشی عامری شامی ابو عبدالرحمٰن ہے۔ ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے، نبی کریم ﷺ سے انہوں نے دو حدیثیں روایتیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے: "سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔" اور دوسری: "اے اللہ تمام اُمور میں ہماری عاقبت اچھی کردے۔" الحدیث۔ ان سے جنادہ بن ابی امیہ اور ایوب بن میسرہ بن حلبس وغیرہما نے روایت لی ہے..... ابن سعد واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ:

---

[1] (تهذيب التهذيب لابن حجر (بحذف): ۱/۴۳۵، ۴۳۶، الناشر: مكتبة دائرة المعارف النظامية، الهند)

''نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت بسر چھوٹے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' ابن یونس کہتے ہیں: ''بسر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ؓ میں سے ہیں.....'' ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ: ''ان کی صحابیت مشکوک ہے۔''.....دار قطنیؒ کہتے ہیں: ''ان کی صحابیت ثابت ہے۔'' دوریؒ ابن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''اہل مدینہ بسر کے سماع کی نبی اکرم ﷺ سے نفی کرتے ہیں۔ اور اہل شام نبی اکرم ﷺ سے ان کا سماع نقل کرتے ہیں۔'' ابن حبان ؒ کہتے ہیں کہ: ''جو شخص بسر بن ارطاۃ کو صحابہ ؓ میں شمار کرے تو یہ اُس کا وہم ہے۔ (ترجمہ ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"قيل له صحبة قال ابن معين رجل سوء أهل المدينة ينكرون صحبته."[1]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔ اہل مدینہ ان کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"مختلف في صحبته."[2]

ترجمہ: بسر کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

"وقال أحمد و ابن معين: لا صحبة له."[3]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی صحابیت ثابت نہیں ہے۔

علمائے فن اسماء الرجال کی محولہ بالا مختلف عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت بسر بن ارطاۃ کا صحابی ہونا یا صحابی نہ ہونا علمائے فن کے نزدیک مختلف فیہ ہے، اس لئے کوئی شخص انہیں قطعی اور یقینی طور پر صحابی کہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

---

[1] (لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ۱۸۳/۷، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت - لبنان)

[2] (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي: ٦٠/٤، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت)

[3] (خلاصة تهذيب تهذيب الكمال: ٤٧/١، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية / دار البشائر، حلب / بيروت)

''استلحاقِ زیاد'' کے متعلق شیخ دہلویؒ پر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ کی دوسری کتاب " ما ثبت بالسنة في أيام السنة " مع ترجمہ ''مؤمن کے ماہ و سال'' مطبوعہ دارالاشاعت کراچی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں: ''حضرت شیخ زیرِ عنوان:

" استطراد بذكر مصالحة امام المسلمين حسن بن علي و معاوية بن أبي سفيان ". (یعنی امام المسلمین حضرت حسنؓ بن علی ﷺ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ﷺ کی مکر و فریب سے بالکل علیحدگی اور باہمی میل ملاپ) لکھتے ہیں کہ:

''اسی سال ۴۳ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا نائب بنایا اور (اسلام) میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب ﷺ کی نفی (تبدیلی) کی گئی (ثعالبی وغیرہ)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب اور مترجم مولانا محمد الدین احمد دونوں سے ''سہو'' ہوا ہے کہ انہوں نے " استلحق " کی بجائے " استخلف " لکھ دیا۔ اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے:

''استلحق معاوية زياد بن سميه وهو اوّل قضية غيرفيها حكم النبي في الاسلام ذكر الثعلبي وغيره. "(از مؤلف کتاب)[1]

''استلحاقِ زیاد'' حضرت معاویہ ﷺ کی اجتہادی غلطی تھی!

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ نے ۴۳ھ میں زیاد کا استلحاق کر کے رسالت مآب ﷺ کے حکم کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا، لیکن ایسا آپ ﷺ نے اپنی ذاتی خواہشات یا سیاسی اغراض کے لئے ہرگز نہیں کیا تھا، بلکہ دراصل یہ آپ ﷺ کی ایک اجتہادی غلطی تھی جس کے نتیجہ میں یہ عمل آپ ﷺ کی ذات سے صادر ہوا تھا۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۳۸)

اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ ۴۴ھ میں جب حضرت معاویہ ؓ نے زیاد کا استلحاق کر لیا تو اُس وقت کے بعض کبار صحابہ ؓ کو آپ ؓ کا یہ استلحاق درست معلوم نہ ہوا، اس لئے اُنہوں نے یہ اعتراض کر دیا کہ مشہور شرعی قاعدہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ

"الولد للفراش وللعاهر الحجر ."[1]

ترجمہ: بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

لہٰذا یہاں پر بھی چوں کہ زیاد عبید مولیٰ ثقیف کے بستر پر پیدا ہوا ہے اس لئے اُس کا نسب عبید ہی سے ثابت ہوتا ہے اس کا استلحاق کرنا اور حضرت ابوسفیان ؓ سے اس کا نسب ثابت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ جب کہ حضرت معاویہ ؓ کا اجتہادی مؤقف اس مسئلہ میں یہ تھا کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ کا محمل اُس وقت درست ہے جب کہ صاحبِ فراش کی طرف سے دعویٰ نہ پایا گیا ہو، اور اُس کے مقابلہ میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہو تو اُس صورت میں یہ استلحاق جائز ہے، خصوصاً اُس وقت جب کہ یہ اقرار زمانہ جاہلیت میں کیا گیا ہو۔

چنانچہ ایک مرتبہ اسی نوعیت کا ایک جھگڑا حضرت معاویہ ؓ کی خدمت میں پیش ہوا، جس میں ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے بیٹے حضرت عبدالرحمن ؓ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ "یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔" اس مسئلہ میں دوسرا فریق حضرت خالد بن ولید ؓ کے فرزند حضرت عبدالرحمن ؓ تھے، اُنہوں نے بیان کیا کہ: "یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔" جب فریقین کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت معاویہ ؓ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"الولد للفراش وللعاهر الحجر ."[2]

ترجمہ: بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

حضرت معاویہ ؓ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کیا کہ: "اے معاویہ ؓ! زیاد کے حق میں آپ ؓ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا۔" تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ: "رسول اللہ ﷺ کا

---

[1] (صحیح البخاری، ۱۵۳/۸، الناشر: دار طوق النجاة)

[2] (صحیح البخاری، ۱۵۲/۸، الناشر: دار طوق النجاة)

فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

اس طرح جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اجتہادی رائے کے خطاء ہونے پر نادم ہوئے تو بعد میں آپ نے اپنے سابقہ موقف کو ترک کر کے اس سے رجوع فرمالیا تھا۔

چنانچہ محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" و عن محمد بن اسحاق قال : ادعي نصر بن الحجاج بن علاط السهمي عبد الله بن رباح مولي خالد بن الوليد : مولاي ولد علي فراش مولاي . وقال نصر : أخي أوصاني (أبي) بمنزله . قال : فطالت خصومتهم فدخلوا معه علي معاوية وفهر تحت رأسه فدعيا فقال معاوية : سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : الولد للفراش وللعاهر الحجر " قال نصر : فأين قضائك هذا يا معاوية في زياد ؟ فقال معاوية : قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية . الحديث . رواه أبو يعلي واسناده منقطع ورجاله ثقات (مجمع الزوائد : ۱۳/۵) قوله عن محمد بن اسحاق الخ . قلت : انما ذكرته كيلا يحتج أحد ممن لا خبرة له بالحديث والفقه ولا المام له بالعلم بقصة استلحاق معاوية زيادا بأبي سفيان علي جواز استلحاق الأخ . فان الأمة انكرت ذلك من معاوية ولم يرض به أحد من أئمة الفقه والحديث . قال السيوطي في تاريخ الخلفاء : وفيها أي في عام الجماعة استلحق معاوية زياد بن أبيه . وهي أول قضية غير فيها حكم النبي صلي الله عليه وسلم . الخ ص ۷۵) قلت : ولكن أثر بن عباس هذا يدل علي رجوع معاوية من قضائه الي قضاء رسول الله صلي الله عليه وسلم صريحا وهو وان كان منقطعا فاحسان الظن بالصحابي وجب علي كل حال لا سيما اذا كان له وجه منقول ولو مرسلا أو منقطعا ، فافهم . فان قيل : هذا الأثر لايفيد حسن الظن به فانه لو لاه لحملنا فعله علي أنه فعل ذلك لعدم علمه

بقضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم في مثله . وأما هذا الأثر فانه يدل على أن معاوية تعمد تغيير حكم النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما علمه وسمعه . قلت : لا يصح القول بأن معاوية لم يكن يعلم قضاء النبي صلى الله عليه وسلم في مثل ذلك لكون هذا الحكم متواترا قد جاء عن بضعة وعشرين من الصحابة . قاله المناوي كما في العزيزي (٣/ ٤١٩) وثبت انكار الصحابة على معاوية استلحاقه زيادا كما ذكره أصحاب السير قاطبة وأما أنه تعمد تغيير حكم النبي صلى اله عليه وسلم بعد ما علمه فحاشاه من ذلك ،بل الظاهر أنه حمل قول النبي صلى الله عليه وسلم ﴿ الولد للفراش وللعاهر الحجر ﴾ على ما اذا ادعاه صاحب الفراش كما اذا ادعا عبد بن زمعة ابن وليدة أبيه في مورد الحديث ، وأما اذا لم يدعه وأقر آخر بأنه ابنه فكان عند معاوية الحاقه بالمقر لاسيما اذا ثبت أنه أقر به في الجاهلية قبل الاسلام . وزياد بن أبيه كانت أمه مولاة صفية بنت عبيد بن اسد الثقفي ، وكانت من البغايا بالطائف ، ولد زياد على فراش عبيد مولى ثقيف ، وكان عبدا فاشتراه زياد بألف درهم وأعتقه ، وانما يقال له قبل استلحاق معاوية اياه :زياد بن أبيه ، كما رواه محمد بن عثمان بن أبي شيبة في تاريخه باسناد صحيح عن ابن سيرين .وفيه دلالة على أن صاحب الفراش لم يكن ادعاه ولا أقر به وقد تقدم عمل أهل الجاهلية في أولاد البغايا والحاقهم بمن ادعاهم بقول القافة مرة وبقول البغايا الأخرى . وبقول المستلحق تارة وقد أقرهم الاسلام على ذلك ولم ينف أحدا عمن ألحقه أهل الجاهلية به قبل الاسلام وأبطل ذلك فيما يستقل به من الأمور وشهد عند معاوية زياد بن أسماء الحرمازي ومالك بن ربيعة السلولي والمنذر بن الزبير فيما ذكر المدائني بأسانيده وزاد في الشهود جويرية بن أبي سفيان والمستورد بن قدامة الباهلي

وابن أبي نصر الثقفي وزيدبن نفيل الأزدي وشعبة بن العلقم المازني ورجل من حي عمربن شيبان ورجل من بني المصطلق شهدوا كلهم علي أبي سفيان أن زيادا ابنه الا ابن المنذر فشهد أنه سمع عليا يقول : أشهد أن أبا سفيان قال ذلك رأي في الجاهلية قبل اسلامه)فخطب معاوية فاستلحقه (الاصابة: ۳/۴۳) فتكلم زياد فقال : ان كان ماشهد الشهود به حقا فالحمد لله وان يكن باطلا جعلتهم بيني وبين الله الخ فكان استلحاق معاوية اياه بناء علىٰ ما ثبت عنده عن أبيه أنه الحقه به في الجاهلية وأن الاسلام أقرهم علىٰ ماسلف منهم ثم رجع عن ذلك الىٰ الحق ، وتبين له خطأ اجتهاده في ذلك وعلم أنه لم يكن له الحاق من لم يشتهر نسبته الىٰ أبي سفيان ، ولا اقراره به في الجاهلية بشاهدة قامت عنده بذلك في الاسلام وعرف أن الولد للفراش ولو لم يدعه صاحب الفراش بشرط أن لا ينفيه ولا يجوز الحاقه بعاهر أبداً فقال : قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم خير من قضاء معاوية فافهم والله تعالىٰ أعلم ."[1]

ترجمہ: محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ نصر بن حجاج بن علاط سلمیؒ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ خالد بن ولید ؓ نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور نصر بن حجاج نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کا جھگڑا طول پکڑ گیا اور یہ حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے ۔۔۔ تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "بچہ اُسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔" پس نصر نے کہا کہ "اے معاویہ ؓ! زیاد کے حق میں آپ ؓ کا یہ فیصلہ کہاں گیا؟۔ تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ ؓ کے فیصلہ سے بہتر ہے۔"

---

[1] (اعلام النبلاء لظفر أحمد : ۱۵/۴۹۹ ، ۱۰۰ ، الناشر : ادارة القرآن والعلوم الإسلامية ، كراتشي ، الطبعة ؟)

اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند منقطع ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزائد: ۱۴/۵)

قولہ عن محمد بن اسحاق..... الخ میں کہتا ہوں کہ میں محمد بن اسحاق کا اثر اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ جس شخص کو حدیث اور فقہ سے واقفیت نہ ہو اور حضرت معاویہ ﷺ کے زیاد کے استلحاق اور اُس کا حضرت ابوسفیان ﷺ سے نسب ثابت کرنے کے واقعہ کا علم نہ ہو، کہیں وہ اس واقعہ سے بھائی کے استلحاق کے جواز پر حجت نہ قائم کرلے اس لئے کہ اُمت نے استلحاق زیاد کے واقعہ کا حضرت معاویہ ﷺ سے انکار کیا ہے، اور ائمہ فقہ وحدیث کے علماء اس واقعہ کو ماننے کے لئے کسی بھی طرح تیار نہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ "اسی سال (عام الجماعۃ میں) زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور یہ پہلا معاملہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے حکم کو بدلا گیا ہے۔" (ص ۷) میں کہتا ہوں۔ "لیکن محمد بن اسحاق" کا یہ اثر حضرت معاویہ ﷺ کا اپنے فیصلہ سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنے پر صراحت کے ساتھ دلالت کر رہا ہے، اور محمد بن اسحاق کا یہ اثر اگرچہ منقطع ہے لیکن صحابی رسول کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر بہر حال اس کو ماننا واجب اور ضروری ہے، بالخصوص جب کہ وہ ایک طرح سے منقول بھی ہے اگرچہ مرسل یا منقطع ہے، سمجھا کریں نا! تاہم اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ یہ اثر صحابی رسول ﷺ کے ساتھ حسن ظن رکھنے میں مفید نہیں، کیوں کہ اگر ہم اس اثر کو موجود نہ مانیں تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت معاویہ ﷺ نے یہ فعل (استلحاق زیاد) اس وجہ سے کیا کہ انہیں ان جیسے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے بارے میں علم نہیں تھا، اور اگر ہم اس اثر کو موجود مانیں تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت معاویہ ﷺ نے سنے اور جانے کا باوجود رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کو ان جیسے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا علم نہیں تھا، اس لئے کہ یہ حکم تو اتر کے ساتھ بیس صحابہ کرام ﷺ سے مروی ہے۔ قالہ المناوی۔ جیسا کہ عزیزی میں ہے۔ (۴۱۹/۳)

''استلحاقِ زیاد'' کے معاملہ میں حضرات صحابہ کرام ؓ کا حضرت معاویہ ؓ پر انکار ثابت ہے، جیسا کہ تمام اصحاب سیر نے ذکر کیا ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کے فیصلے کو بدلنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ بات حضرت معاویہ ؓ کی شان سے بہت بعید ہے، بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ''بچہ اُسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔'' اس معنی پر محمول کیا ہے کہ جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ کر دے (تو اُس صورت میں بچہ صاحب فراش کے لئے ہوتا ہے اور عاہر کے لئے پتھر ہوتے ہیں) جیسا کہ عبد بن زمعہ الولید قابیہ نے مورد حدیث میں دعویٰ کیا ہے۔ اور جب صاحب فراش بچے کا دعویٰ نہ کرے اور دوسرا اس بات کا اقرار کرے کہ بچہ میرا ہے تو اُس صورت میں حضرت معاویہ ؓ کے نزدیک اقرار کرنے والے کے ساتھ بچہ کا استلحاق کر دیا جائے گا، خصوصاً اُس وقت جب کہ اُس نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بچہ کے نسب کا اقرار کیا ہو۔ زیاد بن ابیہ کی والدہ سمیہ بنت عبید بن اسد ثقفی کی لونڈی تھی اور طائف کی طوائف میں سے تھی، زیاد کا تولد عبید مولی ثقیف کے بستر پر ہوا تھا، عبید غلام تھا جسے زیاد نے ہزار درہم کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ کے اس کو استلحاق سے پہلے زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا، جیسا کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں صحیح سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فراش (عبید مولی ثقیف) نے نہ زیاد کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنے سے اُس کے نسب کے ثابت ہونے کا اقرار کیا۔ اور پیچھے طوائف کی اولاد اور اُن کے الحاق کے بارے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ عمل گزر چکا ہے کہ وہ کبھی قیافہ شناش لوگوں کی باتوں سے، کبھی طوائف کی باتوں سے اور کبھی اُس شخص کی باتوں سے کہ جس کا استلحاق کیا ہے ثبوت نسب کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اسلام نے اُن کو اس دعوے پر ثابت رکھا اور جن لوگوں نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اپنے ساتھ کسی کا استلحاق کیا تھا اُن میں سے کسی کے دعوے کی نفی نہیں کی، لیکن آئندہ پیش آنے والے معاملات میں اس طرح کے

استلحاق کو باطل قرار دیا۔ حضرت معاویہ ؓ کے سامنے زیاد بن اسماء الحرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، في ما ذكر المدائني باسانيده، وزاد في الشهود " جویریہ بنت ابی سفیان، مستورد بن قدامہ الباہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمر بن شیبان کے قبیلے کے ایک آدمی، اور بنو المصطلق میں سے ایک آدمی وغیرہ سوائے ابن منذر کے باقی تمام لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان ؓ کا بیٹا ہے۔ ابن منذر نے یہ گواہی دی کہ میں نے حضرت علی ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "ابو سفیان ؓ نے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں زیاد کے نسب کا دعویٰ کا تھا۔" اس کے بعد حضرت معاویہ ؓ نے خطبہ پڑھا اور آپ ؓ نے زیاد کا استلحاق کر لیا۔ (الاصابہ ۳/۴۳) زیاد نے جب یہ سنا تو اُس نے کہا کہ: "اگر تو جو کچھ گواہوں نے گواہی دی ہے حق (اور واقعہ کے مطابق) ہے پھر تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اور اگر باطل (اور خلاف واقعہ) ہے تو پھر میں ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ ؓ نے اس لئے زیاد کا استلحاق کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ ان کے والد نے زمانہ جاہلیت میں زیاد کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا تھا اور یہ کہ اسلام زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو جس پردہ تھے اسلام کے بعد بھی اُس پر ثابت رکھتا ہے، لیکن پھر آپ نے بعد میں اپنے اس غلط موقف سے حق بات کی طرف رجوع کر لی تھی، اور ان کے سامنے اُن کی اجتہادی غلطی واضح ہو گئی تھی، اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ جس شخص کی نسبت ابوسفیان ؓ کی طرف مشہور نہیں ہے اُسے ابوسفیان ؓ کے ساتھ لاحق کرنا اور زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان ؓ کا اُس کے نسب کا اقرار کرنا جس کی گواہی زمانہ اسلام میں لوگوں نے میرے سامنے پیش کی ہے میرے لئے جائز نہیں ہے۔ اور انہوں نے جان لیا کہ بچہ صاحب فراش ہی کا ہوتا ہے اگرچہ صاحب فراش بچہ کا دعویٰ نہ کرے، بشرطیکہ اس کے نسب کی نفی بھی نہ کرے۔ اور جائز نہیں ہے اس کو کبھی بھی زانی کے ساتھ ملحق کرنا، پس حضرت معاویہ ؓ پکار اُٹھے کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ ؓ کے فیصلہ سے بہتر ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

مذکورہ بالا تفصیل سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ "استلحاق زیاد" کا صدور حضرت معاویہ ؓ سے ہوا تھا اور وہ بھی خطائے اجتہادی کے نتیجے میں تھا، کسی ذاتی خواہش یا کسی سیاسی غرض کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، نیز اس خطائے اجتہادی سے بعد میں آپ ؓ نے کھلے دل سے رجوع بھی فرمالیا تھا اور اس بات کا برملا اعلان کردیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ (ؓ) کے فیصلہ سے بہتر ہے۔

اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ "اسی سال یعنی ۴۳ھ میں امیر معاویہ ؓ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور (اسلام) میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب ﷺ کی نفی (تبدیلی) کی گئی۔" تو وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے اور کسی بھی طرح اس کی نفی نہیں کی جاسکتی لیکن اس کے باوجود شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض بدستور قائم رہتا ہے کہ پھر انہوں نے اس مسئلہ میں حضرت معاویہ ؓ کا رجوع کیوں نقل نہیں کیا، تاکہ ان کی ذات سے اس دھبہ کا نشان مٹ جاتا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے محمد بن اسحاق کا وہ اثر نہ گزرا ہو جس میں حضرت معاویہ ؓ کا "استلحاق زیاد" سے رجوع ثابت ہے۔

لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے والے دو آدمی:

پروفیسر طاہر بانی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) بحوالہ حسن بصری لکھتے ہیں کہ "لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ لگانے والے صرف دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک عمرو بن عاص ؓ ہیں جنہوں نے امیر معاویہ ؓ کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا ..... اور دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہ ؓ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہ ؓ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکم نامہ کی وصول یابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ ؓ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور یہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہ ؓ نے تعویق کا سبب پوچھا، تو جواب دیا کہ "ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہوگئی۔" امیر معاویہ ؓ نے پوچھا "کیا معاملہ تھا بتاؤ؟" مغیرہ ؓ نے جواب دیا "آپ ؓ کے بعد یزید کی بیعت لینے کے لئے

زمین ہموار کر رہا تھا۔" دریافت کیا: "آپ تم نے یہ پورا کر لیا؟" جواب دیا: "جی ہاں۔" یہ سن کر امیر معاویہ ؓ نے کہا: "اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو۔" یہاں سے لوٹ کر مغیرہ ؓ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: "تمہاری کیسی رہی؟" مغیرہ ؓ نے کہا: "میں نے معاویہ ؓ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں، جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے۔" [1]

اصل ماخذ کو چھوڑ کر ثانوی ماخذ پر اعتراض کرنا مناسب نہیں!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اوپر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی (بحوالہ حضرت حسن بصری) جو عبارت نقل کی ہے اصل میں یہ عبارت شیخ دہلوی کی اپنی ذاتی نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ عبارت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تاریخ الخلفاء" سے نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں اسی طرح کی ایک عبارت مشہور حافظ الحدیث علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے جس کے آخر میں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے:

"قال الحسن : فمن أجل ذلك بايع هؤلاء لأبنائهم ولولا ذلك لكانت شورى الى يوم القيامة " [2]

ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اسی وجہ سے ان حضرات نے اپنے بیٹوں کے لئے بیعت لی اور اگر ایسے نہ ہوتا تو شوریٰ قیامت تک باقی رہتی۔ (ترجمہ ختم)

لہٰذا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ان علماء (حسن بصریؒ، علامہ ذہبیؒ اور امام سیوطیؒ) کو ہدف تنقید بناتے کہ جنہوں نے یہ عبارت اپنی اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ان کی کتابیں اس عبارت کے لئے اصل ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں اس کے بعد کہیں جا کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر اُترتے کہ جنہوں نے یہ عبارت محض نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔

اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے حضرت علی ؓ کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً اُمت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی۔

---

[1] (مؤمن کے ۱۸۰ سوال ص ۳۰، ۳۴ بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ۲۰ قرین ص ۱۳۰، ۱۳۸)

[2] تاریخ الاسلام و وفیات المشاهير والأعلام للذهبي ، ۲۷۲/۵ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

چنانچہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

"تحکیم کی پیش کش امیر معاویہ ؓ کی ہی طرف سے ہوئی تھی جب انہوں نے دیکھا کہ "لیلۃ الہریر" کی جنگ میں حضرت علی ؓ کو کامیابی ہو چکی تھی اور عمرو بن العاص ؓ نے کہا "میں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں جس کی وجہ سے علی ؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ہم سب کا اس میں بھلا ہوگا۔" امیر معاویہ ؓ نے پوچھا "وہ کون سی ترکیب ہے؟" عمرو بن العاص ؓ بولے "وہ یہ کہ ہم نیزوں پر قرآن مجید اٹھا کر اہل عراق کو دعوت دیں کہ "یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت حضرت علی ؓ نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ: "تم اس فریب میں نہ آنا، میں ان لوگوں کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں۔" لیکن عراقیوں کی ایک بڑی جماعت اس فریب میں آ چکی تھی۔ اس نے حضرت علی ؓ کو مجبور کر کے قرآن مجید کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ اب جنگ ملتوی ہو گئی اور یہ طے پایا کہ امیر معاویہ ؓ اور حضرت علی ؓ کی طرف سے ایک ایک نمائندہ منتخب کیا جائے اور یہ دونوں نمائندے جو فیصلہ کر دیں، اس کی پابندی سختی کے ساتھ کی جائے۔ ان مشیران کار نے یہ بھی کہا کہ "حضرت علی ؓ اس تجویز کو قبول کریں یا رد فرمائیں، بہرحال ہمارا فائدہ ہوگا۔"[1]

ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے، ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علی ؓ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش جو اب تقریباً ستر ہزار فرزندان اسلام کی لاشوں کے خاک و خون میں تڑپنے کے بعد کی جا رہی ہے، نیک نیتی پر نہیں بلکہ خدع و فریب پر مبنی ہے، مگر مشکل یہ تھی کہ عمرو بن العاص ؓ کی توقع کے مطابق اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اس لئے حضرت علی ؓ کے سامنے اس کو قبول کر لینے کے سوا کوئی اور چارہ کار تھا ہی کیا، مگر جو اقدام

---

[1] (تاریخ طبری ۶/ ۲۶، بحوالہ حسنائوں کا عروج و زوال ص ۳۸ ۔ ۴۰، ناشر ادارۂ اسلامیات، لاہور)

کسی غرض اور ذاتی منفعت کے پیش نظر کیا گیا ہو، اس میں اجتماعی خیر و برکت کی توقع کس حد تک ہو سکتی ہے؟ نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں۔ اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا۔ اب ذرا تصور کیجئے! حضرت علی ؓ کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمر بن العاص ؓ کے دماغ نے سوچی تھی، کس طرح اُمت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی۔ خوارج کا ظہور بھی اسی کا ایک شاخسانہ تھا۔ اس فرقہ کے عناصر پہلے سے موجود تھے، لیکن ان کو ابھرنے اور منظم ہونے کا موقع نہیں ملتا تھا، اب ان سب نے ایک مرکز پر جمع ہو کر ایک مستقل اور نہایت خطرناک محاذ قائم کر لیا۔ نہروان کا مقام اس فرقہ کی کوششوں کا خاص آماج گاہ تھا....."[1]

لیکن جیسا کہ ہم پیچھے یہ بات لکھ آئے ہیں کہ جس دور میں یہ واقعات پیش آئے تھے وہ ایک انتقالی اور آزمائشی دور تھا اور اس میں حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق دوسرے فریق سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا، اس لئے ان حالات میں بعض دفعہ اس قسم کی چیزوں کا پایا جانا ایک فطرتی امر تھا۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

"جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں وہ ایک انتقالی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کی کوشش میں تھا ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کار روائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔"[2]

پس معلوم ہوا کہ زیر بحث واقعات کا صدور جس دور میں ہوا تھا وہ ایک انتقالی دور تھا، جس میں حضرت علی

---

[1] (مسلمانوں کا عروج و زوال، ص ۳۸ — ۴۰، ناشر: دار الاشاعت اسلامیات، لاہور)

[2] (سیرت سیدنا امیر معاویہ ؓ، ۲/۵۲۱، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق اپنے مدمقابل دوسرے فریق سے سابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور ہر فریق ایک دوسرے کے علاقہ پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہا تھا۔ لہٰذا ابتلاء کے اس دور میں سنگین ترین حالات کے پیش نظر بعض مرتبہ دونوں طرف سے مظالم و مفاسد کا پایا جانا ایک فطرتی اور لابدی امر تھا۔ نیز ہر ایک فریق سے دوسرے فریق کے خلاف اس قسم کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہو جانا کچھ مستبعد بھی نہیں تھا۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عمرو بن العاص ﷺ کی تدبیر (تحکیم) کے نتیجہ میں اُمت چند در چند فتنوں اور شروں کے جنم لینے کا سبب بنی، جس کا واضح ثبوت "فرقہ خوارج" کا جنم لینا تھا جو حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا۔

اسی طرح جس دور میں یہ واقعات پیش آئے تھے وہ ایک ابتلائی دور تھا جس میں حالات کی نزاکت کے پیش نظر بعض (قلہ مفاسد اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر تھا اور فریقین میں سے ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صدور وقوع کچھ مستبعد نہ تھا۔

کیا واقعۂ حرہ میں حضرت معاویہ ﷺ بھی یزید کے برابر کے شریک ہیں؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"موصوف (شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی) ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ۔

"ابن ابی عشہ ﷺ روایت بیان کرتے ہیں کہ" مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ ﷺ نے جان کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ "مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک تلخ دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ ﷺ کے ذریعہ سے کرنا۔ اس لئے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ عہد بر نہیں دیکھتا ہوں۔" جب باپ کے بعد یزید پلید تخت امارت پر بیٹھا، جب اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی

لڑائی کو اختتام پر پہنچایا.....

واقدی کتاب الطرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف (مسلم بن عقبہ ؒ) کے پاس آیا۔ اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بستر ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ: "اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا۔ اس لئے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المومنین یعنی میرے والد بزرگ وار معاویہ بن ابی سفیان ؓ نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ: "اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ ؒ کے ذریعے سے کرنا۔"

مسرف اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ: "اے امیر المومنین! تجھے خدا کی قسم! اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے، کیوں کہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختان غرقد سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفان ؓ کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ ؒ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے اور اپنے دل کو قاتلان عثمان ؓ سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔

یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ: "ہوشیار رہ اور یہ برکت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو! تو جن لوگوں کا حریف ہوگا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تیغ بے تیغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیر ؓ کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا۔"[1]

---

[1] (راحت القلوب ص ۴۰، ۴۱، اردو ترجمہ "حدیث القلوب الی دیار المحبوب" بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین ؓ ص ۱۳۹)

تھوڑا آگے چل پر وفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ ؒ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ ؓ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔ ظاہر ہے اس واقعہ میں قتل وغارت، لوٹ مار اور "عصمت دری" کے جو سانحات رونما ہوئے تو اس میں حضرت معاویہ ؓ کا بھی حصہ ہے۔ اس روایت میں بھی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہی کی طرح ایک اور کذاب (عند المحدثین) جناب واقدیؒ تشریف فرما ہیں۔

قال أحمد بن حنبل : هو كذاب يقلب الأحاديث . قال ابن معين: ليس بثقة . وقال مرة: لايكتب حديثه . قال بخاري : متروك . قال أبو حاتم والنسائي : يضع الحديث ."[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: "واقدیؒ بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ احادیث کو اول بدل کر دیا کرتا تھا۔" ابن معینؒ نے کہا: "یہ ثقہ نہیں ہے۔" اور ایک مرتبہ کہا کہ: "اس کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں ہے۔" امام بخاریؒ نے کہا: "واقدیؒ متروک الحدیث ہے۔" جب کہ ابوحاتم اور نسائیؒ نے اسے احادیث وضع کرنے والا بتایا ہے۔

واقعۂ حرہ میں رُونما ہونے والے سانحات سے حضرت معاویہ ؓ کا دامن پاک ہے!

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ ؒ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ ؓ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا، جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں قتل وغارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو سانحات رُونما ہوئے ہیں ان میں حضرت معاویہ ؓ کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ تو:

اوّلاً تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کی یہ وصیت ان کے اپنے تجربہ، ذاتی مشاہدہ، اور ایک حسن تدبیر کی بنیاد پر تھی جس کے مستقبل میں رُونما ہونے والے المناک اور دردناک نتائج سے قطعی اور یقینی طور پر وہ لاعلم اور

---

[1] (میزان الاعتدال: ۳/ ۱۱۰) و (تهذيب التهذيب: ۹/ ۳۶۴ بحوالہ سیدنا معاویہ کے ناقدین ؓ، ص ۱۳۱)

ہے لبر تھے۔ بلکہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس واقعہ میں رُونما ہونے والے تمام تر سانحات کے تانے بانے بھی مشاجرات صحابہ ؓ کے دور ابتلاء سے ہی جا کر ملتے ہیں۔ اور مشاجرات صحابہ ؓ کے دور ابتلاء میں حضرات صحابہ کرام ؓ سے اس طرح کے واقعات کا رُونما ہونا ایک فطرتی امر ہے۔ کما مر آنفاً من غیر مرة

اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہ ؓ کی یہ وصیت نعوذ باللہ! ایک غلط کام کے پورا کرنے کی تھی تو سوال یہ ہے کہ یزید کو اتنا تو علم تھا کہ کسی گناہ کے کام کی وصیت کو پورا کرنا بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے پھر اس نے اس وصیت پر عمل کیوں کیا؟ بلکہ یہ تو اس کا اپنا ایک فعل تھا جس میں حضرت معاویہ ؓ کو برابر کا شریک اور حصہ دار بنانا بجائے خود ایک ظلم ہے۔ حضرت معاویہ ؓ تو ایک عظیم اور جلیل القدر کاتب وحی صحابی رسول ﷺ ہیں اور صحابہ کرام ؓ کی جملہ خطائیں اور لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں اس لئے اس واقعہ "حرہ" میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو جو سانحات رُونما ہوئے ہیں ان تمام تر سانحات میں حضرت معاویہ ؓ کو برابر کا شریک اور حصہ دار ٹھہرانا کسی طرح بھی قرین انصاف اور دانش مندی نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس واقعہ کے نقل کرنے میں کہ "یزید نے واقعہ "حرہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ ؓ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ ؓ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

فن حدیث و سیر و مغازی میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

باقی جہاں تک بات ہے اس روایت کے راوی امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے محدثین کے نزدیک ضعیف ہونے کی تو اس بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق ایک مختلف فیہ راوی ہیں جن پر جرح کرنے والے بھی بہت سارے علماء ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی بہت سارے علماء ہیں تاہم حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا مانا جائے۔ بلکہ وہ تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں۔

چنانچہ ادیب وقت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"واقدی تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشبہ امام اور کسی اختلاف کے

بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہے۔ البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں، ان پر جرح کرنے والے بھی ہیں اور ان کی تعدیل کرنے والے بھی۔ لیکن حدیث میں مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور (اسلامی) واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔"[1]

[1] (النجائے مسافر: ص ۱۳۲، ۱۳۳، ناشر: مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

باقی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:

"امام واقدیؒ بلا تفریق عند المحدثین کذاب راوی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں بڑا جھوٹا اور احادیث کو ادل بدل کر دینے والا راوی کہا ہے۔ ابن معینؒ نے انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ: "ان کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں۔" امام بخاریؒ نے انہیں "متروک الحدیث" کہا ہے۔ اسی طرح امام ابو حاتمؒ اور امام نسائیؒ نے انہیں "واضع الحدیث" کہا ہے۔"

تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ اپنی بغض و تعصب سے لبریز نیم علمی تحقیق ہے، جس کا فن جرح و تعدیل سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ میزان جرح و تعدیل میں:

اصل بات یہ ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل روایت حدیث میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تین جتھوں میں تقسیم ہیں۔ ایک بڑے طبقے نے ان پر جرح کی ہے، دوسرے طبقے نے ان کی تعدیل کی ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے جرح و تعدیل دونوں منقول ہیں۔

پہلا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے:

۱۔ جن حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے، ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ بلند ہیں۔ ان میں: امام بخاریؒ (۱) امام مسلمؒ (۲) امام ابوداؤدؒ (۳) امام نسائیؒ (۴) امام احمدؒ (۵) امام شافعیؒ (۶) یحییٰ بن معینؒ (۷) دارقطنیؒ (۸) علی بن المدینیؒ (۹) اسحاق بن راہویہؒ (۱۰) ابو حاتم رازیؒ (۱۱) امام ابوزرعہ الدمشقیؒ (۱۲) امام حاکمؒ (۱۳) وکیع بن جراحؒ (۱۴) ابن نمیرؒ (۱۵) علامہ ہیثمیؒ (۱۶) امام عقیلیؒ (۱۷) ابن عدیؒ (۱۸)

علامہ ابن الاثیر الجزریؒ (۱۹) وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض حضرات کے الفاظ جرح سخت اور بعض کے الفاظ ذرا نرم ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان تمام حضرات نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو "ضعیف فی الحدیث" قرار دیا ہے۔

دوسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے:

۲- ائمہ جرح وتعدیل کے ایک دوسرے طبقے نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے۔ ان میں دراوردیؒ (۲۰) ابوعبید قاسم بن سلامؒ (۲۱) مصعب زبیریؒ (۲۲) محمد بن سلام جمحیؒ (۲۳) ابراہیم حربیؒ (۲۴) معن بن عیسیٰؒ (۲۵) یزید بن ہارونؒ (۲۶) مجاہد بن موسیٰؒ (۲۷) سلیمان شاذکونیؒ (۲۸) ابن سعدؒ (۲۹) محمد بن اسحاق صنعانی (۳۰) رمادیؒ (۳۱) عبد اللہ بن سلیمانؒ (۳۲) ابو یحییٰ الازہریؒ (۳۳) اور مسیبیؒ (۳۴) وغیرہم حضرات شامل ہیں۔

ان میں سے بعض کے الفاظ تعدیل ہلکے ہیں اور بعض کے الفاظ انتہائی عقیدت کے ہیں۔ بلکہ دراوردیؒ نے تو انہیں "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہا ہے۔

تیسرا طبقہ جنہوں نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح وتعدیل دونوں کی ہیں:

۳- تیسرے طبقے میں وہ ائمہ ہیں جن سے جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔

چنانچہ امام مالکؒ سے تعدیل بھی منقول ہے (۳۵) اور جرح بھی۔ (۳۶) اسی طرح عبد اللہ بن مبارکؒ سے بھی جرح وتعدیل دونوں منقول ہیں۔ (۳۷)

اصحاب صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہؒ نے ایک حدیث واقدیؒ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں بھی نام کے بجائے "شیخ لنا" کے الفاظ ہیں۔ (۳۸)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقدیؒ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے امام ابن ماجہؒ نے ان کا نام لینے کی جسارت نہیں کی۔ (۳۹) لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ یہ تصرف ابن ماجہؒ نے نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ان کے شیخ ابن ابی شیبہ کا تصرف ہے۔ (۴۰)

حافظ مغلطائیؒ نے واقدیؒ کی حمایت اور ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کی حمایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واقدیؒ کی حمایت میں مغلطائیؒ نے تعصب سے کام لیا ہے، چنانچہ ان کو ثقہ قرار دینے والوں کا کلام تو ذکر کیا ہے، لیکن جنہوں نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے ان کے کلام سے خاموشی اختیار کرلی، حالاں کہ یہ عدد کے اعتبار سے بہت، حفظ واتقان کے حوالے سے پختہ اور واقدیؒ کو ان سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔" (۴۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس تبصرہ کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" ما للواقدي ؟ وقد روى عنه الشافعي ، وأبوبكر بن أبي شيبة ، و أبو عبيد ، وأبو خيثمة . وعن مصعب الزبيري : ثقة ، مأمون ، وكذا قال المسيبي وقال أبوعبيد : ثقة . وعن الدراوردي : الواقدي أمير المؤمنين في الحديث ." (٤٢)

ترجمہ: واقدیؒ کو کیا ہے؟ جب کہ امام شافعیؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ، ابوعبیدؒ اور ابوخیثمہؒ جیسے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔ مصعب زبیریؒ سے ان کے متعلق "ثقة ، مأمون" کے الفاظ منقول ہیں۔ مسیبیؒ نے بھی ان کے متعلق یہی الفاظ کہے۔ ابوعبیدؒ نے انہیں "ثقة" کہا۔ اور دراوردیؒ سے منقول ہے کہ: "واقدیؒ" أمير المؤمنين في الحديث " ہیں۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی رتبے کے لحاظ سے بھی وہ بلند ہیں۔ اس لئے فن حدیث میں واقدیؒ کے متعلق جرح کرنے والوں کا پلڑا بہر حال بھاری ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیر أعلام النبلاء" میں ان کے تذکرے کے شروع میں لکھا:

" ومع هذا فلا يستغني عنه في المغازي وأيام الصحابة وأخبارهم ." (٤٢)

ترجمہ: یعنی ضعیف ہونے کے باوجود مغازی، عہد صحابہ ؓ اور ان کے واقعات میں واقدیؒ سے بے نیازی نہیں برتی جاسکتی۔

اور ان کے تذکرہ کے آخر میں لکھا:

" مع أن وزنه عندي أنه مع ضعفه يكتب حديثه ، ويروي لأني لا اتهمه بالوضع ." (٤٣)

ترجمہ: اس کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک ضعیف ہونے کے باوجود واقدیؒ کا رتبہ یہ ہے کہ ان کی حدیث لکھی اور اس کی روایت کی جاسکتی ہے اس لئے کہ میں اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت نہیں لگاتا۔ (ترجمہ ختم)

حاصل یہ ہے کہ واقدیؒ مغازی اور تاریخ میں تو بلاشبہ امام ہیں اور حدیث میں ضعیف ہیں، لیکن اس قدر بھی ضعیف نہیں کہ ان کی روایت کو لینا درست ہی نہ ہو بلکہ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی اور بیان کی جاسکتی ہے۔" (٤٤)

پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلاشک وشبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلامی واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر کہا یا سمجھا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

(١) التاريخ الصغير للبخاري : ص ٢٢١ ، الناشر : ادارة احياء السنة ، گوجرانواله ، الباكستان ۔

(٢) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ٢٦/١٨٨ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ۔

(٣) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩/٣٦٧ ، الناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند ۔

(٤) الضعفاء والمتروكين للنسائي : ص ٣٠٣ ، ادارة احياء السنة گوجرانواله ، الباكستان ۔

(٥) موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل ، للسيد أبي المعالي وزفقائه : ٣/٢٩٧ ، الناشر : عالم الكتب بيروت ۔ و شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي : ٢/١٨ ، الناشر : دار الآفاق الجديد بيروت ۔

(٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦٦/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٧) الضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٨/٤ ، الناشر : المكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(٨) الضعفاء والمتروكين للدارقطني : ص ١٣٦ ، الناشر : سانكفه هل ، شيخوپوره ـ

(٩) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : ٢١/٤ ، الناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(١٠) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٢٩٨/٣ ، الناشر : عالم الكتب ، بيروت ، لبنان ـ

(١١) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٦٦٣/٣ ، الناشر : دار احياء الكتب العربية مصر ـ

(١٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١٥/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان ـ

(١٣) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٨٨/٢٦ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(١٤) الضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٧/٤ ، الناشر : المكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٥) الضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٧/٤ ، الناشر : المكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان ـ

(١٦) كشف الأستار عن زوائد البزار للهيثمي : ١٨١/١ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ و مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي : ١٦٨/٣ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٧) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٧/٩ ، الناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(١٨) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ١٤٣/٦ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ـ

(١٩) الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري : ٢١٩/٥ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ـ

(٢٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٥/٩ ، الناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند ـ

(٢١) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٩٠/٢٦ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ـ

(٢٢) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٥٨/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٥/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٢٤) معجم الأدباء لياقوت الحموي : ٢٨٧/١٨ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت .

(٢٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١١/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٢٦) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦١/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٧) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٥٩/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٢٨) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٤٦٥/٩ ، الناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند .

(٢٩) ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٦٦٥/٣ ، الناشر : دار احياء الكتب العربية مصر .

(٣٠) تهذيب التهذيب لابن حجر : ٣٦٥/٩ ، الناشر : دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد ، دكن الهند .

(٣١) موسوعة أقوال الامام أحمد بن حنبل للسيد أبي المعالي ورفقائه : ٣٠٠/٣ ، الناشر : عالم الكتب ، بيروت ، لبنان .

(٣٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١٤/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٣) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ١١/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٤) تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٩٢/٢٦ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٣٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ٨/٣ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان .

(٣٦) الضعفاء الصغير للبخاري : ص ٢٧٥ .

(٣٧) أنظر للجرح : الضعفاء الكبير للعقيلي : ١٠٩/٣ ، الناشر : المكتبة العلمية ، بيروت ، لبنان . وللتعديل : تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ١٨٩/٢٦ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت .

(٣٨) أنظر سنن ابن ماجة ، كتاب الصلاة ، باب " ماجاء في الزينة يوم الجمعة " : ص ١٠٩٥ .

(۳۹) سير أعلام النبلاء للذهبي : ٤٦٤/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت ۔

(٤٠) حاشية الكاشف لسبط ابن العجمي : ٢٠٥/٢ ، مؤسسة علوم القرآن ، جدة ۔

(٤١) فتح الباري شرح البخاري لابن حجر ، كتاب النكاح ، باب كثرة النساء : ١٤١/٩ ، قديمي كتب خانه كراتشي ۔

(٤٢) عمدة القاري شرح البخاري للعيني ، كتاب النكاح باب كثرة النساء : ٦٩/٢٠ ، ٧٠ ، ادارة الطباعة المنيرية ۔

(٤٤) التجائے مسافر: ص ۱۳۳۔۔۔۔۱۴۲، ناشر: مکتبہ عمر فاروق ؓ شاہ فیصل کالونی، کراچی۔

﴿۱۱﴾

علامہ احمد بن شیخ ابوسعید ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۱۳۰ھ)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی: احمد، لقب: ملا جیون، والد کا نام: ابوسعید، اور دادا کا نام: عبداللہ ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"احمد بن شیخ ابوسعید بن عبداللہ بن شیخ عبدالرزاق بن شاہ مخدوم ..... الخ۔"

آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

پیدائش اور سکونت:

آپؒ کے دادا عبداللہ کے جد امجد مخدوم خاصہ جو شیخ صلاح الدین دہلوی کی اولاد سے ہیں قصبہ "امیٹھی" کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ دہلی سے منتقل ہو کر قصبہ "امیٹھی" میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ ملا جیو اسی قصبہ "امیٹھی" میں ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال کی عمر قرآن پاک حفظ کیا، پھر تحصیل علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے اور یورپ کے متفرق قصبات میں رہ کر فضلائے عصر سے استفادۂ علوم کیا۔ درسیات میں سے اکثر کتب شیخ محمد صادق ترکھی سے پڑھیں، آخر میں ملا لطف اللہ گوردی جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کی۔ آپؒ کے تبحر علمی کے متعلق مولانا آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

''حاصل کلام الٰہی وورد انش عقلی ونقلی بحرلا تناہی۔''

ترجمہ: یعنی کلام الٰہی کے حاصل کرنے اور عقلی ونقلی دانش میں بحر بے کراں ہیں۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی، اور اپنے وطن میں درس دیتے رہے۔

قوت حافظہ وسادگی مزاج:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ وضع، غریب الطبع، منکسر المزاج، ہلن سار، اور رسمی تکلفات سے قطعاً بے گانہ اور قوت حافظہ میں یگانہ تھے، درسی کتابوں کی عبارتوں کے پورے پورے اوراق وصفحات حفظ اور بڑے بڑے قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد کر لیتے تھے۔

شاہ عالم گیر ملا صاحب کے سامنے:

چالیس سال کی عمر میں اجمیر شریف سے ہو کر دہلی پہنچے اور یہاں کافی مدت تک اقامت کی اور درس وافادہ کا مشغلہ جاری رہا۔ کشش طالع نے آپؒ کو شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ تک پہنچایا، شاہ جہاں نے آپ کو اورنگ زیب عالم گیر کی تعلیم کے لئے مقرر کیا، اور عالم گیر نے آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور پھر عمر بھر حد سے زیادہ اعزاز واحترام کرتا رہا۔ اسی طرح شاہ عالم خلف عالم گیر آپؒ کے سامنے لوازم تکریم بجالاتا اور شاہ فرخ سیر بھی آپ کی بڑی قدر ومنزلت کرتا تھا۔

زیارت حرمین شریفین:

پچپن (۵۵) سال کی عمر میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، یہاں بھی ایک مدت تک اقامت کی اور ظاہری و باطنی فیوض وبرکات سے مالا مال ہوئے۔ چار پانچ سال کے بعد واپس ہو کر ''بلاد دکن'' میں سلطان عالم گیر کے ساتھ چھ (۶) سال گزارے۔

حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری:

۱۱۱۲ھ میں پھر حرمین شریفین حاضری دی، ایک سال اپنے والد ماجد کی طرف سے، اور دوسرے سال اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے مناسک حج ادا کئے، اور یہیں کا درس نہایت تحقیق واتقان کے ساتھ مراجعت کتب وشروح کے بغیر دیا۔

تصوف وسلوک:

۱۱۱۶ھ میں ہندوستان واپس آکر اپنے وطن میں دو سال قیام کیا، اس زمانہ میں طریق سلوک وتصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی، اور شیخ یاسین بن عبدالرزاق قادریؒ سے ''خرقۂ خلافت'' حاصل کیا، پھر اپنے احباب ومریدین کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

ایک عجیب وغریب خواب:

صاحب آئینۂ اودھ شاہ سید محمد ابوالحسن مانک پوری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے خواب دیکھا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں (ملا جیون اور اُن کے برادر حقیقی ملا بوڈھن) کی انگلی پکڑے ہوئے چلا جارہا ہوں کہ اچانک ایک طرف سے ''سور'' دوڑا ہوا قریب میں آیا، میں نے ملا بوڈھن کو گود میں اٹھالیا اور وہ ملا جیون کا دامن چھوکر چلا گیا، جب بیدار ہوئے تو بہت متاسف ہوئے اور فرمایا کہ: ''سور'' کے چھونے کا مطلب دُنیا میں ملوث ہونا ہے، ملا بوڈھن اس سے بچ گیا۔''

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تاحیات سوائے اپنے کھانے اور کپڑے کے اور کسی طرح بادشاہ سے متمتع نہیں ہوئے اور نہ اپنے لئے کوئی ''ظروف'' مقرر کرایا، جب کہ بادشاہ خود اس کا متمنی رہتا تھا، لیکن بایں ہمہ احتیاط آپؒ کے والد نے اس قدر ملوث ہوجانے کی نسبت پہلے ہی فرمادیا کہ: ''اس کو دُنیا نے چھولیا۔''

تصانیف:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم اور مشہور تصانیف یہ ہیں:

﴿۱﴾ التفسیرات الأحمدیة في بیان الآیات الشرعیة (مع تالیفات المسائل الفقهیة) ﴿۲﴾ نور الأنوار في شرح المنار ﴿۳﴾ السوانح ﴿۴﴾ مناقب الأولیاء ﴿۵﴾ آداب احمدي

وفات حسرت آیات:

آپ نے ۱۱۳۰ھ میں بزبان اقبال یہ کہتے ہوئے:

آو! اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

کاشانۂ فردوس کو نشیمن بنایا۔ اور پچاس دن کے بعد نعش مبارک دہلی سے امبیٹھی لے جا کر اپنے مدرسہ میں دفن کی گئی۔ [1]

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال آپ کسی بھی طرح حاسدین و معاندین کے حسد و عناد سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"ملا جیون نے "نور الانوار" کے نام سے امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۰ھ) کی کتاب "المنار" کی شرح تحریر فرمائی ہے جو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔ اس میں موصوف فرماتے ہیں کہ:

"جب ہم اُمور "معترضة سماوية" کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب ہم اُمور "معترضة مكتسبة" یعنی ایسے اُمور کہ جن کے حصول میں بندوں کا بھی اختیار ہوتا ہے، کو شروع کریں گے اور ایسے اُمور کی بہت سی اقسام ہیں۔ پھر جہالت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم "جهل باطل" ہے، جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد ایک کافر کی جہالت اور خواہشات کے پیروکار کی جہالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احکام میں جیسے "معتزلہ" کی جہالت کہ انہوں نے صفاتِ الٰہی، عذابِ قبر، رؤیتِ باری تعالیٰ اور شفاعت کا انکار کیا۔ اور "باغی" کی جہالت، امامِ حق کی اطاعت سے دلیلِ فاسد سے استدلال کرتے ہوئے انکار کرنے والا۔ اور اس شخص کی جہالت جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے۔ اور اس شخص کی جہالت جو سنتِ مشہورہ کی مخالفت کرے۔ "والجهل في نحوه كجهل الشافعي في جواز القضاء بشاهد ويمين، فانه مخالف للحديث المشهور وهو قوله (صلي الله عليه وسلم) "البينة علي المدعي واليمين علي من انكر" واوّل من قضي به معاوية، وقد نقلنا كل هذا علي نحو ما قال

---

[1] (ظفر المحصلين بأحوال المصنفين (باختصار)، ۲۱۷ تا ۲۱۹، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

اسلافنا وان كنا لم نجتري عليه "[1]

اور سنت کی مخالفت کے ضمن میں جہالت کی مثال جیسے امام شافعیؒ کی جہالت ہے:

"ایک گواہ اور قسم سے فیصلے کے جواز میں، کیوں کہ یہ حدیث مشہور کے مخالف ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

" البينة علي المدعي واليمين علي من انكر "

ترجمہ: گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔

اور سب سے پہلے مدعی کی قسم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔ اور یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح اسلاف نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔

مذکورہ بحث میں "جہل باطل" کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ "جہل باطل" کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت میں "عذر" کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جس طرح ایک کافر کے لئے توحید و رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد اس کی جہالت آخرت میں عذر نہیں بن سکتی۔ البتہ "ذمی کافر" کے لئے دُنیا میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

جہل باطل کے تحت ایک قسم " جهل الباغي باطاعة الامام الحق متمسكا بدليل فاسد " بھی بیان کی گئی ہے۔ اگرچہ ناقدین و معاندین معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرتے ہیں لیکن اسے عمومی حیثیت میں بیان کیا گیا ہے۔

"جہل باطل" کی بحث میں آگے ملا جیون نے " والجهل في نحوه " میں سنت کی مخالفت کی مثال میں بے موقع و بے محل اور بالکل غیر ضروری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "جہل باطل" کی مثال پیش فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی مخالفت کی ہے جس کے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

" البينة علي المدعي واليمين علي من انكر "

---

[1] (نور الأنوار في شرح المنار: ص ۲۹۹، ۳۰۰، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۴۲، ۱۴۳)

ترجمہ: گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔

لیکن حضرت معاویہ ؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مدعی کی قسم پر فیصلہ صادر کیا۔

ملا جیونؒ نے حضرت معاویہ ؓ کی طرف جہالت کی نسبت اور انہیں مخالف سنت ثابت کر کے یہ سارا بوجھ اپنے اسلاف پر ڈال دیا ہے اور کہا ہے کہ:

" وقد نقلنا كل هذا على نحو ما قال أسلافنا وان كنا لم نجترئ عليه "

لیکن یہ مثالیں "مصدق لها" کے مطابق نہیں ہیں، کیوں کہ ایسا اجتہاد جو نص قطعی کے مخالف ہو اور وہ نص تاویل کو قبول نہ کرتی ہو تو ایسا اجتہاد قطعی طور پر "جہل باطل" ہے اور حضرت معاویہ ؓ اور امام شافعیؒ کی جو مثالیں ملا جیونؒ نے پیش کی ہیں وہ "جہل باطل" میں ہرگز نہیں آتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ملا جیونؒ نے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ:

"یہ سب کچھ ہم نے اسلاف سے نقل کیا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔"

حالاں کہ کتاب "المنار" (جس کی شرح ملا جیونؒ نے "نور الانوار" کے نام سے تحریر فرمائی ہے) میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں۔ ملا جیونؒ نے خود ہی انہیں " والجهل في نحوه " کے تحت لا کر "جہل باطل" میں شامل کر دیا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف اسے ایک صحابی کی شان میں بے ادبی بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلاف سے صحیح سمجھ کر نقل بھی فرما رہے ہیں۔

نور الانوار کے فاضل شیخی علامہ محمد عبد الحلیم (المتوفی ۱۲۸۵ھ) اپنے حاشیہ "قمر الاقمار" میں " لم نجترئ عليه " کے تحت فرماتے ہیں کہ:

" لأن في هذا البيان سوء الأدب "

ترجمہ: کیوں کہ اس بیان میں سوئے ادب پایا جاتا ہے۔

اس مثال میں حضرت معاویہ ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف "جہل باطل" کی

نسبت بالکل خلاف واقع اور نہایت ہی نارواجسارت ہے۔ حضرت معاویہ ﷺ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ "اجتہادی اختلاف" کے زمرے میں آتا ہے۔"[1]

صحابہ کرام ﷺ کا معمول بہا مسئلہ "جہل باطل" یا بدعت کے مرے میں نہیں آتا!:

اس میں شک نہیں کہ "القضاء بشاهد ويمين" کا مسئلہ صحابہ کرام ﷺ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء میں بھی مختلف فیہ ہی رہا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس فعل کی نسبت حضرت معاویہ ﷺ کی طرف صحیح ہے یا نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ کرام ﷺ کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے "جہل باطل" یا "بدعت" کے زمرے میں کسی طرح بھی نہیں آتا۔

لیکن علامہ جیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے کہ بعض اسلاف سے یہ بات واقعتاً منقول ہے کہ "سب سے پہلے حضرت معاویہ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا ہے۔"

چنانچہ علامہ عبیداللہ بن مسعود محبوبی حنفی (المتوفی ۷۱۹ھ) مبسوط کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وذكر في المبسوط أن القضاء بشاهد ويمين بدعة وأول من قضي به معاوية."[2]

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ ﷺ نے کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۴ھ) لکھتے ہیں:

"وقد نص علي نقضه أبو حنيفة رضي الله عنه وقال هو بدعة."[3]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نقض اور اس کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔

اسی طرح علامہ محمد امین الشہیر بامیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:

"وعن الزهري بأنه بدعة وأول من قضي به معاوية."[4]

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۴۲... ۱۴۳)

[2] (التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه للمحبوبي: ۲/ ۱۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (أنوار البروق في أنواء الفروق للقرافي: ۴/ ۱۰۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[4] (تيسير التحرير للأمير بادشاه: ۴/ ۳۲۴، الناشر: دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: زہریؒ سے مروی ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا ارتکاب حضرت معاویہ ؓ نے کیا ہے۔

اسی طرح شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

"اول من قضي به معاوية." [1]

ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ برہان الدین مازہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں:

"اول من قضي به معاوية." [2]

ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمان بن محمد شیخی زادہ داماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:

"وأول من قضي به معاوية." [3]

ترجمہ: اور ایک گواہ اور قسم کے ساتھ سب سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے فیصلہ دیا۔

اسی طرح علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۳ھ) مبسوط کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وذكر في المبسوط أن القضاء بشاهد ويمين بدعة وأول من قضي به معاوية." [4]

ترجمہ: مبسوط میں ہے کہ ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے صادر فرمایا۔

ان حوالہ جات سے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ بعض اسلاف سے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں اس قسم کی بعض روایات واقعتاً منقول ہیں۔

تاہم اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مسلک بھی اس بارے میں یہی تھا جب کہ وہ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ

---

[1] (المبسوط للسرخسي: ۱۹۶/۲۶، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[2] (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۵۳۵/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت)

[3] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زادة: ۳۵۰/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[4] (شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه للتفتازاني: ۱۶/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

"وقد نقلنا كل هذا على نحو ما قال أسلافنا وان كنا لم نجتر ئ عليه "[1]

ترجمہ: اور یہ سب کچھ ہم نے اُس طرح نقل کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔ (ترجمہ ختم)

طعن معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا دامن پاک ہے!:

لہٰذا اس تناظر میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بعض اسلاف کا مذکورہ بالا قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف نقل کیا ہے جس کی وجہ سے انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و معائد ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا، اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض اسلاف کے مذکورہ بالا اقوال نقل کرنے میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت محض ایک ناقل کی ہے، خود اُن کا اپنا نظریہ اور موقف اس بارے میں وہ نہیں ہے جو اُنہوں نے نقل کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں معصوم نہیں!:

باقی رہے وہ اسلاف جو اس روایت کے اصل ناقل ہیں، تو اُنہوں نے بھی اصولاً کوئی خلافِ اسلام بات نہیں کہی، اس لئے کہ اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غلطی، لغزش، خطائے اجتہادی، صغیرہ و کبیرہ معصیت سبھی کا امکان مانتے ہیں، جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی یہاں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ:

"اس مثال میں ..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ "اجتہادی اختلاف" کے زُمرے میں آتا ہے۔" ع

تو اس کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ فی الواقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا فیصلہ کا صدور ثابت نہ ہو اور اُن کی طرف غلطی سے اس کی نسبت کر دی جائے تو واقعی یہ بالکل خلاف واقع بات اور ایک انتہائی ناروا جسارت کہلائی جائے گی لیکن یہ بھی تب ہے جب کہ سند پر بحث کی جائے۔

---

[1] (نور الأنوار في شرح المنار، ص ۲۹۹، ۳۰۰)

ع (سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۴۴)

﴿۱۴﴾

بیہقی وقت، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۲۲۵ھ)

تعارف:

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور آپ کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپؒ بہترین علماء، پرہیز گار اور عمدہ ترین متقیان راز گار میں سے تھے۔ اور دینی و علمی حلقوں میں شیخ زماں، امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن محدث، فقیہ، محقق و شیخ طریقت کی حیثیت سے معروف تھے۔

ابتدائی تعلیم:

آپؒ نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں کتب درسیہ کے علاوہ بھی تقریباً ایک سو پچاس کتابیں مطالعہ کیں۔

پانی پت میں کچھ عرصہ تک "قضاء" کے منصب پر فائز رہے، اور ایک زمانہ تک افاضہ ظاہر و باطن، اشاعت علوم، فصل خصومات، افتاء، سوالات اور حل مشکلات میں مصروف رہے۔

بیعت و خلافت:

قاضی صاحبؒ پہلے شاہ محمد عابد سنامی قدس سرہ سے بیعت کی، پھر اُن کی وفات کے بعد مجددی سلسلہ طریقت میں اس عہد کے سب سے بڑے شیخ مرزا مظہر جان جاناں (شہید ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں ان کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے۔

علمی مقام:

علمی قابلیت وصلاحیت کے پیش نظر آپؒ کے پیر ومرشد حضرت مولانا مرزا جان جاناں صاحب قدس سرہ نے آپ کو "علم الہدیٰ" کے لقب سے سرفراز فرمایا، جب کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم عصر ہونے کے باوجود آپ کو "بیہقی وقت" جیسے عظیم الشان لقب سے نوازا۔

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ علم تفسیر، فقہ، کلام اور تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خصوصاً علم فقہ میں ایسا مرتبہ حاصل تھا کہ اس میں کئی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے۔ اور مشکل سوالات کے جوابات میں کئی خطوط تحریر فرمائے۔

تصانیف:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ کو تصنیف وتالیف میں بھی حق تعالیٰ نے خصوصی ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔ آپؒ نے مختلف موضوعات گراں قدر اور علمی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ تفسیر مظہری (عربی) کامل ضخیم سات جلدیں۔ اس کتاب کا نام آپؒ نے اپنے پیر ومرشد سے شدت عقیدت ومحبت کی بناء پر حضرت مولانا مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا ہے۔ ﴿۲﴾ سیف المسلول۔ رد شیعیت میں اس کتاب کو "شمشیر بے نیام" کہا جاتا ہے۔ ﴿۳﴾ ارشاد الطالبین ﴿۴﴾ مالابدمنہ (فارسی) ﴿۵﴾ تذکرۃ الموتی والقبور ﴿۶﴾ تذکرۃ المعاد ﴿۷﴾ حقوق الاسلام (یہ کتاب حقیقت الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔) ﴿۸﴾ رسالہ حرمت واباحت سرود ﴿۹﴾ رسالہ حرمت متعہ ﴿۱۰﴾ رسالہ شہاب ثاقب وغیرہم۔

علاوہ ازیں آپؒ کی دیگر بھی کئی کتابیں اور رسالے موجود ہیں جن کی تعداد تیس سے کچھ اوپر ہے۔

وفات حسرت آیات:

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ نے مؤرخہ یکم رجب المرجب ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۱۰ء کو اس جہان رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور سفر آخرت کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولوی حافظ محب اللہ بانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ نے تاریخ وفات قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ:

"لهم مكرمون في جنات نعيم."

سے نکالی ہے۔ [1]

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمالات حاسدین ومعاندین کے تیر وتر کش سے آپ کسی طرح بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے عقائد و نظریات کے فروغ اور تحفظ کے لئے بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اہل تشیع کے افکار ونظریات تردید میں " السیف المسلول " کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی، مگر صد افسوس! کہ بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ ﷺ کے بارے میں مطلوب اعتدال برقرار نہ رکھ سکے اور انہیں '' باطل'' پر قرار دے دیا۔ چنانچہ موصوف حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''گو انہوں (حضرت حسن ﷺ) نے یہ صلح مسلمانوں میں خون ریزی بند کرنے کے لئے کی تھی۔ ہاں! اس سے حضرت معاویہ ﷺ کی دوسروں پر افضلیت ثابت نہیں، کیوں کہ ان کی خلافت 'خلفائے اربعہ ﷺ کی خلافت کی طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔ [2]

موصوف آگے زیر عنوان ''حضرت معاویہ ﷺ کی اجتہادی خطاء لکھتے ہیں کہ:

''اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ﷺ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہ ﷺ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار ﷺ کو فرمایا تھا:

" تقتلک الفئة الباغية " [3]

---

[1] (تذکرہ علمائے ہند (پاک) مولوی رحمان علی)، ۱۴۳، ۱۴۵، ناشر: پاکستان ہسٹاری کل سوسائٹی، کراچی)

[2] (السیف المسلول، ص ۲۰۱، مطبوعہ قادری کتب خانہ، بحوالہ: حضرت معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۳۷)

[3] (ایضاً، ص ۱۳۷)

ترجمہ: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں "صحیح نہیں ہیں کہ: "حضرت معاویہ ﷺ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔" اور "حضرت معاویہ ﷺ باطل پر تھے۔"

ہر دور کے اپنے اہل وعقد ہوتے ہیں۔ حضرت حسن ﷺ کے عہد میں یہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات حضرت حسن ﷺ کے ساتھ اور کچھ حضرات شام میں حضرت معاویہ ﷺ کی ولایت میں تھے۔"[1]

کیا حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت اہل حل وعقد کے مشورہ سے قائم ہوئی؟:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ارباب حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہونے کا اگر یہی مطلب ہے جو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مراد لیا ہے کہ:

"حضرت حسن ﷺ نے نبی اکرم ﷺ کی اس پیشن گوئی ع "ان ابني هذا سيد لعل الله يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين." کے مطابق حضرت معاویہ ﷺ کے حق میں نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کر لی، بلکہ اپنے اہل حل وعقد سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت کی خلافت پر اُمت کا اجماع ہو گیا۔"ع

تو اس میں شک ہی کیا ہے یا اس سے کون انکار کرتا ہے؟۔

اور اگر اس کا مطلب یہ ہے (جیسا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) کہ جس طرح حضرات خلفائے اربعہ ﷺ کی خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت اُس طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم نہیں ہوئی تھی تو پھر اس کا جواب منفی میں ہے اور حضرت

---

[1] (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ حضرت معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۳۷)

ع صحیح لفظ "پیش گوئی" یا "پیشین گوئی" ہے۔ (رفیع)

ع (سید نا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۳۸)

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق درست ہے۔

اس لئے کہ خلیفہ یا اہل حل وعقد کا آزادانہ مشورے سے افضل ترین فرد کو خلافت سپرد کرنا (جب کہ وہ خود اس کا طالب نہ ہو) اور چیز ہے، اور کسی خلیفہ کا مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے خلافت کے حصول پر مصر مخالف جماعت کو خلافت سپرد کر دینا دوسری چیز ہے۔

حضرات خلفائے اربعہ ؓ کی خلافت کا قیام پہلی صورت کے مطابق ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل حل وعقد یا خلیفہ نے اپنی آزادانہ رائے سے کسی ایک خلیفہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور پھر اس کے بعد اس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کی، جب کہ حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کا قیام دوسری صورت کے مطابق ہوا تھا۔

حضرت معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی شہادت کے فوراً بعد شام میں اپنی الگ خلافت کا دعویٰ کر چکے تھے، اور وہ حضرت حسن ؓ کی خلافت (جو اصل شرعی خلیفہ کی نیابت تھی) بھی اُن سے لینا چاہتے تھے۔ اہل شام اور اہل عراق میں دوبارہ جنگوں کا خطرہ تھا۔ فوجیں تیار ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں حضرت معاویہ ؓ نے حضرت حسن ؓ کو یہی صورت بتلائی کہ وہ منصب خلافت سے معزول ہو جائیں، جسے حضرت حسن ؓ نے فقط مسلمانوں کی خون ریزی کے خطرہ کے پیش نظر اسے قبول کر لیا تھا۔

ہاں! ارباب حل وعقد کے اجتماع اور مشورے کے بغیر حضرت معاویہ ؓ کے خلیفہ بننے سے آپ کی خلافت کا باطل ہونا ہرگز لازم نہیں آتا، اس لئے کہ جب حضرت حسن ؓ نے خلافت کی باگ ڈور آپ ؓ کے حوالے کر دی اور تمام مسلمانوں نے آپ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اُس وقت کے آپ ؓ، بلاشک وریب مسلمانوں کے ایک خلیفہ برحق منتخب ہو گئے تھے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے صاف اور بے غبار وہ روایت ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کر کے اپنی جامع میں نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

" حدثنا عبد الله بن محمد ، حدثنا سفيان ، عن ابي موسي ، قال : سمعت الحسن ، يقول : استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب امثال الجبال ، فقال عمرو بن العاص : اني لأري كتائب لا تولي حتي تقتل اقرانها ، فقال له معاوية ، وكان والله خير الرجلين اي عمرو ان قتل هؤلاء هؤلاء ،

وهؤلاء هؤلاء من لي بامور الناس من لي بنسائهم من لي بضيعتهم فبعث اليه رجلين من قريش من بني عبد شمس ، عبد الرحمان بن سمرة وعبد الله بن عامر كريز ، فقال : اذهبا الي هذا الرجل ، فاعرضا عليه ، وقولا له : واطلبا اليه ، فأتياه ، فدخلا عليه فتكلما ، وقالا له :فطلبا اليه ، فقال لهما الحسن بن علي : انا بنو عبد المطلب ، قد اصبنا من هذا المال وان هذه الامة قد عاثت في دمائها ، قالا : فانه يعرض عليك كذا و كذا ، ويطلب اليك ويسالك قال: فمن لي بهذا؟ قالا: نحن لك به ، فما سألهما شيئا الا قالا : نحن لك به ، فصالحه ."[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں کہ: "یہ لشکر اور عساکر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی قسم! حضرت معاویہ ؓ "خير الرجلين" تھے۔" یعنی عمرو بن عاص ؓ سے بہتر تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص ؓ سے فرمایا کہ: "اگر ایک فریق دوسرے فریق کو قتل کر ڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کر ڈالے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کی عورتوں، ان کے بال بچوں اور ان کے کم زور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟۔ یعنی اس صورت میں یہ سب لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں۔" تو ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہ ؓ نے بنی عبد الشمس کے دو افراد عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت حسن ؓ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ "حضرت حسن ؓ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجئے اور انہیں صلح پر آمادہ کیجئے!۔" چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت حسن ؓ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے انہیں صلح کی دعوت دی۔ اس پر حضرت حسن ؓ نے ان سے فرمایا کہ: "ہم بنو عبد المطلب ہیں (اپنے اہل

---

[1] (صحيح البخاري ۱۸۶/۳ ، النشر : دار طوق النجاة)

وعیال اقرباء اور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے) اور اس مال سے ہم ان سب کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور اب اس امت میں بہت زیادہ انتشار اور فساد واقع ہو گیا ہے۔" اس پر ان حضرات نے کہا کہ: "آپ کی ضروریات اور نفقے پورے کیے جائیں گے اور آپ کے تمام مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: "ان وعدوں کے ایفاء کا ذمہ دار کون ہوگا؟" انہوں نے کہا: "ہم ذمہ دار ہوں گے۔" اس کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ (ترجمہ ختم)

صلح کے بعد باہمی گفتگو:

نیز ہمارے دعوے کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

"اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔"

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے جگہ سے اٹھے اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

"عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ میں نے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے معاملہ میں جو باہم اختلاف کیا ہے یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے ترک کر دیا ہے اور یا اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے تو صرف لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی) یہ صورت اختیار کی ہے۔"

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"قال الشعبي : فسمعته علي المنبر حمد الله و اثنى عليه ثم قال : اما بعد ! فان أكيس الكيس التقي، وان أعجز العجز الفجور ، وان هذا الأمر الذي اختلفت فيه أنا ومعاوية حق كان لي فتركته لمعاوية أو حق كان لامرئ احق به مني ، وانما فعلت هذا لحقن دمائكم ، وان أدري لعله فتنة لكم ومتاع

الی حسین "[1]

ترجمہ: عامر شعبی ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ صلح کرلی تو میں بھی اس موقع وہاں حاضر تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت حسن ؓ سے فرمایا کہ: "اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجئے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کردیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کردیا ہے۔" چنانچہ حضرت حسن ؓ اپنے جگہ سے اُٹھے اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ: "عقل مندوں میں سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور عاجزوں میں سے زیادہ عاجز شخص وہ ہے جو فاجر ہے۔ یہ معاملہ جس میں حضرت معاویہ ؓ اور ہم نے باہم اختلاف کیا ہے یہ یا تو میرا حق تھا جسے میں حضرت معاویہ ؓ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور یا یہ اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ میں نے لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے (صلح کی) یہ صورت اختیار کی ہے۔" (ترجمہ ختم)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کے لئے نامزدگی خود ان کے اصرار اور مطالبہ پر ہوئی تھی، جسے حضرت حسن ؓ نے جنگوں کا خطرہ ختم کرنے کی خاطر مان لیا تھا، ایسا نہیں تھا اُمت کے افضل حضرات یا خود حضرت حسن ؓ نے آزادانہ طور پر سوچ بچار کی ہو کہ اس وقت اُمت میں بہتر فرد کون ہے؟ بہت سے نام سامنے ہوں اور پھر اُن ناموں میں سے حضرت معاویہ ؓ کا نام چن لیا گیا ہو، بلکہ فقط دو نام تھے، ایک حضرت حسن ؓ کا اور دوسرے حضرت معاویہ ؓ کا، اور فیصلہ حضرت حسن ؓ کے پاس تھا کہ یا میں ہی خلیفہ رہوں یا پھر حضرت معاویہ ؓ کو خلافت سونپ دی جائے۔

اگر آزاد شورائی فیصلہ ہوتا تو پھر حضرت معاویہ ؓ سے افضل حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت ابوہریرۃ ؓ وغیرہ کبار صحابہ کرام ؓ موجود تھے تو اُن میں سے کوئی خلیفہ نامزد ہوتا۔

البتہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ ؓ کی خلافت پر اُس وقت کے تمام مسلمانوں بشمول اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی۔

چنانچہ حضرت حسن ؓ کی حضرت معاویہ ؓ سے مصالحت اور سپردگی خلافت کے جس قدر بھی حوالہ جات

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱/۱۴۲، تحت کتاب الامراء)

موجود ہیں اُن سب سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کو سپردگی خلافت کے فیصلہ کے بعد تمام مسلمانوں کو فقط فیصلہ سنانے کے لئے جمع کیا گیا تھا، اور حضرت حسن ؓ کا حکم ماننے کی خاطر اُن سب ہی نے حضرت معاویہ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو خلیفہ وقت تسلیم کیا تھا۔

چنانچہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حوالہ ملاحظہ فرمائیے کہ جس میں اُن جانے میں وہ بھی ہمارے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہوئے بحوالہ علامہ ابن عبدالبر لکھ گئے کہ:

"علامہ ابن عبدالبر اندلسی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ:

"واجتمع الناس عليه حين بايع له الحسن بن علي وجماعة ممن معه ۔ الخ "[1]

اب آپ ذرا علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ:

"جس وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اُن کی جماعت کے ساتھیوں نے حضرت معاویہ ؓ کی بیعت کی تو اس پر لوگوں کا اجتماع ہو گیا۔"

تو آپ کو ہمارے اس دعوے کا حق اور سچ ہونا سمجھ میں آجائے گا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ ؓ کو حضرت حسن ؓ کی طرف سے خلافت سپرد کرنے کے بعد اُن کی خلافت پر لوگوں کا اجتماع ہوا تھا، خلافت کی بیعت ہونے سے پہلے افاضل صحابہ ؓ کو آزادانہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اُن میں سے جس کو چاہیں خلافت کے لئے چن لیں۔

یہ تھی حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کے قائم ہونے کی وہ اصلی اور حقیقی صورت جو اُس نازک اور پر آشوب دور میں قائم ہوئی تھی اور پھر اُس پر تمام مسلمانوں بشمول اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی، اور آپ ؓ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا تھا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج!

اس سلسلے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو ہمارا کھلا چیلنج ہے کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق ہمیں حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کا حضرات خلفائے راشدین ؓ کی خلافت کی طرح بیعت خلافت سے پہلے اہل حل وعقد کے

---

[1] (الاستیعاب مع الاصابۃ: ۳/۳۹۸ ۔۔۔ ۴ بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۲۸)

آزادانہ مشورے سے قائم ہونا ثابت کردیں! کیوں کہ اُن کا دعویٰ ہے کہ ''حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت حضرات خلفائے اربعہ ﷺ کی خلافت کی طرح بیعت خلافت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورے سے قائم ہوئی تھی، لہٰذا اب انہیں اپنے اس دعویٰ پر دلیل بھی پیش کرنا ضروری ہوگا۔

کیا جنگ صفین میں حضرت معاویہ ﷺ حق پر تھے؟:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت قاضی صاحب قدس سرہ پر بے جا یورش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ﷺ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہ ﷺ باطل پر تھے اور بغاوت کررہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار ﷺ کو فرمایا تھا:

" تقتلک الفئة الباغية "

ترجمہ: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں'' صحیح نہیں ہیں کہ:'' حضرت معاویہ ﷺ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔'' اور'' حضرت معاویہ ﷺ باطل پر تھے۔''[1]

حضرت علی ﷺ کے خلاف حضرت معاویہ ﷺ کا خروج بالاتفاق ناحق تھا!:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا لیکن چوں کہ تھا اُن کے اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں اس لئے ان کے حق میں وہ معاف ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" ان أهل السنة أجمعوا علي أن من خرج علي علي كرم الله وجهه خارج علي الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه ."[2]

---

[1] (السیف المسلول، ص ۲۰۱، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، بحوالہ حضرت معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۴۸)

[2] (التاهية عن طعن معاوية للفرهاروي، ص ۳۸، الناشر: المكتبة الحقيقة، استنبول، ترکي)

ترجمہ: (علمائے) اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنہوں (حضرت طلحہ ؓ حضرت زبیر ؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ ؓ) نے حضرت علی ؓ کے خلاف خروج کیا تھا ان کا خروج ایک امام برحق کے خلاف خروج تھا مگر یہ کہ یہ ان کی اجتہادی بغاوت تھی جو ان کے حق میں معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک تو حضرت معاویہ ؓ کی بیعت اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرات خلفائے راشدین ؓ کی خلافت کے قیام کی نوعیت اور حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کے قیام کی نوعیت میں زمین وآسمان کا فرق تھا کہ حضرات خلفائے اربعہ ؓ کی خلافت ارباب حل وعقد کے آزادانہ مشورے سے قائم ہوئی تھی، اور خلیفہ کے تجویز کرنے میں اہل شوریٰ پوری طرح آزاد تھے کہ وہ اُمت کے بہترین افراد میں سے جس کو چاہیں خلیفہ تجویز کرلیں، جب کہ یہاں اضطراری حالت تھی، کوئی شوریٰ نہیں تھی کہ جسے کئی افاضل اُمت میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار ہوتا، بلکہ دو گروہ تھے، ایک شرقی خلیفہ حضرت حسن ؓ کا اور دوسرا امیر شام حضرت معاویہ ؓ کا جو خلیفہ کی اطاعت سے آزاد تھے۔ پہلا گروہ حضرت حسن ؓ کی خلافت پر مصر تھا، جب کہ دوسرا گروہ حضرت معاویہ ؓ کی خلافت پر مصر تھا، تاہم حضرت حسن ؓ نے اپنے گروہ کو اہل شام کو خلافت سونپ دینے پر منالیا تھا۔

اور دوسرے یہ کہ علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت علی ؓ کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی ؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہ ؓ باطل پر تھے اور بغاوت کررہے تھے۔ لیکن چوں کہ حضرت معاویہ ؓ کی یہ بغاوت اُن کے اجتہادِ شرعی کے نتیجہ میں تھی اس لئے وہ اُن کے حق میں معاف ہے۔

﴿۱۳﴾

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۲۳۹ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی عبدالعزیز، لقب سراج الہند، محدث دہلوی، والد کا نام: شاہ ولی اللہ اور دادا کا نام: شاہ عبدالرحیم ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم ...الخ۔''

ولادت باسعادت:

آپؒ مؤرخہ ۲۵/ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۱/ اکتوبر ۱۷۴۶ء بروز جمعہ کو ''دہلی'' میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام ''غلام حلیم'' ہے، جس کے اعداد ۱۱۵۹ ہیں، اور اس سے آپ کا سن ولادت نکلتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چونتیس (۳۴) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔[1]

درس وتدریس:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب سترہ (۱۷) برس کے ہوئے تو آپؒ کے والد بزرگوار امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔ آپؒ پچیس (۲۵) سال کی عمر ہی سے آپ متعدد موذی امراض میں

---

[1] (حیات ولی از: محمد رحیم بخش، ص ۵۸۷، ناشر: مکتبہ سلفیہ، لاہور)

مبتلا رہنے لگے تھے، اور آخر عمر تک اس میں گرفتار رہے۔ اوائل عمری میں کثرت امراض کے باوجود آپؒ نے مدت العمر درس وتدریس کی محفل سجائی رکھی اور اپنے والد کے سچے جانشین مقرر ہوئے، اور مدت العمر اپنے والد ماجد کی مسند کو درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، شریعت وطریقت اور جہاد وعزیمت سے خوب گرمایا۔ [1]

تصانیف:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، آخری عمر میں جب مختلف قسم کے امراض نے آپؒ کو گھیر لیا اور آنکھوں کی بصارت زائل ہونا شروع ہوئی تو آپؒ نے بعض کتابیں املاء کروا کے بھی لکھوائی ہیں۔ [2]

چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) تحفۂ اثنا عشریہ (فارسی) (۲) عجالہ نافعہ (فارسی) (۳) بستان المحدثین (فارسی) (۴) فتاوی عزیزی (فارسی) (۵) تفسیر فتح العزیز المعروف بہ تفسیر عزیزی (نامکمل) (۶) سر الشہادتین۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر اپنی حیاتِ مستعار کی مکمل آٹھ دہائیاں دیکھنے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عالم آب وگل کو خیر آباد کہا اور اسی (۸۰) برس کی عمر میں مؤرخہ ۹ شوال المکرم ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۲۳ء یک شنبہ (اتوار کے دن) اس دار فانی کو الوداع کہا۔

حضرت شاہ صاحب حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال دشمنوں، حاسدین ومعاندین کے حسد وعناد سے آپ کسی طرح مامون نہ رہے۔

خلافت علی ؓ اور حضرت حسین ؓ کے درمیانی دور میں حضرت معاویہ ؓ کی حیثیت!

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ سے متعلق ''فتاوی عزیزی'' اور تحفہ اثنا عشریہ'' میں موجود بعض عبارات کو اگر ''الحاقی'' تسلیم نہ کیا جائے

---

[1] (دیباچہ فتاوی عزیزیہ ص ۴، ناشر: مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۹۱ھ)

[2] (نزہۃ الخواطر ۷/۲۷۳)

تو ان مقامات پر ان کا قلم یقیناً "لغزش" کا شکار ہو گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بناء پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنی ؓ کے بعد حضرت معاویہ ؓ کو امام مانتے ہیں۔" یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چشمی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں، ورنہ معمولی پڑھا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پڑھا یا دیکھا ہے یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ: "حضرت معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی ابتدائی امامت سے لے کر حضرت حسن ؓ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک حق پر نہیں تھے، بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اس لئے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔

امام حسن ؓ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے، یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرماں روا اور جناب امیر ؓ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔ [1]

خلافت علی ؓ و مصالحت حسین ؓ کا درمیانی دور حضرت معاویہ ؓ کی بغاوت کا کہلاتا ہے!

اس میں شک ہی کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ ؓ خلافت کے لئے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ ؓ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی "خطائے اجتہادی" کے سبب آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کر کے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا اور خلیفہ برحق کی اطاعت چھوڑ رکھی تھی اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔

اور حضرت علی ؓ نے جو ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا تو وہ اس مصلحت کی بناء پر تا کہ مسلمانوں میں باہم مزید خون ریزی نہ ہو سکے، لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ ؓ ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے، تا آں کہ حضرت حسن ؓ نے خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام مسلمانوں (بشمول اہل حل وعقد) نے آپ

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۱)

کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہو گئے، اس لئے آپ موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں، کیوں کہ خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف چار حضرات خلفائے راشدین ﷺ ہی میں منحصر ہے اور حضرت معاویہ ﷺ اس کے مصداق نہیں ہیں۔

اسی وجہ سے بہت سے وہ علماء کہ جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی خلافت اور حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت کے درمیان فرق کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کا لحاظ رکھا ہے، اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی حکومت کو "خلافت" قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ ﷺ کی حکومت کو "ملوکیت" کا نام دیا ہے چنانچہ زیر بحث عبارت میں اسی امتیازی فرق کو واضح کرنے کی خاطر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی حکومت کو "ملوکیت" کا نام دیا ہے۔

اور جن علماء نے حضرت معاویہ ﷺ کی حکومت کو فسق و فجور اور ظلم و زیادتی سے خالی ہونے اور عدل و انصاف اور فتوحات کے عام ہونے کے پہلو کو دیکھا ہے تو اُنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی خلافت سے مشابہت کی بناء پر اسے "خلافت" ہی قرار دیا ہے، لیکن اس سے آپ کی مطلق خلافت مراد ہے "خلافت راشدہ موعودہ" مراد نہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے اس فرق کا لحاظ کیا اُنہوں نے ان (حضرت معاویہ ﷺ) کی حکومت کو ملوکیت کا نام دے دیا، اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ (حضرت معاویہ ﷺ کا دور حکومت) فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا تو اُنہوں نے اسے "خلافت" ہی قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا کہ:

"فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خير امنهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه الي أيام من بعده واما اذا نسبت الي أيام ابي بكر وعمر ظهر التفاضل ."[1]

ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ ﷺ سے بہتر نہیں ہوا، اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں

---

[1] (منہاج السنۃ: ۱۸۵/۳، بحوالہ: حضرت معاویہ ﷺ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اسے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہ کے زمانے کا مقابلہ حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔[1]

پس ثابت ہوا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

"حضرت معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسن ؓ کے سپرد گی خلافت تک امام برحق یعنی حضرت علی ؓ کی اطاعت چھوڑنے کے سبب (اپنی اجتہادی غلطی کی بناء پر) حق پر نہیں تھے اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے، اور جب حضرت حسن ؓ نے خلافت کی باگ ڈور آپ ؓ کے سپرد کر دی تو اُس وقت آپ ؓ (خلیفہ راشد غیر موعود اور) بادشاہ مقرر ہوئے۔"

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

ہاں! یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ تعبیر میں بہتری کی گنجائش کچھ نہ کچھ ضرور نکلتی ہے مگر معنی کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کا موقف وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بعض موہم عبارات اور اُن کے جوابات:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن کے مطالعہ سے ایک منصف مزاج اور معتدل نظریات کا حامل شخص شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عبارات حضرت شاہ صاحب ؒ کی اپنی ہیں؟ حالاں کہ اگر اُن کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سینہ تان کر صحابہ کرام ؓ کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، یا پھر یہ کہ یہ عبارات اُن کی تصانیف میں الحاقی ہیں اور اُن سے حضرت شاہ صاحب ؒ کا دامن بالکل پاک اور صاف ہے؟۔ ذیل میں اسی حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے:

ایک جگہ لکھا ہے:

﴿۱﴾..... ولیس هذا باول قارورة کسرت في الاسلام."

ترجمہ: اور یہ پہلا کانچ کا برتن نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا۔

---

[1] (حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

﴿۲﴾..... محققین اہل سنت از اطلاق لفظ "خلیفہ" ہم تحاشی می کردند، چناں کہ در حدیث صحیح ﴿ الخلافة بعدي ثلاثون سنة ﴾..... و بالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد و شیافت و بہ صلح حضرت امام حسن ﷺ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولی در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔"

ترجمہ: محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے، وہ ان حضرات کے لئے "خلیفہ" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔" ..... خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ "خلافت حقہ بلاشبہ تیس (۳۰) سال تک باقی رہے گی۔" جو (بالآخر مورخہ) ۱۵ جمادی الاول ۴۱ھ کو امام حسن ﷺ کی (حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ) صلح پر ختم ہوگئی۔

﴿۳﴾..... حضرت معاویہ ﷺ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔[1]

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں

"ناقدین حضرت معاویہ ﷺ پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ "انہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لئے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ حیرت انگیز طور پر شاہ صاحب نے بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے بجائے خود ہی اسے درست سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ مردود زمانہ جس کی اصل بھی قابل اعتراض رہی (زیاد بن سمیہ (عرف زیاد بن ابی سفیان ﷺ) تھا۔ وہ اتنا بے حیا تھا کہ اپنی بے نسبی پر فخر کرتا اور علی الاعلان اپنی والدہ پر جو ایک لونڈی تھی زنا کی گواہی دیتا تھا..... حضرت علی ﷺ نے اس کو فارس کا حاکم بنایا تو نظم مملکت قائم کرنے، ان شہروں کی حالت درست کرنے اور فتنہ و فساد پر قابو پانے میں اس کی کارکردگی بڑی شاندار رہی اور اس کی تدابیر و تجاویز کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب معاویہ ﷺ نے اس سے خفیہ رابطہ قائم کیا تاکہ وہ حضرت علی ﷺ کو چھوڑ کر ان سے آملے اور اسے لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے لئے تیار ہو کہ اسے "شریک نسب" بھی کر لیا جائے گا۔

---

[1] (تحفہ اثنا عشریہ (۱/۲) ص ۵۹۴، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۵۳)

کیوں کہ ایسا خوش تدبیر اور لائق فائق اور کام کا آدمی اگر حریف سے کٹ کر اپنے سے آملے تو یہ بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ آپ (یعنی حضرت معاویہ ؓ) نے اس کو لکھا کہ "اگر تو میرے پاس آگیا تو میں تجھے اپنا بھائی کہوں گا، اولاد ابوسفیان ؓ میں تجھے شامل قرار دوں گا، کیوں کہ تو آخر ابوسفیان ؓ ہی کا نطفہ ہے اور تیری دانائی، شرافت، سوجھ بوجھ تیرے دعویٰ کی صداقت کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ جب اس پخت و پز کی اطلاع حضرت علی ؓ کو ملی تو آپ نے زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا: "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہ ؓ نے تجھے خط لکھا ہے۔ وہ تجھے بے وقوف بنا کر تیری تیزی کو ماند کرنا چاہتا ہے، تم اس سے ڈرتے رہو۔ وہ (یعنی معاویہ ؓ) اس شیطان کی مانند ہے جو آدمی کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ہر طرف سے گھیرنے کی فکر میں رہتا ہے، تاکہ جب اسے غافل یا بے فکر پائے تو قابو پا کر تباہ کر دے۔ تم اس سے ہوشیار رہو ــــ مگر حضرت علی ؓ کی شہادت تک (زیاد) آپ کا رفیق رہا، ساتھ نہ چھوڑا اور جب حضرت حسن ؓ نے خلافت و سیادت کا معاملہ جناب معاویہ ؓ کے سپرد کیا اور اُدھر جناب معاویہ ؓ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی حد سے زیادہ کوشش کی اور ابوسفیان ؓ کے اسی قول کو دلیل بنا کر جو جناب عمرو بن عاص ؓ اور حضرت علی ؓ کے روبرو کہا تھا، اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور ۴۴ھ میں "زیاد بن ابی سفیان ؓ" اس کا لقب تجویز کر کے تمام قلم رو میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ اسے "زیاد بن ابی سفیان ؓ" کہا جایا کرے۔

ــــ بہر حال جناب معاویہ ؓ اپنی سیاسی تدبیر میں کامیاب ہوئے اور وہ آپ کا رفیق و معاون بن گیا۔"[1]

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے اپنے اقتدار کے عروج میں تمام مصلحتوں اور پروپیگنڈوں کی پرواہ کیے بغیر محض احترام شریعت میں اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا:

"اللہ کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت

---

[1] (تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ص ۵۹۴، ۵۹۵، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۵۳، ۱۵۴)

والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا، لہٰذا نہ تو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی کم زور تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے قوت و عزت مل گئی ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حق دار تک پہنچا دیا۔" [1]

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن چند حضرات نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی انہوں نے حضرت معاویہ سے اپنے طرزِ عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے ہوئے رجوع کر لیا تھا۔ [2]

صحیح بخاری میں ہے کہ:

"ان زیاد بن أبي سفیان کتب الیٰ عائشة ....." [3]

بخاری کے علاوہ موطا امام مالک، موطا امام محمد اور طحاوی وغیرہ کتب میں زیاد بن ابی سفیان ہی لکھا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی زیاد بن ابی سفیان ہی لکھتی اور کہتی رہیں:

"عن عائشة الیٰ أم المؤمنین الیٰ زیاد بن أبي سفیان ....."

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کو ایک طے شدہ بات کو پھر سے متنازعہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر وہ بھی ایسے انداز سے جس سے ناقدین معاویہ کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔" [4]

﴿۴﴾ ..... بعض جانب دارانِ معاویہ بن ابی سفیان ﷺ این لفظ را تاویل می کنند و گویند مرادش این بود کہ چرا حضرت علی المرتضیٰ ﷺ درشتی در کلام نمی کنند و نمی فہمانی کہ دست از حمایت قاتلانِ عثمان بردارد۔"

ترجمہ: بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان ﷺ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ کی

---

[1] (تاریخ طبری: ۳/۱۹۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۵۳، ۱۵۴)

[2] (الاستیعاب مع الاصابہ: ۱/۵۵۱، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۵۳، ۱۵۴)

[3] (صحیح البخاری: ۱/۲۲۰، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۵۳، ۱۵۴)

[4] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۵۳، ۱۵۴)

مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت ابوسفیان ؓ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلانِ عثمان ؓ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صحیح مسلم کی حدیث ..... ﴿ما منعک أن تسب أبا تراب ؓ﴾ کے تحت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان ؓ کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ: "حضرت معاویہ ؓ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلانِ عثمان ؓ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص جاری کرنے کے لئے ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔"

لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں ..... (لہٰذا یہ صحیح نہیں) بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہری معنی سمجھا جائے (کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو حکم دیا تھا کہ: "وہ حضرت علی ؓ کو سب یا حکم سب کریں۔") غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی "سب" یا "حکم سب" حضرت معاویہ ؓ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس لئے کہ "درجہ سب" قتل وقتال سے بہت کم ہے ..... جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جانا چاہیے، لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ ؓ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ "خطائے اجتہادی" کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں۔"[1]

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ ؓ اور حضرت سعد ؓ کے مابین یہ گفتگو حضرت علی ؓ کی شہادت اور حضرت حسن ؓ کی مصالحت کے بعد دورِ خلافت

---

[1] (فتاویٰ عزیزی، ص ۲۳۸، ۲۳۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ)

معاویہ ؓ میں ہوئی۔

سخت تعجب ہے کہ جب صاحب معاملہ کے ساتھ جنگ صفین کے بعد باقاعدہ صلح ہوگئی، بعدازاں حضرت حسن ؓ نے بھی بے مثال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُمور خلافت تفویض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کرلی، اس کے باوجود ایک جلیل القدر صحابی اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اس "سلوک" کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر یہ احسانات نہ بھی ہوتے تو پھر بھی "اذکروا موتاکم بالخیر" کے نبوی فرمان کی روشنی میں کسی صحابی تو درکنار کسی "مسلمان" سے بھی اس "سلوک" کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ..... اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسے "خطائے اجتہادی" تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور بحوالہ "سباب المؤمن فسوق وقتاله کفر" اسے کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔ [1]

﴿۵﴾ ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نہ بود، و خالی از تہمت تعصب امویہ قریشیہ کہ بہ جانب عثمان ذی النورین ؓ داشت نہ بودہ است۔"

ترجمہ: یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اور اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان ؓ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ اس سوال کہ "حضرت معاویہ ؓ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟" کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اہل بیت ؓ کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔ اور محبت اہل بیت ؓ سے ہے کہ مروان "علیہ اللعنۃ" کو برا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین ؓ اور اہل بیت ؓ کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا، اس خیال سے اس "شیطان" سے نہایت بیزار رہنا چاہیے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۵۴، ۱۵۵)

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان ﷺ صحابی ہیں اور جناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ آں جناب کے بارے میں علمائے اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علمائے ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہ ﷺ کے حرکات جنگ و جدال جو حضرت علی ﷺ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف ''خطائے اجتہادی'' کی بناء پر تھیں۔'' محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان ﷺ کے معاملہ میں جو تعصب اُمویہ اور قریشیہ میں تھا۔ اسی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ ﷺ سے وقوع میں آئے، جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور ''باغی'' قرار دیے جائیں: ﴿والفاسق لیس باھل اللعن﴾ یعنی فاسق قابل لعن نہیں۔ تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن وشتم ہے تو معاذ اللہ! کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے، اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ ''فاسق'' اور ''مرتکب کبیرہ'' کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا ہے۔ علیٰ الخصوص حضرت معاویہ ﷺ جو کہ صحابی ہیں، آپ کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت کی زیادہ اُمید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی حضرت علی المرتضیٰ ﷺ اپنا حق معاف فرمادیں گے۔'' [1]

حضرت موصوف نے سیدنا معاویہ ﷺ کے حق میں 'علمائے ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو رد کرتے ہوئے اسے ''اجتہادی اختلاف'' کی بجائے ''نفسانیت'' اور ''قبائلی وخاندانی تعصب'' پر مبنی قرار دیا جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

''وماوقع من المخالفات والمحاربات (بین علي و معاویة) لم یکن من نزاع في خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد.'' [2]

---

[1] (فتاویٰ عزیزی (کامل)، ص ۳۱۳، ۳۱۴، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۵۶)

[2] (شرح العقائد النسفیة: ص ۱۰۹، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۵۷)

ترجمہ: حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا، وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ "خطائے اجتہادی" کی وجہ سے تھا۔

علامہ خفاجیؒ شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ

"انها أمور وقعت باجتهادمنهم لا أغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة "[1]

ترجمہ: یہ اُمور ان سے اجتہاداً صادر ہوئے، ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں نہ ہی ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے۔

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

" وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء ، والصحابة النجباء ، وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها وكلهم عدول متأولون في حروبهم وغيرها "[2]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ ؓ عادل، فاضل، اور نجیب صحابہ ؓ میں سے ہیں، مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ ؓ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیوں کہ وہ مجتہد ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؒ کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ پیش فرمایا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ اس میں موصوف نے نہ صرف حضرت مروانؒ کو "برا" کہنے کی نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ اجازت دی ہے، بلکہ خود بھی ان کے نام کے ساتھ "علیہ اللعنۃ و شیطان" لکھ کر بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے

---

[1] (نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض: ۴۶۷/۳، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۶، ۱۵۷)

[2] (شرح مسلم للنووی: ۲۷۲/۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۵۷)

فتوی میں واضح طور لکھا ہے کہ "مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق مستحق لعنت نہیں ہے، جب کہ حضرت مروان کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں، بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت مروانؒ کا شمار صحابہ و تابعین میں تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا — حالاں کہ ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؒ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔[1]

امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

حضرت مروانؒ نے اکابر صحابہ ؓ سے احادیث روایت کی ہیں جو "صحیح بخاری" سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت معاویہ ؓ نے انہیں ان القابات سے یاد فرمایا ہے:

"أما القارئ لكتاب الله ، الفقيه في دين الله ، الشديد في حدود الله ."[2]

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ:

" وكان بعد من في الفقهاء "

ترجمہ: وہ فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے نام کے ساتھ علیہ اللعنۃ اور "شیطان" لکھ دیا۔ فیا أسفا!

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت معاویہ ؓ کے حوالے سے موصوف کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ: ۲۵۷/۸، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[2] (البدایۃ والنہایۃ: ۲۵۷/۸، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۵۷، ۱۵۸)

طرح سمجھ میں نہیں آتی اور "فتاویٰ عزیزی" کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔

اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی "تدلیس" اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبد العزیزؒ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔" [1]

﴿۶﴾..... ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علیؓ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں:

"ومحاربت باایشاں از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہ تاویل باطل وشبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر..... الخ" [2]

ترجمہ: اور ان لوگوں کے ساتھ باطل تاویل اور فاسد شبہ کی بناء پر از راہ شامت نفس اور حب جاہ کے لڑائی کرنا عملی فسق یا اعتقادی فسق ہے کفر نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (مقام صحابہؓ، ص ۷۴، ۷۵۔ بار اول ۱۹۷۱ء، بحوالہ سعید ناصر معاویہؓ کے ناقدین، ص ۱۵۶..... ۱۵۸)

[2] اس عبارت میں جو "فسق اعتقادی" کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجۂ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لئے کافی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اول آں کہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست، بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آں را در عرف اہل سنت "خطائے اجتہادی" نامند۔"

ترجمہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی فاسد تاویل کی بناء پر نص کے معنی اور اس کے مدلول کا انکار کرنا کفر نہیں ہوتا بلکہ یہ فسق اعتقادی کی ایک قسم ہوتی ہے، جسے اہل سنت کی اصطلاح میں "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں "خطائے اجتہادی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اصحاب جمل و اصحاب صفین کے بارے میں بہ یک وقت ''خطائے اجتہادی'' کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور ''فسق اعتقادی'' کا بھی، بظاہر نظر اس میں تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت اور اس نوع کی بعض دوسری عبارتیں بنظر غائر پڑھنے کے بعد میں اس کا موقف یہ سمجھا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے ''بغاوت'' کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط تھی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل ''اجتہادی غلطی'' کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔''[1]

اب ذیل میں ہم ترجمان مسلک علمائے اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے حوالے سے چند ایسے اُمور ذکر کرتے ہیں کہ جن کا بہ نظر غائر مطالعہ کر لینے سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات سے متعلقہ تمام تر شبہات رفع دفع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

﴿۱﴾..... نیز حضرت شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات وتصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آں جناب کو تحریر کی تھی

=لبعد اظہار بین علوی رضی اللہ عنہ کے حق میں جہاں ''فسق عملی'' یا ''فسق اعتقادی'' کا ذکر پایا جاتا ہے وہ ''خطائے اجتہادی'' ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۶۷۵، ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور)

[1] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آں جناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

''وتعریفات در باب معاویہ ؓ ازیں فقیر واقع نہ شدہ۔ اگر در نسخہ تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود، الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند '' فاللہ خیر حافظاً '' وایں تعریفات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نہ خواہد شد۔''[1]

ترجمہ: اور اس فقیر سے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں (کسی بھی قسم کی) تعریفات صادر نہیں ہوئیں۔ اگر تحفہ اثنا عشریہ کے نسخوں میں کوئی تعریف پائی جائے تو وہ کسی کی الحاقی ہوگی، کیوں کہ (شیعہ وروافض) کا یہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور کید ومکر کی بناء پر یہ کام کرتے رہے ہیں، چنانچہ فقیر کے سننے میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے الحاق شروع کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور معتبر نسخوں میں یہ تعریفات نہیں پائی جاتیں۔ (ترجمہ ختم)

حضرت شاہ صاحب موصوف کی اس تحریر سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہوگیا کہ آں جناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش[2] لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

﴿۲﴾..... حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے۔ ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بناء پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار

---

[1] (مکتوبات شاہ عبدالعزیز، نمبر دوم، ص ۲۶۵، ۲۶۶، مع مقدمہ محمد ایوب قادری، ۱/۱۴۱، ناشر: پاک اکیڈمی وحید آباد کراچی نمبر ۱۸)

[2] صحیح لفظ "عاقبت نااندیش" ہے۔ (فیروز اللغات اردو جدید، ص ۹۷۲۔ از: رفیق)

دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے، جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشان دہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

"اوّل تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبد العزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔" [1]

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی والے اپنی کتاب "مقام صحابہ ﷺ" میں لکھتے ہیں (جیسا کہ پیچھے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے حوالے سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں) کہ:

"اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبد العزیز (محدث) دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی "تدلیس" اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔" [2]

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بعض موہم اور قابل اعتراض عبارات کے

---

[1] (امداد الفتاویٰ: ۵/۳۰۷، کتاب البدعات، طبع مجتبائی دہلی۔ بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ ﷺ: ۲/۶۷۱ — ۶۷۵)

[2] (مقام صحابہ ﷺ: ص ۷۴، ۷۵، بحوالہ سیرت سیدنا امیر معاویہ ﷺ: ۲/۶۷۱ — ۶۷۵)

ضمن میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث کو بھی چھیڑا ہے اور مختلف قسم کے رنگ برنگے استدلال کر کے جمہور اہل سنت کے مؤقف کے برعکس مروان کی صحابیت کو ثابت کرنے کی اپنی سی ناکام کوشش کی ہے اس لئے ذیل میں مروان کی صحابیت وعدم صحابیت پر بحث کی جاتی ہے۔

مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث:

مروان کے بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صحابی تھا۔ جس کے دلائل یہ ہیں:

﴿۱﴾..... ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔[1]

﴿۲﴾..... امام ابن تیمیہؒ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیر کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

﴿۳﴾..... حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔[2]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دلائل کا جائزہ:

پہلی دلیل:

جہاں تک ہاشمی صاحب کی پہلی دلیل کا تعلق ہے کہ: "ابن کثیرؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔" تو سب سے پہلے تو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"وهو صحابي عند طائفة كثيرة لأنه ولد في حياة النبي صلى الله عليه وسلم."[3]

ترجمہ: مروان کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہے، اس لئے کہ اس کی ولادت نبی پاک ﷺ کی زندگی میں ہوئی ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے استدلال کرنا بوجوہ درست نہیں:

۱۔اوّلاً تو اس وجہ سے کہ یہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ذاتی قول ہے اور اس قول کے نقل کرنے میں ان

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ: ۲۵۷/۸، بحوالہ: سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[2] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ۱۵۷، ۱۵۸)

[3] (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۲۸۲/۸، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا اس لئے جمہور کے مقابلہ میں یہ قول شاذ اور نادر ہے اور " الشاذ کالمعدوم والمعدوم لیس بشیئ . لہٰذا امام ابن کثیر کے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ قول درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔

۲- اور ثانیاً اس وجہ سے کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے طائفہ کثیرہ کی تصریح نہیں کی کہ اس سے کون سی کثیر جماعت مراد ہے؟ نیز اس جماعت میں کون کون سے علماء شامل ہیں؟۔

۳- اور ثالثاً اس وجہ سے کہ شخص نبی پاک ﷺ کی زندگی میں کسی کا پیدا ہونا اس کی صحابیت کے لئے ناکافی ہے ورنہ تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحابی ماننا چاہیے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ ہی کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے تھے۔

دوسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری دلیل کا تعلق ہے کہ: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں (مروان کو) حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔" تو یہ بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے ہرگز کافی نہیں، اس لئے کہ کسی راوی کے نام کا کسی صحابی کے طبقہ میں ذکر کیا جانا اس کے صحابی ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا ہے، چنانچہ بعض غیر صحابہ راویوں کے نام جو طبقات صحابہ ؓ میں مذکور ہیں تو وہ ضمناً اور فرع کے درجہ میں وہاں ذکر کئے گئے ہیں، اصالتاً وہ مطلوب نہیں ہیں، اس لئے محض طبقات صحابہ ؓ میں کسی راوی کے نام کے ذکر کر دیئے جانے سے اس کے صحابی ہونے پر استدلال کرنا " تارِ عنکبوت " کی طرح انتہائی کمزور استدلال ہے۔

تیسری دلیل:

اور جہاں تک پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تیسری دلیل کا تعلق ہے کہ: " حضرت مروانؒ نے اکابر صحابہ ؓ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔" تو یہ دلیل بھی مروان کی صحابیت کے اثبات کے لئے انتہائی کمزور ہے، اس لئے کہ پھر ان میں مروان کی کیا تخصیص ہے بلکہ اکابر صحابہ ؓ سے مروان کے علاوہ بیسیوں تابعین نے مختلف قسم کی احادیث روایت کی ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ سارے کے سارے تابعین صحابہ بن گئے؟ ہے کوئی عقل میں آنے والی بات؟۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مروان سے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے مروان کی عدم صحابیت کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے۔

" عن بن شهاب قال أخبرني عروة بن الزبير : أنه سمع مروان والمسور بن مخرمة رضي الله عنهما يخبران عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم ..... [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله (صلي الله عليه وسلم) ..... الخ . هكذا قال عقيل عن الزهري ..... وقد تبين برواية عقيل أنه عنهما مرسل وهو كذلك لأنهما لم يحضرا القصة ..... (أما) مروان فلا يصح له سماع من النبي صلي الله عليه ولا صحبة . وأما المسور فصح سماعه منه ، لكنه انما قدم مع أبيه وهو صغير بعد الفتح وكانت هذه القصة قبل ذلك بسنتين ." [2]

ترجمہ: قوله : يخبران عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم .....الخ . اسی طرح عقیلؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے۔.....اور عقیل کی روایت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ روایت ان دونوں (مروان اور مسور) سے مرسلاً منقول ہے۔اور ہے بھی اسی طرح، اس لئے کہ (اس مذکورہ) قصہ کے وقت یہ دونوں (وہاں) موجود نہیں تھے۔مروان تو اس وجہ سے کہ نہ اُس کا سماع حضور ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی اُس کی صحابیت۔اور مسور رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہ اُن کا سماع تو حضور ﷺ سے ثابت ہے (لیکن) فتح مکہ کے بعد (جب) وہ بچپن میں اپنے والد کے ہم راہ آئے تھے۔اور یہ قصہ فتح مکہ سے دو سال پہلے کا ہے۔(ترجمہ ختم)

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

" وقد رواه البخاري في أول كتاب الشروط ..... عن مروان بن الحكم و المسور بن مخرمة عن أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم

---

[1] (صحيح البخاري | ۲/۱۸۸ ، الناشر : دار طوق النجاة)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني | ۵/۳۱۳ ، الناشر : دار المعرفة ، بيروت)

فذكر القصة . وهذا هو الأشبه ، فان مروان ومسوراً كانا صغيرين يوم الحديبية ، والظاهر أنهما أخذاه عن الصحابة رضي الله عنهم أجمعين "۔[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "کتاب الشروط" کے شروع میں روایت کی ہے..... مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ ؓ، اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں پھر قصہ ذکر کیا۔ اور یہی زیادہ مشابہ ہے (کہ مروان اور مسور ؓ نے یہ روایت اصحاب رسول ﷺ سے نقل کی ہے) اس لئے کہ مروان اور مسور ؓ حدیبیہ کے دن چھوٹے بچے تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت صحابہ ؓ سے لی ہے۔ (ترجمہ ختم)

ماضی قریب کے مشہور محدث ناقد شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب التهذيب" میں ان کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ ؓ میں ان کا شمار قسم ثانی میں یعنی ان صحابہ ؓ میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، مگر سماع ثابت نہیں۔ بہر حال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رویت کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب ان لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا جو ان میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں....."[2]

کیا مروان کو نبی پاک ﷺ کی رؤیت حاصل ہے؟:

مگر موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے۔

۱- اولاً تو اس وجہ سے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب التهذيب" میں نہیں بلکہ اپنی ایک دوسری اسی کے ہم نام کتاب "تقريب التهذيب" میں مروان کا شمار قسم ثانی میں کیا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ بھی فرمایا ہے کہ مروان کی صحابیت ثابت نہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ٤/ ٢٠١ ، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (براءت عثمان بن عفان ؓ، ص ۳۱، ناشر: ادارہ اسلامیات، لاہور)

" لاتثبت له صحبة من الثانية . "[1]

ترجمہ: مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہے، اس کا شمار قسم ثانی میں ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ جب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے واضح اور دوٹوک الفاظ میں مروان کی عدم صحابیت کی تصریح کر دی ہے تو اس کے باوجود علامہ ظفر احمد عثمانی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس مذکور عبارت سے مروان کو قسم ثانی کے صحابہ میں شمار کرنے کا استدلال کیونکر کر رہے ہیں؟۔

۲- اور ثانیاً اس وجہ سے کہ مروان کو حضور اقدس ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" مروان بن الحكم قال البخاري : لم يري النبي (صلى الله عليه وسلم قلت هو تابعي . "[2]

ترجمہ: مروان بن حکم کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تابعی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" مروان بن الحكم الأموي أبو عبد الملك قال البخاري : لم يري النبي صلى الله عليه وسلم . "[3]

ترجمہ: ابوعبدالملک مروان بن حکم اموی کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" ولم ير النبي صلى الله عليه وسلم . "[4]

ترجمہ: اور مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔

---

[1] (تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ۱/ ۵۲۵ ، الناشر : دار الرشيد ، سوريا)

[2] (المغني في الضعفاء للذهبي : ۲/ ۶۵۱ ، الناشر : ليس بمكتوب)

[3] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۴/ ۸۹ ، الناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

[4] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري : ۵/ ۱۳۹ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

اسی طرح امام ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) اپنی ایک دوسری کتاب "جامع الاصول" میں لکھتے ہیں:

"ولم ير النبي صلي الله عليه وسلم لأن النبي نفيٰ أباه الي الطائف فلم يزل بها حتي ولي عثمان فرده الي المدينة فقدمها هو وابنه معه ."[1]

ترجمہ: مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اُس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اور ان کے ساتھ ان کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔

اسی طرح ماضی قریب کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمان مبارک پوریؒ صاحب مشکوۃ امام خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وقال صاحب المشكاة في ترجمته ولد مروان علىٰ عهد رسول الله صلي الله عليه وسلم قيل سنة اثنتين من الهجرة وقيل عام الخندق وقيل غير ذلك فلم ير النبي صلي الله عليه وسلم لأن النبي صلي الله عليه وسلم نفيٰ (أباه) الي الطائف فلم يزل بها حتي ولي عثمان فرده الي المدينة فقدمها هو وابنه معه مات بدمشق سنة خمس و ستين ."[2]

ترجمہ: اور صاحب مشکوۃ مروان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ: مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا، بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں پیدا ہوا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے سال پیدا ہوا ہے اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ مروان نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اس کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا جو وہیں رہتا رہا یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس کو مدینہ کی طرف بھیج دیا پس یہ اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا (مروان) مدینہ آ گئے۔ مروان نے ۶۵ھ میں دمشق میں وفات

---

[1] (جامع الأصول في حديث الرسول لابن أثير الجزري: ۱۲/۸۴۷، الناشر: مكتبة الحلواني والملاح ودار البيان)

[2] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي للمباركفوري: ۳/۲۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

پائی۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"قال الذهبي ولم ير النبي (صلى الله عليه وسلم) لأنه خرج الى الطائف طفلاً لايعقل لما نفي النبي أباه الحكم و كان مع أبيه حتى استخلف عثمان." [1]

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا، کیوں کہ یہ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ طائف کی طرف چلا گیا تھا جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد "حکم" کو طائف کی طرف بھیج دیا تھا اور یہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچا تھا (پھر) جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے (تو یہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ واپس لوٹا تھا)۔

ایک دوسری جگہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وهذا الحديث بالنسبة الى مروان مرسل لأنه لاصحبة له." [2]

ترجمہ: مروان کی طرف اس حدیث کی نسبت کرنے سے یہ مرسل ہے کیوں کہ مروان کو آنحضرت ﷺ کا شرف صحابیت حاصل نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قال البخاري لم يرى النبي صلى الله عليه وسلم قلت هو تابعي." [3]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کو آنحضرت ﷺ کی رؤیت حاصل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مروان تابعی ہے۔ (ترجمہ ختم)

امام ابوزرعہ العراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۲۶ھ) فرماتے ہیں:

"قال أبو زرعة لم يسمع من النبي صلى الله عليه وسلم شيئاً كان علي عهده ابن خمسين سنين أو نحوها. قال العلائي: أخرج له البخاري

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: ۲۴/۶، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت - لبنان)

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۶/۱۴، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت - لبنان)

[3] (المغني في الضعفاء للذهبي: ۶۵۱/۲، الناشر: ليس بمكتوب)

حديث الحديبية بطوله وهو مرسل . وعن الامام مالك أن مروان ولد يوم احد بمكة فيكون عمره عند موت النبي صلى الله عليه وسلم ثماني سنين . وقد ذكر ابن عبد البر أنه لا رؤية له تعتبر أيضاً وقال لأنه خرج صغيراً مع أبيه الى الطائف لما نفاه النبي الله عليه وسلم انتهى . قلت : قال الترمذي : سألت محمداً يعني البخاري قلت له : مروان بن الحكم رأي النبي صلى الله عليه وسلم ؟ قال : لا انتهى ." [1]

ترجمہ: امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کا سماع نبی پاک ﷺ سے بالکل ثابت نہیں، وہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تقریباً پانچ سال کا تھا۔ امام علائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیبیہ کی ایک لمبی حدیث مروان سے مرسلاً نقل کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان کی ولادت احد کے دن مکہ میں ہوئی نبی پاک ﷺ کی وفات کے وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ (سماع کے ساتھ ساتھ) مروان کی رؤیت بھی نا قابل اعتبار ہے، اس لئے کہ جب نبی پاک ﷺ نے اس کے والد کو طائف کی طرف بھیجا تھا تو اُس وقت یہ بھی اپنے والد کے ہم راہ تھا اور وہ وقت اس کی صغرسنی کا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مروان بن حکم کی حضور اکرم ﷺ کی رؤیت ثابت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "نہیں۔" (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" قال الترمذي : في هذا الحديث رواية رجل من الصحابة وهو سهل بن سعد عن رجل من التابعين وهو مروان بن الحكم ولم يسمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو من التابعين . قلت : لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة ، والأولى ما قال فيه البخاري : لم ير النبي صلى الله

---

[1] تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل لأبي زرعة العراقي : ۲۹۸/۱ ، الناشر : مكتبة الرشد ، الرياض)

علیہ وسلم ." وقد ذکرہ ابن عبد البر في الصحابة لأنه ولد في عهد النبي صلي الله عليه وسلم قبل عام أحد وقيل عام الخندق . وثبت عن مروان أنه قال لما طلب الخلافة فذكروا له ابن عمر فقال : ليس ابن عمر بأفقه مني ولكنه أسن مني و كانت له صحبة فهذا اعتراف منه بعدم صحبته . وانما لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم وان كان سماعه منه ممكناً لأن النبي صلي الله عليه وسلم نفي أباه الي الطائف فلم يرده الا عثمان لما استخلف وقد تقدمت روايته عن النبي صلي الله عليه وسلم في كتاب الشروط مقرونة بالمسور بن مخرمة وبهت هناك أيضاً علي أنها مرسلة والله الموفق ."[1]

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک صحابی شخص حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو انہوں نے ایک تابعی شخص مروان بن حکم سے روایت کی ہے اور مروان کا سماع نبی کریم سے ثابت نہیں ہے اس لئے مروان تابعی ہیں (صحابی نہیں ہیں)۔ میں کہتا ہوں کہ عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی۔ مروان (کی عدم صحابیت) کے متعلق سب سے بہترین قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ: "مروان کو آنحضرت ﷺ کی رویت حاصل نہیں۔" علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے کیوں کہ وہ بعض کے قول کے مطابق احد کے سال سے پہلے اور بعض کے قول کے مطابق خندق کے سال حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور مروان سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ جب وہ خلافت طلب کرنے لگا تو لوگوں نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی کا احساس دلایا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عمر میں تو مجھ سے بڑے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ صحابی ہیں لیکن اُمورِ دینیہ میں وہ مجھ سے زیادہ سمجھ دار نہیں ہو سکتے۔" پس (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں) مروان کا یہ قول (کہ وہ صحابی ہیں) خود اس کی طرف سے اپنے صحابی نہ ہونے کا اعتراف ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگرچہ مروان کا

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۸/ ۲۶۰، الناشر: دار المعرفة، بيروت)

نبی اکرم ﷺ سے سماع کرنا ممکن تھا، لیکن اس کے باوجود وہ سماع نہ کر سکا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مروان کے والد کو آنحضرت ﷺ نے طائف کی طرف بھیج دیا تھا (اور وہ وہیں رہتا رہا، یہاں تک کہ جب) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو طائف سے واپس بلایا۔ اور مروان کی نبی پاک ﷺ سے روایت جو مسور بن مخرمہ کی روایت کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ پیچھے کتاب الشروط میں گزر چکی ہے اور وہاں پر بھی میں نے متنبہ کیا تھا کہ مروان کی یہ روایت مرسل ہے۔ واللہ الموفق۔ (ترجمہ ختم)

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کا تعاقب!

مرقومہ بالا عبارت میں حافظ ابن عبد البر کے حوالہ سے مروان کی صحابیت کے اثبات میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا تعاقب کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وقال بعضهم : لايلزم من عدم السماع عدم الصحبة وقد ذكره ابن عبد البر في الصحابة انتهى. قلت : ولو ذكره في كتاب (الاستيعاب) في باب مروان ولكنه قال : لم ير النبي صلى الله عليه وسلم. "[1]

ترجمہ: بعض علماء (مراد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں) کہتے ہیں کہ: "عدم سماع سے عدم صحابیت لازم نہیں آتی۔ اور مروان کو علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ اگرچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان کا ذکر اپنی کتاب "الاستیعاب" میں مروان کے باب میں کیا ہے، لیکن وہاں پر انہوں نے (یہ نہیں فرمایا کہ مروان صحابی ہے بلکہ) یہ فرمایا ہے کہ: "مروان کو نبی اکرم ﷺ کی رویت حاصل نہیں ہے۔" (ترجمہ ختم)

ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" لم ثر من جزم بصحبته. "[2]

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ۱۸/۱۸۶ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[2] (الاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر العسقلاني : ۶/۲۰۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے مروان کی صحابیت کا جزم کیا ہو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومروان لم يسمع من النبي صلي الله عليه وسلم وهو من التابعين ."[1]

ترجمہ: اور مروان نے نبی اکرم ﷺ سے سماع نہیں کیا۔ اور وہ تابعین میں سے ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" ومن كبار التابعين مروان بن الحكم ."[2]

ترجمہ: اور مروان بن حکم کبار تابعین میں سے ہے۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

" لم يصح له سماعة ."[3]

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

" ولم يصح له سماع من النبي صلي الله عليه وسلم ."[4]

ترجمہ: مروان کی سماعت نبی پاک ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا تمام تر تفصیلات سے یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ مروان کو نہ تو رسول اللہ ﷺ کی رؤیت حاصل ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے اُس کا سماع ثابت ہے۔ اس لئے مروان نا ہی صحابی ہوا نہ کہ صحابی۔ اور تابعی بھی کس قسم کا؟ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قلت : هو تابعي له تلك الأفاعيل ."[5]

---

[1] (جامع الترمذي : ۲۴۲/۵ ، الناشر : شركة مكتبة ومطبعة مصطفي البابي الحلبي ، مصر)

[2] (الإصابة في تمييز الصحابة : ۱۲۲/۶ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[3] (الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة للذهبي : ۲۵۳/۲ ، الناشر : دار القبلة للثقافة الإسلامية ، مؤسسة علوم القرآن ، جدة ، السعودية العربية)

[4] (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ۳۸۸/۲۷ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

[5] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ۸۹/۴ ، الناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ مروان تابعی ہے اور اُس کی یہ یہ حرکات ہیں۔

ایک دوسری جگہ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

"له اعمال موبقة نسأل الله السلامة رمي طلحة بسهم وفعل و فعل "[1]

ترجمہ: مروان کے اعمال ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ اُس نے حضرت کو تیر مارا (جس کی وجہ سے وہ شہید ہوئے) اور اُس نے یہ کیا اور وہ کیا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر حافظ مزیؒ کی کتاب "تهذيب الكمال في أسماء الرجال" کے محقق بشار عواد معروف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كلام الذهبي صحيح ، فينظر في أمر توثيقه مطلقا ويدرس "[2]

ترجمہ: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صحیح ہے، لہٰذا مطلق طور پر مروان کی توثیق کے معاملہ میں نظر کی جائے اور اُسے سدھایا جائے۔ (ترجمہ ختم)

جن حضرات نے مروان کے بارے میں تعریف و توصیف کے کلمات کہے ہیں تو وہ اُس کی شروع والی زندگی کو دیکھ کر کہے ہیں اور جنہوں نے اس کے بارے میں تھوڑا بہت سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں تو انہوں نے اس کی آخری زندگی کے اعمال و کرتوت کو سامنے رکھ کر کہے ہیں۔ باقی اس میں شک ہی کیا ہے کہ مروان کی آخری زندگی اُس کی شروع والی زندگی کی بہ نسبت کوئی اتنی اچھی نہیں تھی۔ اور اعتبار تو خاتمہ کا ہی ہوتا ہے۔

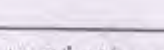

---

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٤/٨٩، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

[2] (حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال للبشار: ٢٧/٣٨٩، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان)

﴿۱۴﴾

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

﴿المتوفی ۱۲۹۷ھ﴾

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: محمد قاسم، لقب: حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، والد کا نام: اسد علی اور دادا کا نام: غلام شاہ ہے۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

''محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن مولوی محمد ہاشم ... الخ۔''

سلسلۂ نسب چلتے چلتے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

آپ کا تاریخی نام ''خورشید حسین'' ہے۔ اگر کسی مصلحت کی غرض سے اصل نام کا اخفاء مقصود ہوتا تو فرماتے کہ: ''میرا نام ''خورشید حسین'' ہے۔''

ولادت باسعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ضلع سہارن پور کے مردم خیز قصبہ ''نانوتہ''[1] میں ماہ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔

---

[1] یہ قصبہ دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں اور سہارن پور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس مشرق میں اور دہلی سے ساٹھ کوس شمال میں واقع ہے۔ رفیع

تحصیل علم:

بعض خاندان والوں کی طرف سے اذیت کے پیش نظر والد نے آپؒ کو دیوبند منتقل کر دیا تھا، جہاں رہتے ہوئے آپؒ نے ابتدائی کتابیں مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں۔ اس کے بعد سہارن پور میں مولانا محمد نواز صاحب سہارن پوریؒ سے فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں دہلی روانہ ہوئے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ سے "کافیہ" شروع کی اور فلسفہ اور معقول کی کتابیں "صدرا، شمس بازغہ، میر زاہد اور قاضی وغیرہ" کتابیں وہاں پڑھیں اور بہ معیت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ اور دونوں اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور سلوک شروع کیا۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو وفات پا گئے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مطبع احمدی" میں مزدوری پر تصحیح کتب کا سلسلہ شروع کیا۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھنا شروع کیا جو اس وقت برصغیر پاک و ہند کے تقریباً تمام ہی مطبوعہ نسخوں پر موجود ہے۔ آخری پانچ، چھ پاروں کا حاشیہ (جو سب سے زیادہ مشکل مقامات ہیں) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

ایک نیک خواب:

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپؒ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں اور آپؒ سے ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ: "تم سے علم دین کا فیض بہ کثرت جاری ہوگا۔"

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال رمضان المبارک میں (نصف قرآن کریم ایک رمضان شریف میں اور نصف دوسرے میں) یاد کر لیا اور جب سنایا تو ایسا صاف جیسے پرانے پختہ کار حافظ سناتے ہیں۔

حج بیت اللہ کی سعادت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تین حج کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پہلا حج ۱۲۷۷ھ میں اور دوسرا ۱۲۸۵ھ میں اور تیسرا ۱۲۹۴ھ میں کیا۔

فتنوں کا تعاقب اور اُن کی سرکوبی:

اس زمانہ میں ہندوستان میں دو فتنے خوب پھیلے ہوئے تھے، ایک پادریوں کا اور دوسرا پنڈت دیانند سرسوتی کا۔ یہ بزعم خویش بڑا منطقی و فلسفی تھا، مگر بفضلہ تعالیٰ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر اس کی ایسی سرکوبی کی کہ رہتی نسلوں تک اس کی "آریہ جماعت" کو اپنے باطل نظریات عملی دُنیا میں پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوگی چنانچہ "انتصار الاسلام" اور "قبلہ نما" اور ترکی بہ ترکی" وغیرہ کتابیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اسی طرح پادریوں کا بھی تعاقب کیا اور ۱۲۹۳ھ میں چاندپور ضلع شاہ جہان پور میں جلسہ عام میں پادریوں کو ایسا لاجواب کیا کہ وہ عین جلسہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور بعض کتابیں افراتفری میں چھوڑ گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت اسلام کو فتح ونصرت عطا فرمائی۔ اس جلسہ میں اہل کتاب کے مقابلہ میں یکتا مناظر حضرت مولانا منصور علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔

ظالم برطانیہ کے خلاف عملی جہاد میں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور حصہ لیا اور جہاد شاملی وغیرہ میں شرکت اور جرأت وبہادری سے کفار کا مقابلہ کرنا ایک واضح تاریخی حقیقت ہے۔

قیام دارالعلوم دیوبند:

محرم ۱۲۹۳ھ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور اس کار خیر میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بھرپور تعاون اور شرکت کی۔ مدرس کی پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی، چند ہی روز میں چندہ بڑھ گیا اور مدرس بڑھائے گئے اور معلم فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا۔

شادی اور اولاد:

سنہ ھ میں آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکیاں (اکرامن بی بی، رقیہ بی بی اور عائشہ بی بی) اور دو لڑکے (مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور محمد ہاشم صاحب) جیسے نیک اور صالح فرزند عطاء فرمائے، جن سے آگے چل کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر اہل علم نے جنم لیا۔

باقیات الصالحات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی باقیات الصالحات میں جہاں اپنی نیک وصالح اولاد واحفاد، دسیوں شاگردوں، بیسیوں متوسلین اور سیکڑوں معتقدین کو چھوڑے ہیں تو وہیں بیش قیمت علمی اور گراں قدر تحقیقی کتابوں کا بھی ایک عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) آب حیات (۲) ہدیۃ الشیعہ (۳) اجوبۂ اربعین (۴) اغتنام المؤمنین (۵) تقریر دل پذیر (۶) حجۃ اسلام (۷) مباحثۂ شاہ جہاں پور (۸) میلاد خدا شناسی (۹) انتصار الاسلام (۱۰) قبلہ نما (۱۱) تصفیۃ العقائد (۱۲) توثیق الکلام (۱۳) دلیل محکم (۱۴) تحفۂ لحمیہ (۱۵) قصائد قاسمی (۱۶) جمال قاسمی (۱۷) لطائف قاسمی (۱۸) مناظرۂ عجیبہ (۱۹) تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس (۲۰) اسرار قرآنی (۲۱) ترکی بہ ترکی۔

وفات حسرت آیات:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کو جمعرات کے روز بعد از نماز ظہر بعلت "ضیق النفس" اس جہان رنگ وبو کو خیر آباد کہا اور دار العلوم دیوبند کے بین متصل قبرستان قاسمی میں رحمت خداوندی کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محو استراحت ہو گئے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال وستودہ صفات مخالفین ومعاندین اور حاسدین کے سم آلود تیروں کے ظالمانہ واروں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی طرح نہ بچ سکے۔

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنی قلمی بھڑاس نکالتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> "سید نا الامام سید نا الامام الکبیر جن دنوں میں دیوبند کو وطن بنا کر یہاں مقیم ہو چکے تھے، اسی زمانہ کے اچھے اچھے ممتاز گھرانوں میں تفضیلی کا اثر موجود تھا، بلکہ سوانح مخطوط کے مصنف نے بجائے "تفضیلی" کے لکھا ہے کہ "مادہ رفض کا غالب تھا۔"[1]

---

[1] سوانح قاسمی: ۲/۷۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۶۵)

آگے چل کر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب خود لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ نے اپنے طور پر ''تفضیلیت و رفض'' کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی فرمائی، لیکن صد افسوس کہ حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں مشاجرات کے شرعی حکم (امساک، توقف اور سکوت) پر کما حقہ گامزن نہ رہ سکے۔ اس تمہید اور پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں موصوفؒ کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

''باقی رہے امیر معاویہ ؓ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی، چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ ؓ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ ؓ کا طور ملوک کا سا تھا، اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین ؓ کے مقابلہ میں دُنیادار معلوم ہوتے تھے۔[1]

حضرت معاویہ ؓ کو میسر آنے والی تمکین کی حقیقت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے ''باقی رہے امیر معاویہ ؓ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی، لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی۔'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین ؓ کی تمکین کی بہ نسبت حضرت معاویہ ؓ کی تمکین، تمکین ملک و سلطنت تھی، نہ کہ بعد میں آنے والے ملوک و سلاطین کی بہ نسبت، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین ؓ احتیاط و تقویٰ اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز تھے، حضرت معاویہ ؓ کے دور میں وہ معیار باقی نہیں رہا تھا، کیوں کہ حضرات خلفائے راشدین ؓ عزیمت پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ ؓ رخصت پر، وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ ؓ توسعات سے کام لیتے ہوئے مباحات پر عمل کرتے تھے۔ لہٰذا حضرات خلفائے راشدین ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے دور حکومت اور تمکین میں فرق تو بے شک تھا ہی، لیکن یہ فرق تقویٰ و طہارت اور فسق و فجور کا نہ تھا بلکہ

---

[1] (ہدیۃ الشیعہ، ص ۶۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۶۶)

﴿حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ کے بموجب تقویٰ واحتیاط اور رخصت ومباحات کا فرق تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو صفین وغیرہ جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے) سے پوچھا کہ: "ہمارے عہد حکومت کے بارے میں تمہارا خیال ہے' وہ کیسا ہے؟" حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اگر سچ کہیں تو تمہارا خوف ہے اور اگر جھوٹ کہیں تو اللہ کا۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ سچ بیان کرو!" اس پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"عدل زمانكم هذا جور زمان قد مضيٰ، وجور زمانكم هذا عدل زمان ما يأتي۔"[1]

ترجمہ: تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا، اور تمہارے زمانے کا ظلم آئندہ زمانے کا انصاف ہوگا۔ (ترجمہ ختم)

علمائے عقائد نے بھی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہی فرق بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ علم عقائد کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"قلت: لأهل الخير مراتب بعضها فوق بعض، وكل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة الى التي فوقها ..... ولذا قيل: ﴿حسنات الأبرار سيآت المقربين﴾ ..... الى أن قال ..... و اذا تقرر ذلك فنقول كان الخلفاء الراشدين لم يتوسعوا في المباحات وكان سيرتهم سيرة النبي صلى الله عليه وسلم في الصبر على ضيق العيش والجهد ..... وأما معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً لكنه توسع في المباحات ولم يكن في درجة الخلفاء الخلفاء الراشدين في اداء حقوق الخلافة لكنه عدم المساوات بهم لايوجب قدحاً فيه۔"[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اہل خیر کے مراتب (آپس میں) مختلف ہوتے ہیں جن

---

[1] (تاريخ اليعقوبي، ۲/ ۲۳۳، الناشر: دار صادر بيروت)

[2] (التحائف شرح تحفة العقائد النسفية للفرهاروي: ص، ۵۱۰، الناشر: المكتبة الحقانية، ملتان، پاكستان)

میں بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے اعتبار سے قابل اعتراض ہوتا ہے..... اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ "نیک لوگوں کی اچھائیاں مقرب لوگوں کی برائیاں (معلوم) ہوتی ہیں۔" جب مذکورہ بالا بات طے ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ نے مباحات میں توسع سے کام نہیں لیا تھا اور تنگی عیش پر صبر اور جد و جہد کے معاملہ میں ان کی سیرت آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مشابہ تھی — باقی جہاں تک حضرت معاویہ ﷺ کی بات ہے تو انہوں نے اگرچہ سر عام کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا، لیکن انہوں نے مباحات میں توسع ضرور اختیار کیا ہے، اور حقوق خلافت کی ادائیگی میں وہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے درجہ میں نہیں تھے، لیکن حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے ساتھ ان کا برابری نہ کر سکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ اگر غور کیا جائے تو حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤخر الذکر عبارت:

"لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز تھا، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفائے راشدین ﷺ کے مقابلہ میں دُنیا دار معلوم ہوتے تھے۔[1]

ہمارے اس موقف پر آفتاب نصف النہار کی طرح شاہد عدل ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شبہ نہیں ہے۔

حضرات خلفائے اربعہ ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے عہد حکومت میں فرق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"موصوف ایک دوسری کتاب میں اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اور یہ سچ ہے کہ سُنی اصحاب اربعہ ﷺ یعنی چار یار کو بہ ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین ﷺ سمجھتے ہیں اور خلیفۂ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ ﷺ اور یزید

---

[1] (ہدیۃ الشیعہ: ص ۶۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۶۶)

یلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفۂ راشد نہیں سمجھتا، ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے.....

اجی صاحب! اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں، خلیفۂ راشد نہیں سمجھتے۔ اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفۂ راشد مراد نہیں.....

اجی صاحب! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جیسے اولاد کو ہر کوئی "خلف" کہتا ہے، پر "خلف الرشید" اس کو کہتے ہیں جو "فرزند کامل" ہو ورنہ یا تو "ناخلف" ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے۔ سو خلیفۂ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ ؓ اس باب میں نہ خلیفۂ راشد ہیں نہ ناخلف۔ ہاں! فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوت اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی، اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے..... بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں، اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں، اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔ سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے؟۔ اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین (یعنی خلیفہ) تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔

ہاں! لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی: ایک خلیفۂ راشد، یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسن ؓ ہو گئے تھے۔

دوسرا خلیفۂ غیر راشد، اور خلیفۂ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں، ہاں! عمر بن عبدالعزیزؒ البتہ مروانیوں میں سے خلیفۂ راشد ہوئے ہیں۔[1]

---

[1] (اجوبۂ اربعین: ص ۱۸۵..... ۱۸۸ مطبوعہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۶۶، ۱۶۷)

خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ ہی میں منحصر ہے!

خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف مہاجرین اولین چار خلفاء (حضرت ابوبکر ﷺ حضرت عمر ﷺ حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ) ہی میں منحصر ہے۔ کوئی دوسرا خلیفہ اس میں شامل نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا أن يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا، ولينصرن الله من ينصره ، ان الله لقوي عزيز ، الذين ان مكنهم في الأرض أقاموا الصلوة وآتوا الزكوة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ، ولله عاقبة الأمور ."[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کردی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔[2]

اس آیت محکمین میں اللہ تعالیٰ نے اُن مہاجرین صحابہ ﷺ کے متعلق اعلان فرمایا جنہیں کافروں نے اُن کے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے کہ اگر ہم ان کو ملک

---

[1] (الحج: ۲۲/ ۴۰-۴۱)

[2] (آسان ترجمہ قرآن: ۲/ ۱۹۲۶، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں (نماز کو قائم رکھنے، زکوۃ ادا کرنے، بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے منع کرنے) کی تکمیل کریں گے۔

اور چوں کہ ان مہاجرین اولین صحابہ کرام ﷺ میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار خلفاء (حضرت ابوبکر ﷺ، حضرت عمر فاروق ﷺ حضرت عثمان غنی ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ ﷺ) ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، اس لئے ان کی خلافت کو خصوصی طور پر "خلافت راشدہ" کہا جاتا ہے۔

چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) عقیدۂ خلافت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:

"ونثبت الخلافة بعد رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أولاً لأبي بكر الصديق (رضي الله عنه) تفضيلاً له وتقديماً على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه، ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون."[1]

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت ثابت کرتے ہیں، اس طور پر کہ آپ ﷺ کو تمام اُمت پر تفضیل وتقدیم حاصل ہے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت عثمان ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت علی بن ابی طالب ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور امام ابوالحسن الاشعری (المتوفی ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

"ونتولى سائر أصحاب النبي (صلى الله عليه وسلم) ونكف عما شجر بينهم وندين الله بأن الأئمة الأربعة خلفاء راشدون مهديون فضلا لا يزاويهم في الفضل غيرهم."[2]

ترجمہ: اور ہم سب صحابہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں ہوئے اختلافات

---

[1] (عقيدة الطحاوية: ص ۱۱)

[2] (مقالات الاشاعرة ص ۱۱)

سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ ہی خلفائے راشدین ومہدیین ہیں اور کوئی بھی فضیلت میں ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ اور امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

"يعرفون حق السلف الذين اختارهم الله - سبحانه - لصحبة نبيه (صلى الله عليه وسلم) ويأخذون بفضائلهم ويمسكون عما شجر بينهم صغيرهم وكبيرهم ويقدمون أبابكر ثم عمر ثم عثمان ثم عليا رضوان الله عليهم. ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون أفضل الناس كلهم بعد النبي (صلى الله عليه وسلم) ويصدقون بالأحاديث التي جاءت عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم)"۔[1]

ترجمہ: (اہل سنت والجماعت) ان اسلاف کا حق پہچانتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا ہے، وہ ان کے فضائل کو لیتے ہیں اور جو اختلاف اُن کے چھوٹوں بڑوں میں چلے وہ اس اختلاف میں بحث کرنے سے پیچھے ہٹتے ہیں، اور سب سے مقدم وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رکھتے ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ یہی خلفائے راشدین مہدیین ہیں اور نبی پاک ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور اُن تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ (ترجمہ ختم)

خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی شرعی نوعیت:

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موعودہ خلیفہ راشد ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ آپ کی خلافت خلافت راشدہ ہی کا تتمہ وتکملہ تھی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ:

"الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك"۔[2]

---

[1] (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين للأشعري: ۱/ ۲۲۸، الناشر: المكتبة العصرية)

[2] (جامع الترمذي: ٤/ ٥٠٣، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ترجمہ: میری اُمت میں خلافت تیس (۳۰) سال تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ (ترجمہ ختم)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کے پیش نظر حضرت حسن ؓ کو مذکورہ خلفائے راشدین ؓ میں سے خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر یہ تیس سال اُس وقت پورے ہوئے جب ۴۱ھ میں حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے صلح کر کے خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی تھی اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي (رضي الله عنهما) فانه نزل عن الخلافة لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدي وأربعين ."[1]

اور تیس سال جو پورے ہوئے تو وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر پورے ہوئے کیوں کہ حضرت حسن ؓ، حضرت معاویہ ؓ کے حق میں ماہ ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

لیکن بعض دوسرے علماء نے حضرت حسن ؓ کو ان مذکورہ چار خلفائے راشدین ؓ میں سے شمار نہیں کیا بلکہ حضرت آپ ؓ کو خلیفہ راشد کہہ دیا ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین ؓ میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے بعد حضرت امام حسن ؓ اور اُن کے بعد حضرت امیر معاویہ ؓ کے نام کا اضافہ کیا ہے، مگر میں نے باتباع جمہور حضرت علی ؓ پر خلافت راشدہ کو اس لئے ختم کر دیا کہ حضرت امام حسن ؓ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی، پھر اُنہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ ؓ کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی اُن سے بیعت کر لی۔"[2]

اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير، ۱۷/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (خلفائے راشدین ؓ: ص ۲۳۸، ۲۳۹)

''اور آیت ﴿ وعد الله الذين آمنوا منكم ﴾ میں ﴿ منكم ﴾ کی قید کی وجہ سے (خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے) بعد کے خلفا، اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیے جاسکتے، خواہ حضرت امام حسن ﷺ ہوں یا حضرت امیر معاویہ ﷺ اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔'' [1]

اور مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن ﷺ کا عہد' خلافت راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ کی خلافت خلفائے اربعہ ﷺ کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت خلافت راشدہ ہے۔'' [2]

علماء کے اقوال میں تطبیق:

ان دونوں طبقوں کے علماء کے اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جن حضرات نے حضرت امام حسن ﷺ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیا ہے تو انہوں نے اصالۃً نہیں بلکہ تبعاً قرار دیا ہے، اس لئے کہ آپ کی خلافت کے چھ ماہ کا زمانہ اگرچہ خلافت راشدہ کے ان تیس سالوں میں ضرور آتا ہے جن کے بارے آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ: ''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔'' لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی، لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی، اس لئے کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ ہی کی خلافت تھی اس لئے آپ کو حکماً خلیفہ راشد کہہ دیا ہے اصالۃً نہیں کہا۔

اور جن دوسرے بعض حضرات نے آپ ﷺ کی خلافت کو سرے سے خلافت راشدہ ہی تسلیم نہیں کیا تو وہ اس وجہ سے کہ ایک تو آپ ﷺ کا عہد خلافت' خلافت راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا، حضرات خلفائے اربعہ ﷺ کی خلافت موعودہ کی طرح خلافت موعودہ نہیں تھی جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کا عہد' خلافت تامہ بھی نہیں تھا اس لئے کہ آپ ﷺ نے ماہ ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت کی باگ ڈور حضرت معاویہ ﷺ کے ہاتھ میں تھما دی تھی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ [3]

---

[1] (سنی موقف، ۵۲،۵۳)

[2] (سیدنا معاویہ ﷺ کے بارے میں گم راہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۲۷۶، ۲۷۷)

=

اس لئے یہ حضرات بھی آپ ﷺ کو خلفائے اربعہ حضرات خلفائے راشدین ﷺ کی طرح خلیفہ راشد موعود نہیں مانتے بلکہ حکماً خلیفہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت حسن ﷺ کی خلافت اگرچہ علیٰ منہاج النبوۃ ضرور تھی لیکن خلافت راشدہ موعودہ نہیں تھی اس لئے آپ ﷺ خلیفہ راشد موعود نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے فضائل عالیہ وصفات کمالیہ کے سبب حکماً آپ ﷺ کو خلیفہ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حضرت معاویہ ﷺ کا معاملہ حضرت حسن ﷺ سے بھی جدا ہے، اس لئے کہ حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت اُن تیس سالوں کے بعد پہلے منازعت اور پھر مصالحت حسن ﷺ کی صورت میں معرض وجود میں آئی تھی، جس کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی کر دی تھی، اس لئے حضرت معاویہ ﷺ کی خلافت نہ تو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور نہ ہی خلافت راشدہ موعودہ تھی، بلکہ آپ ﷺ کی خلافت پر ملوکیت کی شان غالب تھی اور آپ ﷺ سے ملوکیت و سلطنت کا زمانہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا اور ایک چنگیز خان، لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا جائے اور دونوں کے درمیان فرق مراتب کا کوئی امتیاز نہ کیا جائے، بلکہ دونوں کے فرق مراتب کا خیال رکھتے ہوئے منصف و عادل کو ظالم و جابر سے ضرور ممتاز کیا جائے۔

حضرت معاویہ ﷺ کا شمار اگرچہ ملوک و سلاطین میں ہوتا ہے لیکن ان ملوک و سلاطین میں نہیں کہ جن کا کام ہی ظلم و ستم، قتل و غارت اور تعیش پسندانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے، بلکہ آپ ﷺ کا شمار اُن ملوک و سلاطین میں ہوتا ہے کہ جن کا مقصد عدل و انصاف، امن و امان اور زاہدانہ زندگی گزارنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی فضائل محمودہ و خصائل ستودہ کے پیش نظر حکماً آپ ﷺ کو بھی خلیفہ راشد کہہ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سلطان کامل حکمی خلیفہ راشد ہے، یعنی اگرچہ خلافت راشدہ تک نہیں پہنچا، لیکن خلافت راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق و اخلاص سے اس سے صادر ہوں۔" [1]

= "وانما كملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علي، فانه نزل عن الخلافة لمعاوية في ربيع الأول من سنة احدى وأربعين." (البداية والنهاية لابن كثير: ۷۷/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت، لبنان)

[1] (منصب امامت (از شاہ اسماعیل شہید) ص ۹۹)

کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کیا؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت نانوتوی پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو جلیل القدر صحابہ میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ زیرِ عنوان ''مذہب امیر معاویہ ؓ دربارہ خلافت'' لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ ؓ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے، اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا جاتا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا، جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترکِ افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ ؓ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں۔ اور پھر ہم امیر معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ ؓ میں شمار نہیں کرتے ہیں (از اجلہ صحابہ نمی شمریم) کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔ [1]

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فارسی مکتوب (بنام مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ) ان کے مجموعہ مکتوبات بنام ''قاسم العلوم'' میں شائع ہو چکا ہے۔ [2]

پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کے اس قول کہ ''ہم حضرت معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ ؓ میں شمار نہیں کرتے'' کی تاویل کرتے ہوئے نیچے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ''یعنی چوں کہ حضرت معاویہ ؓ حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ و عثمان ؓ و علی ؓ کی طرح ایسے صحابہ ؓ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم

---

[1] (انوار النجوم، ص ۴، ۱۷۵، مترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی فاضل دار العلوم دیوبند بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۶۷)

[2] (ملاحظہ ہو یادگار حسین، ص ۳۰ مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ۱۶۷)

معذرت پیش کریں۔" (حوالہ مذکورہ)

یعنی اگر حضرت معاویہ ﷺ جلیل القدر صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی وغیرہ جیسے معاملات پر "سب وتنقید" کی صورت میں اُن کی طرف سے معذرت پیش کرتے۔

اوّل تو حضرت نانوتویؒ کی یہ بات ہی خلاف حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ جلیل القدر صحابی نہیں تھے۔

علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ فرماتے ہیں کہ:

"أقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة ونجبائهم ومجتهديهم ولو سلم أنه من صغارهم فلا شك في أنه داخل عموم الأحاديث الصحيحة الواردة في تشريف الصحابة رضي الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث ..... [1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ ﷺ کبار صحابہ، اشراف اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصاغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بلکہ خاص امیر معاویہ ﷺ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ﴿ اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به ﴾ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿ اللهم علم معاوية الحساب والكتاب وقه العذاب ﴾ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا..... بہرحال حضرت نانوتویؒ کی حضرت معاویہ ﷺ کے دفاع سے معذرت خواہی کے بارے میں یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ:

معذرت را خندہ می آید براستغفار" [2]

---

[1] (تحفہ اثنا عشریہ شرح تشریح العقائد: ۵۵۰)

[2] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۶۷، ۱۶۸)

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است!

فاضل مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دوران ترجمہ یہاں تھوڑا بہت تسامح اور سہو ہو گیا، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں اُنہوں نے نیچے حاشیہ میں بھی غلطی کھالی، جس کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل گئی اور مخالفین و معاندین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کر کے انہیں حضرت معاویہ ﷺ کا ناقد و گستاخ ٹھہرا دیا۔

مولانا انوار الحسن شیر کوٹی کا تسامح اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت:

لہٰذا ہم سب سے پہلے اصل کتاب قاسم العلوم (یعنی مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی فارسی عبارت نقل کرتے ہیں اور اُس کے بعد سلیس اُردو زبان میں اُس کا ترجمہ کرتے ہیں، تاکہ اصل حقیقت ناظرین و قارئین حضرات کے سامنے واضح ہو سکے اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت معاویہ ﷺ پر طعن و تنقید کے حوالے سے حاسدین و مخالفین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے جو پروپیگنڈا کھڑا کر رکھا ہے اُس کا ازالہ ہو سکے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکھر کر علیحدہ و علیحدہ ہو جائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی "مذہب امیر معاویہ ﷺ در بارۂ خلافت" عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> "واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہ ﷺ در بارۂ خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد (گو افضل از و باشند) افضل است از دیگراں، نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند، و اگر افضل نہ دانستند پس بیش ازیں نیست کہ کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استکاف افضل، افضل است نہ واجب، لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ سب و شتم امیر معاویہ ﷺ پیش آئیم، ایں طرف امیر معاویہ ﷺ را از اجلہ صحابہ نمی شمریم کہ بہ نسبت ترک افضل و اولیٰ ہم دریں چنیں اُمور معذرت نمائیم۔"[1]

ترجمہ: اور خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ ﷺ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر اُمور میں اس سے

---

[1] (قاسم العلوم مع ترجمہ انوار الکلام، ص ۱۷۳، ۱۷۵، مطبوعہ ناشران قرآن لاہور، طباعت ۱۹۷۴ء)

افضل ہی کیوں نہ ہوں) وہ دوسروں سے افضل ہے۔ اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ ؓ، اُس (یعنی یزید) کو دوسروں سے افضل جانتے تھے۔ اور اگر اُس کو افضل نہ بھی جانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں (کہا جاسکتا) کہ انہوں نے افضل کو ترک کیا ہے (واجب کو ترک نہیں کیا)۔ چنانچہ گزشتہ مقدمات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں ہے، لیکن اس (ترک افضل و ترک اولیٰ جیسے) قدرے (اور معمولی عمل) کو (بہر حال ایسا) گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس کے سبب ہم حضرت امیر معاویہ ؓ پر سب و شتم کرنے لگ جائیں اور اس حوالے سے ہم حضرت امیر معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ ؓ میں شمار نہ کریں، بلکہ ترک اولیٰ و افضل کی نسبت سے ہم اس جیسے (دیگر تمام) اُمور میں (ان کی طرف سے) معذرت پیش کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

یہ ہے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل فارسی عبارت کا صحیح معنی و مفہوم کہ جس کے پڑھ لینے اور سمجھ لینے کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ بے مثال محبت و عقیدت اور بے پناہ عاشقانہ دفاع کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو اور تسامح کیا ہوا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے ہاتھ ایک بہت بڑا شکار لگ گیا اور وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بغلیں بجانے لگ گئے اور اسے انہوں نے اپنے مذموم عزائم اور فاسد اغراض کی خاطر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مستحسن امر کو ایک مطعون و معیوب چیز کا نام دے دیا۔

واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ

"ہنر چشم عداوت بزرگ تر عیب است"

﴿۱۵﴾

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: رشید احمد، لقب: قطب الارشاد، والد کا نام: ہدایت احمد، اور دادا کا نام: پیر بخش ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسن بن غلام علی بن علی اکبر بن محمد اسلم الانصاری الایوبی الخ۔"

اور اس طرح پینتیسویں پشت پر جا کر یہ سلسلہ مشہور میزبان رسول ﷺ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۶ ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ کو یوم دوشنبہ (سوموار کے دن) چاشت کے وقت قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ اور جس وقت آپؒ کے والد ماجدؒ مولانا ہدایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ عمر پینتیس سال ۱۲۵۲ھ میں گورکھ پور میں انتقال فرمایا اس وقت آپؒ کی عمر مبارک صرف سات برس کی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک بڑے حضرت مولانا عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو فارسی کی ابتدائی کتابوں میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی تھے۔ اور دوسرے چھوٹے جناب سعید احمد صاحب جو کہ صرف نو سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں آپؒ کی دو بہنیں بھی تھیں، ایک

حقیقی، جن کا نام " فصیحاً " اور دوسری سوتیلی جن کا نام " اُمۃ الحق " تھا۔

تحصیل علم:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سال بعد ۱۲۶۲ھ میں اُستاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو دہلی میں اجمیری دروازہ کے قریب صدر مدرس تھے) تعلیم شروع کی، اور پھر دونوں (حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ) ہم سبق ہو گئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کرلیں اور حفظ قرآن پاک کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔

بعد ازاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نوعمری ہی میں فارسی کی کتابیں "کرنال" میں اپنے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو فارسی کے قابل ترین اُستاذ تھے۔ فارسی کی کتابوں سے فارغ ہونے کے بعد آپؒ کو عربی کی کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہوا، اور آپؒ نے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا محمد بخش صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اور اُستاذ کی ترغیب سے نے بہ عمر سترہ سال ۱۲۶۱ھ کو آپؒ نے دہلی کا سفر کیا اور حضرت مولانا قاضی احمد الدین صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم شروع کی۔

نکاح اور بیعت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح آپؒ کے حقیقی بڑے ماموں حضرت مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی "خدیجہ" خاتون علیہا الرحمۃ سے ہوا، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلاسل اربعہ میں بیعت ہوئے۔

اولاد واحفاد:

اس خاتون سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحب زادے اور دو ہی صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ ایک صاحب زادے ولادت کے بعد چند ایام ہی کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ اور دوسرے صاحب زادے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ اور ایک لڑکی بنام "امہانی" تین، چار سال کی عمر میں انتقال کر گئیں تھیں۔ اور دوسری صاحب زادی "صفیہ خاتون" تھیں جو حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔

انگریز کے خلاف جہاد میں شرکت:

برطانیہ کے خلاف ہندوستان میں جب رمضان المبارک (۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۷ء) میں تحریک آزادی شروع ہوئی تو اس جہاد میں (جس کو کم بخت مؤرخ غدر لکھنے سے نہیں چوکتے) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ نے بھرپور حصہ لیا اور مؤخر الذکر "جہاد شاملی" میں شہید ہو گئے۔

اس جہاد کی پرزور تحریک گئی وجوہ کی بنا پر ناکام ہو گئی۔ اور سابق تینوں حضرات کے خلاف حکومت برطانیہ نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ اور گرفتار کرنے والوں کے لئے صلہ اور انعام تجویز کیا۔ اس لئے طالب دُنیا لوگ ان کی تلاش میں مساعی اور ان کو گرفتار کرانے کی تگ و دو میں سرگرداں رہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید صادق جناب راؤ عبداللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے "اصطبل اسپاں" میں پنج لاسہ ضلع انبالہ میں روپوش ہو گئے۔ کسی بدبخت مخبر نے حکومت کو خبر کر دی اور سرکاری عملہ آ پہنچا اور راؤ صاحب علیہ الرحمۃ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے بہانے پورے "اصطبل" کا محاصرہ کر کے تلاشی لی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی نگاہوں سے اوجھل رکھا اور وہ خائب وخاسر ہو کر بے نیل مرام واپس چلے گئے۔

لیکن ظالم برطانیہ کی آتش انتقام اس سے کب ٹھنڈی ہو سکتی تھی؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب اور تلاش بھی بدستور جاری رہی، آپ ظالموں کی نگاہ سے بچ کر رام پور چلے گئے اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں جا ٹھہرے اور وہیں سے ۱۲۷۶ھ کے شروع میں گرفتار کئے گئے اور سہارن پور کے جیل خانہ میں پہنچا کر جنگلی پہرہ کی نگرانی میں دے دیئے گئے۔ تین چار دن آپ کوتوال کوٹھری میں اور پھر پندرہ دن جیل خانہ کے حوالات میں مقید رکھا گیا۔ اس کے بعد پیدل ہی براستہ دیوبند مظفر نگر کے جیل خانہ میں منتقل کر دیا گیا اور تقریباً چھ ماہ وہاں رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے باعزت رہائی نصیب ہوئی۔

اس کی یہ وجہ تھی کہ ظالم برطانیہ کے قدم مضبوط ہو چکے تھے اور کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا، اس لئے مسلمانوں کی ایک مقتدر شخصیت کو رہا کر کے ہی ملکی شورش کو ختم کرنا مناسب سمجھا گیا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابو النصر علیہ الرحمۃ اور اُن کے والد مولانا عبدالغنی صاحب علیہ الرحمۃ وغیرہ متعلقین واحباب کی معیت میں گنگوہ پہنچے۔ اور گنگوہ میں ۱۳۱۴ھ تک ایک کم پچاس برس تک "برہما، سندھ، بنگال، پنجاب، مدراس، دکن، برار اور افغانستان وغیرہ اطراف و

اکناف کے طلبہ دین آپؒ سے مستفید ہوتے رہے۔

حج بیت اللہ کی سعادت:

۱۲۸۰ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی اور یہ حج فرض تھا۔ دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں نصیب ہوا جو حج بدل تھا۔ اور تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا یہ بھی حج بدل تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے حقیقی اولاد سے نواز رکھا تھا تو وہیں روحانی نیک وصالح اولاد سے بھی نواز رکھا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے روحانی اولاد کی صورت میں ہزاروں طلباء، سیکڑوں علماء اور بے شمار خلفاء اپنے پیچھے چھوڑے۔

تصانیف:

اسی طرح صدقہ جاریہ کی صورت میں بے مثال وباکمال نہایت ہی عالمانہ ومحققانہ تصانیف آپؒ نے یادگار چھوڑیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ (۲) اوثق العریٰ (۳) ہدایۃ الشیعۃ (۴) سبیل الرشاد (۵) امداد السلوک (۶) القطوف الدانیہ (۷) زبدۃ المناسک (۸) لطائف رشیدیہ (۹) رسالہ تراویح (۱۰) رسالہ وقف (۱۱) فتویٰ ظہر احتیاطی (۱۲) فتویٰ میلاد (۱۳) ہدایۃ المعتدی (۱۴) رسالہ خطوط وغیرہ۔

وفات حسرت آیات:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور لاکھوں عقیدت مندوں، ہزاروں علماء اور بے شمار طلباء کو داغ مفارقت دے کر مسافران آخرت میں شامل ہو گئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ حاسدین ومعاندین اور مختلف قسم کے مخالفین کے تیز وتند تیروں اور تلواروں کے وار سے چاروں طرف سے ہمیشہ نشانہ پر رہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت گنگوہیؒ نے (حضرت معاویہ ؓ کے متعلق اہل تشیع کے سوالات کے جوابات دینے میں) جو انداز اور لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے، وہ ہرگز ہرگز کاتب وحی سیدنا معاویہ ؓ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے مؤقف کے حامی دیگر صحابہ وتابعین کی توہین وتنقیص کے زُمرے میں آتے ہیں۔

''اور معاویہ ؓ کا محاربہ جو حضرت امیر ؓ کے ساتھ ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں؟ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ ؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے..... فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ اور حضرت امیر ؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا۔ اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی؟..... ہاں البتہ اس میں بہ سبب شبہ وتاویل کجی آگئی تھی۔ اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ ؓ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اے بھائی! حضرت معاویہ ؓ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں، کم وبیش آدھے اصحاب کرام ؓ اُن کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں..... الخ۔''[1]

ظاہر ہے کہ صحابہ وتابعین پر مشتمل تقریباً یہ نصف تعداد حضرت معاویہ ؓ کے فعل ''حرب'' کو جائز ہی سمجھ رہی تھی، تب ہی تو اُنہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تو ہو نہیں سکتا۔ پھر اس فتوے یا فیصلے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ ''معاویہ ؓ کا محاربہ حضرت امیر ؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔''[2]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی (اُردو) ۳/۵۸۰، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۷۰، ۱۷۱)

[2] (بدایۃ الشیعہ ص ۳۰، ۳۱، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۱۷۰، ۱۷۱)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں در اصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ لڑنے میں مجتہد خطی مانتے ہیں، لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو، اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہرگز بیان نہیں فرمارہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے، بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انہیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ لان الفاسق لیس باھل اللعن.

حضرت گنگوہیؒ پر اہل تشیع کے بارھویں امام کو اہل سنت کا پیشوا قرار دینے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے مخبث باطن کا زہر اگلتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

> ''قارئین کرام! کیا حضرت (گنگوہیؒ) کا یہ فرمانا بھی حق ہے؟ کہ:
>
> ''ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین وقطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور چھ مہینے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زُہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا۔''[1]

اس عبارت میں موصوف نے اہل تشیع کے بارہویں فرضی امام مہدی کو بھی اہل سنت کا پیشوا، مقتداء اور قطب ارشاد (بحیثیت عقیدہ) قرار دیا ہے، جو بعد از ظہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حد جاری کرنے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روضۂ

---

[1] (تالیفات رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص ۵۸۴ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور، کراچی بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۱۷۴)

نبوی ﷺ سے نکال کر ہزار مرتبہ روزانہ قتل کرے گا۔ حضرت گنگوہیؒ کی اس عبارت میں "ائمہ اثنا عشر" سے کسی فاسد ترین تاویل کے ذریعے بھی ہرگز "سنی مہدی" مراد نہیں لیا جاسکتا۔[1]

حضرت گنگوہیؒ کی حقانیت اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہونا دجل وفریب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں پر بھی اپنے دجل وفریب اور ہیرا پھیری کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا سیاق حذف کر کے صرف اپنے مطلب کی عبارت قارئین کے سامنے پیش کی ہے، تاکہ قارئین کے ذہن میں عملی طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نفرتوں اور بدگمانیوں کا بیج بو کر انہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل طرح بدظن کیا جائے، لیکن ان شاء اللہ! حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فرزند پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کسی بھی صورت ان کے ان مکروہ اور ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ اب ہم "تالیفاتِ رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ" سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مکمل عبارت بمع سیاق وسباق کے ذکر کرتے ہیں کہ جس کا صرف ایک جزو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ذکر کر کے قارئین کو اپنے دجل و فریب کے شکار میں لینا چاہ رہے ہیں، تاکہ قارئین کرام کے سامنے اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اُن کا ذہن "آئینہ تمثال" کی طرح صاف وشفاف اور بے غبار ہو جائے اور پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دجل وفریب کی قلعی کھل جائے اور اُن کا دجل وفریب طشت از بام ہو جائے۔

چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین وقطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیر ؓ اور چھ مہینے حضرت حسن ؓ کے اور کسی کو نہیں جانتے، اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی، مگر وقوع اس کا بہ سبب ان کے زُہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا، کیوں کہ امام کا کام انتظام رعایا کا اور دادِ مظلوم ظالم سے لینا اور جہاد وغیرہ اُمور ہوتے ہیں، اور پھر ان حضرات دہگانہ میں کبھی یہ بات ہوئی ہے جو ان کو امام ظاہر کہا جاوے، ورنہ یوں تو جس کو چاہو امام نام رکھ لو۔ ہاں! استحقاق ولیاقت

---

[1] (سبّ نامعاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۷۴)

میں کچھ کلام نہیں، مگر محض لیاقت سے تو کام نہیں چلتا۔ اگر لیاقت امام کا نام امام ہے تو اتنا تو ہم بھی مقر ہیں، ورنہ بہ قول سائل شیعہ کو وہی خواجش و ہوا کا امام بنا کر پرستش کرنا پڑا۔ خیر! ہم یہاں زیادہ کچھ نہیں کہتے جواب سائل کو شافی حاصل ہو گیا۔ ہاں! البتہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو زندہ تصور کر کے امام ظہرانا یہ بھی ایک مضحکہ صبیان ہے اور پابندی اپنے اُصول میں ایسی ہزل پر عقیدہ کرنا محض حماقت۔"[1]

قارئین کرام! اس عبارت میں صاف طور پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے مزعومہ اور فرضی امام مہدی کے زندہ تصور کرنے کو مضحکہ صبیان کہہ رہے ہیں، نہ کہ سنیوں کے سُنی امام مہدی علیہ السلام کو، جس سے صاف اور واضح طور پر آشکارا ہو جاتا ہے کہ بارہویں امام سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد شیعوں کا مزعومہ و فرضی اور مضحکہ صبیان امام مہدی ہرگز ہرگز مراد نہیں، بلکہ اس سے مسلمانوں کے وہ (سُنی) امام مہدی علیہ السلام مراد ہیں جو قیامت کے قریب پیدا ہوں گے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت و فوقیت کا شبہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کر کے اور پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر کے دو مختلف اسالیب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی؟ ہاں! البتہ اس میں یہ سبب شبہ و تاویل بھی آگئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ سے خطا ہوئی مگر تاویل۔"[2]

"احتمال خطاء اور امکان زلت کے درجہ میں آپ (حضرت گنگوہیؒ) یقیناً بشر تھے

---

[1] (تالیفات رشیدیہ تحت ہدایۃ الشیعہ: ص ۵۸۴ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

[2] (ہدایۃ الشیعہ: ص ۳۳، ۳۴ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصراً): ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

مگر ہادی و رہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چوں کہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بطحائے پیغمبر ﷺ کی میراث ہے، اس لئے آپؐ کی قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی و نگہبانی ہوتی تھی۔ آپؐ اولیاء اللہ کے اُس اعلیٰ طبقہ میں رُکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال و افعال اور قلب و جوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے، اور جن کی زبان اور اعضائے بدن کو تائید و توفیق خداوندی نے مخلوق کو گم راہی سے بچانے کے لئے اپنی تربیت و کفالت میں لے رکھا تھا۔" [1]

یہاں دونوں قسم کے اُسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودھویں صدی میں حضرت مکی کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہی اس مقام تک پہنچ گئے کہ بہ تقاضائے بشریت ان سے خطاء و لغزش کا صرف "احتمال" اور "امکان" ہے دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے "خطاؤں" اور "کبائر" کا "احتمال" و "امکان" ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر "صدور وارتکاب" بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ "لعن" کے مستحق نہیں ہیں۔" [2]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو دو مختلف اسالیب ذکر کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ذاتوں کا باہم تقابل کرا کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت و فوقیت ثابت کرتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد ظہرا کر اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے ہوئے جو بے جا استدلال اور غلط نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کسی طرح بھی تام، صحیح اور درست نہیں۔ اس لئے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (جیسا کہ پیچھے کافی تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے) شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں دراصل اس مسئلے پر گفتگو فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور اُن کے جملہ اصحاب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے ساتھ جنگ

---

[1] (تذکرۃ الرشید: ۲/ ۱۶، ۱۷، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۱۷۴)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصر): ص ۱۷۸)

لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں (نہ کہ مطلقاً مخطی)، لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب سے وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے، بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہے، اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہرگز بیان نہیں فرمارہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے اور سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں'' اور ''کبائر'' کا ''احتمال'' و ''امکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر صدور ''وارتکاب'' بھی ہوا ہے، البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔'' بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انہیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی اُن پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ لأن الفاسق لیس باھل اللعن

مولانا میرٹھیؒ کے والہانہ کلام کو حضرت گنگوہیؒ کے سر تھوپنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟:

جب کہ دوسری طرف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہی کے اس مقام تک پہنچ جانے کہ جس میں ان سے بہ تقاضائے بشریت صرف خطاء و لغزش کا امکان باقی رہ جانے کا ذکر کیا ہے تو یہ ایک مرید عاشق کا اپنے پیر و مرشد کے بارے میں والہانہ و وارفتہ گانہ کلام ہے، ورنہ خود حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کبھی بھی اپنے آپ کو خطاء و لغزش سے مبرا نہیں سمجھا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو لے کر حضرت گنگوہی قدس سرہ کو آڑے ہاتھوں لینا، اُن کو کوسنا اور اُن کو برا بھلا کہنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟ اگر حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنی اس تعریف کو ملاحظہ فرمالیتے تو سختی سے منع کرتے اور فرماتے کہ میں تو ایک بندۂ گناہ گار و خطا کار ہوں۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے بعد اُن کے ایک وارفتہ عاشق صادق کی طرف سے اُن کی تعریف و توصیف میں کہے گئے کلام مدح کے الزام کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے سر تھوپنا اور

''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا''

کا مصداق انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ ٹھہرانا اور ناقد باور کرانا اکابر دشمنی کا عملی ثبوت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج:

نیز مولانا عاشق الٰہی صاحب کا حضرت گنگوہی کو خطاؤں کے وقوع سے محفوظ کہنا اپنے جائزے کے لحاظ سے ہے۔ البتہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو اگر حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اپنی کسی خطا کا علم ہے تو ہمیں آگاہ کریں، اگر ثابت ہو جائے تو اسے کسی کو بھی ماننے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہم انہیں بشر ہی مانتے ہیں، فرشتہ نہیں۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ؓ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے درمیان خطاؤں اور غلطیوں کا جو بے جا ہی تقابل کرایا ہے اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ تقابل تو خود صحابہ کرام ؓ میں بھی پایا جاتا ہے کہ بعض عام صحابہ ؓ سے چھوٹی موٹی غلطیاں تک صادر نہیں ہوئیں اور حضرت معاویہ ؓ سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں صادر ہوئی ہیں، تو کیا اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ عام صحابہ ؓ سے تو چھوٹی موٹی غلطیاں بھی صادر نہیں ہوئیں اور حضرت معاویہ ؓ جیسے جلیل القدر اور کاتب وحی صحابی سے اتنی بڑی بڑی غلطیاں کیوں کر صادر ہوئی ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عقل مند شخص صحابہ کرام ؓ کے اس تقابل کو صحیح اور درست نہیں مان سکتا۔ پس اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو بے جا تقابل کرایا ہے اسے بھی کسی طرح صحیح اور درست نہیں کہا جا سکتا۔

دراصل بات یہ ہے کہ جو شخصیت جتنی بڑی ہوتی ہے اسی قدر زیادہ اس کی ہر ہر بات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس میں جہاں لاکھوں بھلائیاں اور اچھائیاں شامل ہوتی ہیں تو وہیں اس کی چند لغزشیں اور تھوڑی بہت خطائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ہزاروں صحابہ ایسے ہیں کہ جن کی ایک نماز کا بھی قضاء ہونا یا نماز میں سہو ہو جانا کہیں بھی منقول نہیں مگر اس کے بالمقابل خود آنحضرت کی نمازوں کا قضاء ہونا اور متعدد بار نماز میں سہو ہو جانا بھی منقول ہے، حالاں کہ سب اس کے قائل ہیں اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن اس کے باوجود کوئی شخص بھی نہیں کہتا کہ یہ توہین رسالت ہے۔

الزامی جواب:

اور اگر یہی بات ہے تو پھر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ماعزؓ سے تو زنا بھی صادر ہوا ہے اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ نے تو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت بھی لگائی تھی حالاں کہ ہزاروں

تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات میں سے کسی ایک کی زندگی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رُونما نہیں ہوا تو کیا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان ہزاروں تابعین، فقہاء، ائمہ مجتہدین وغیرہ حضرات کی فضیلت وفوقیت حضرت ماعز اسلمی ؓ اور مسطح بن اثاثہ ؓ پر ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے اور ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ پس اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی فضیلت وفوقیت حضرت معاویہ ؓ پر کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت وفوقیت کسی بھی طرح حضرت معاویہ ؓ پر ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت لے کر خواہ مخواہ بحث ومباحثہ کا بازار گرم کرنا اور جو چیز کسی کا اعتقاد ہی نہ ہو اُس پر چڑھائی کرنا شقاوت و حماقت اور بدبختی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾

خاتمۃ المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۵۲ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: محمد انور، لقب: خاتمۃ المحدثین، اور والد کا نام: محمد معظم ہے۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"انور شاہ بن معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ محمد عارف بن شاہ عبدربہ بن شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعودی نروری کشمیری ... الخ"

آگے جاکر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ مسعود نروری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن "بغداد" تھا۔ وہاں سے ملتان، ملتان سے لاہور اور پھر لاہور سے کشمیر سکونت اختیار کی۔ بلکہ اگر اس سے بھی اوپر جایا جائے تو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء یوم شنبہ (ہفتہ کے دن) بوقت صبح وادیٔ کشمیر کے علاقہ "لولاب" کے مقام ودوان میں مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن مجید سمیت فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر ڈالے۔ اس کے بعد مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر کشمیر اور ہزارہ سمیت مختلف مدارس سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد دار العلوم دیوبند سے بیس، اکیس برس کی عمر میں نمایاں شہرت و عزت کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۱۲ھ سند فراغت حاصل کی۔

شیوخ و اساتذہ:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو جن اصحاب علم و فن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اُن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۳﴾ حضرت مولانا محمد اسحاق امرت سری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ اس کے بعد کشمیر، دہلی دار العلوم دیوبند اور ڈابھیل میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔

زیارت حرمین شریفین:

۱۳۲۳ھ میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس سفر میں طرابلس، بصرہ، مصر اور شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد استعداد اور بے نظیر لیاقت کو دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔

عقد نکاح:

تینتالیس (۴۳) برس کی عمر میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بزرگوں کے پُر زور اصرار پر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، جس سے سات صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

صاحب زادوں میں مولانا محمد انظر شاہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد از ہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف ہیں۔

تلامذہ وشاگرد:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیوبند کے اٹھارہ سالہ قیام کے دوران تقریباً دو ہزار طلباء آپ سے بلاواسطہ مستفید ہوئے جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

﴿۱﴾ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۲﴾ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) ﴿۳﴾ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۵﴾ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۶﴾ حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۷﴾ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۸﴾ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۹﴾ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرت سری رحمۃ اللہ علیہ ﴿۱۰﴾ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی مقام:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وعملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران واعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے وہ آپ کی جامعیت اور تبحر علمی ہے۔ علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے کوئی بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علمائے متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہستیاں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔

تصانیف:

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دینی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی اپنے قلمی جوہر خوب دکھائے اور اُن کے ذریعہ ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ جن میں سے چند ایک تصانیف کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ التصريح بما في تواتر نزول المسيح ﴿۲﴾ عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه السلام ﴿۳﴾ فصل الخطاب في مسألة أم الكتاب ﴿۴﴾ خاتم النبيين. ان کے علاوہ چند تقریریں ہیں جو درس کے وقت آپ املاء کرواتے تھے اور جنہیں آپ کے اجلہ تلامذہ نے قلم بند کیا تھا۔ اُن میں سے ایک پہلی تقریر ﴿۵﴾ "فيض الباري شرح صحيح البخاري" ہے جو آپ کے نمبر رشید مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

نے عربی زبان میں قلم بند کی تھی اور وہ چار جلدوں میں چھپی ہے۔ اور دوسری دوسری تقریر ﴿۶﴾ "شرح صحیح مسلم" ہے جو آپؒ کے دوسرے تلمیذ رشید علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کی ہے۔ اور تیسری تقریر ﴿۷﴾ "حاشیہ سنن ابی داؤد" ہے جو آپؒ کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کی ہے (لیکن یہ حاشیہ تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا، اگر کوئی صاحب استعداد فاضل ہمت کر کے اسے منصۂ شہود پر لانے کی سعی فرمائیں تو یہ ایک گراں قدر علمی خدمت اور صدقۂ جاریہ ہوگا۔ رقیم) اور چوتھی تقریر ﴿۸﴾ "العرف الشذي حاشية جامع الترمذي" ہے جو آپؒ کے ایک اور تلمیذ رشید مولانا چراغ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس اردو سے عربی میں قلم بند کی تھی اور آج کل ترمذی کے متداول نسخوں کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔ پانچویں تقریر ﴿۹﴾ "انوار الباری شرح صحیح البخاری" ہے جو اردو زبان میں آپؒ کے ایک اور نامور شاگرد مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ۳۲ صفحات میں تقریباً ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر دینی و علمی خدمات کے علاوہ تحریک ختم نبوت ﷺ میں بھی آپؒ کی گراں قدر دینی و علمی خدمات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھہتر سال تین ماہ اور پانچ دن کی عمر میں مؤرخہ ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو شب کے آخری حصہ میں دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اس جہان فانی کو ہمیشہ کے لئے خیرآباد کہہ دیا۔

آپؒ کے وصال پُر ملال پر مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعزیتی نوٹ میں فرمایا:

> "مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم

ومعرفت کے اس شہید نے "قال اللہ" اور "قال الرسول" کا نعرہ بلند رکھا۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ، اور وسعت علمی کی کا در مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بالکل بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔" [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ کے علو مرتبت اور عظمت کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہاں اُن کا تفرد اور اس پر تبصرہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے، کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت منصوص اور یقینی ہے، وہ تو خیر ایک جلیل القدر صحابی ہیں، مسلک اہل سنت کے مطابق یہ جملہ اکابر اولیاء و تابعین کسی ادنیٰ صحابی کی خاک پا کے برابر نہیں ہو سکتے۔

امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت میں یہ روایات لائے ہیں جن میں بتایا گیا کہ:

" أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولي لابن عباس ، فأتي ابن عباس ، فقال دعه ، فانه قد صحب رسول الله (صلي الله عليه وسلم) . فمل لابن عباس : هل لك في أمير المؤمنين معاوية ؟ فانه ما أوتر الا بواحدة قال : أصاب انه فقيه . " [2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، اُن کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک غلام (کریب) بیٹھا تھا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا (اور ایک رکعت پڑھنے پر اعتراض کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان کے متعلق کچھ نہ کہو وہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ: "کیا آپ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ اعتراض ہے کہ انہوں

---

[1] (پاور فرنگان کراچی ۱۹۵۵ء، ص ۱۶۹، ۱۷۰ بحوالہ اکابر علمائے دیوبند، ص ۹۵۔۱۰۳)

[2] (صحیح البخاری، باب ذکر معاویۃ بن ابی سفیان، بحوالہ: سیدنا معاویہ کے ناقدین، ص ۱۸۵)

نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے ٹھیک اور درست کام کیا، کیوں کہ وہ فقیہ و مجتہد ہیں۔'' (ترجمہ ختم)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" قلت : وليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه وعند الطحاوي : فقام معاوية فركع ركعة واحدة ، و قال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار ؟ فان الكلمة شديدة "[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ﴿ اصاب انه فقيه ﴾ میں حضرت معاویہ ﷺ کی تائید و تصویب نہیں، بلکہ چشم پوشی'' اور'' تسامح'' ہے۔ اور طحاویؒ کے نزدیک یہ روایت یوں ہے کہ: ''حضرت معاویہ ﷺ کھڑے ہوئے تو انہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اس'' حمار'' نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟۔''

گویا موصوف کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہین معاویہ ﷺ پر مبنی مذکور روایت زیادہ صحیح اور راجح ہے، حالاں کہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی فروعی اور اجتہادی ہے، خود نبی اکرم ﷺ سے رکعات وتر کی مختلف تعداد ثابت ہے۔ اس اختلاف کے باعث کسی کو'' حمار'' کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟۔ طحاوی کی زیر بحث روایت کے بعد اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے، جس میں ''حمار'' کا لفظ نہیں پایا جاتا:

" حدثنا عمران و ذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار "[1]

کاش! حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی تدریس کے دوران طحاوی کی اس روایت کا حوالہ دے دیتے جس میں لفظ ''حمار'' منقول نہیں ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ۲: ۷۰۔ بحوالہ سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۱۸۵)

صاحبؒ نے ''اغماض'' و ''تسامح'' قرار دیا ہے اُسے امام طحاویؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ''تقیہ'' کہا ہے۔

"وقد يجوز أن يكون قول ابن عباس ﷺ أصاب معاوية على التقية ﷺ أي له أصاب في شيٍ آخر لأنه كان في زمنه "۔[1]

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے، اس لئے انہوں نے بطور تقیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید تصویب کی۔ ان کی زبان پر تو ﷺ أصاب معاوية ﷺ کے الفاظ تھے لیکن دل میں انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

طحاوی کی اس روایت سے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے تردیدی بیان : ﷺ قلت ليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه ﷺ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔[2]

ہاشمی صاحب کی نرالی گپ:

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ پر دو بڑے اور بین السطور چند چھوٹے موٹے اعتراضات کئے ہیں۔

ذیل میں وہ تمام اعتراضات اور اُن کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں

پہلا اعتراض:

پہلا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا ہے کہ آپؒ نے صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی (لفظ ''نماز'' والی) روایت کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔

---

[1] (طحاوی: ۱/۱۹۹، باب الوتر، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۸۶)

[2] (طحاوی: ۱/۱۹۹، باب الوتر، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۸۶)

[3] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۸۵، ۱۸۶)

اعتراض کا جواب:

پہلے تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے طحاوی کی توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی روایت کو صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف ایک موضوع کے متعلق دو مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ایک بخاری کی اور دوسری طحاوی کی، اور طحاوی کی روایت کے بارے میں فرمایا ہے:

"فان الكلمة شديدة."[1]

ترجمہ: کہ (اس روایت میں لفظ "حمار" والا) کلمہ سخت ہے۔

گویا اس عبارت میں تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی کی روایت کو مرجوح اور سخت کلمہ والی روایت کہہ دیا ہے اور بخاری کی روایت پر تو کوئی تبصرہ ہی نہیں فرمایا۔ نیز کیا ایک موضوع کے متعلق مختلف روایات نقل کرنا اور بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دینا مبنی بر توہین ہوتا ہے؟۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے بلا تبصرہ نقل کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نہیں نکلتا، اس لئے کہ اس روایت کے نقل کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا ہرگز نہیں، بلکہ ایک موضوع پر مختلف روایات کا نقل کرنا مقصود ہے۔

اور چوں کہ طحاوی کی اس کے بعد والی روایت اور صحیح بخاری کی روایت میں کوئی خاص فرق نہ تھا اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نقل کرنے کو ضروری نہیں سمجھا۔

طحاوی شریف کی بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی و تحقیقی جائزہ:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) میں بعض ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بعض شنیع قسم کے الفاظ مذکور ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان روایات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے اور پھر بفرض صحت روایات ہذا کی کوئی معقول اور مناسب توجیہ پیش کی جائے تاکہ یہ الجھا ہوا معاملہ کسی طرح سلجھ جائے۔

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری للکشمیری: ۴/۴۹۵، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

" فان قال قائل : فقد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما خلاف هذا (أي أنه يوتر وترا لم يتقدمه تطوع) فذكر ماحدثنا محمد بن عبد الله بن ميمون البغدادي قال : ثنا الوليد بن مسلم عن الأوزاعي ، عن عطاء قال : قال رجل لابن عباس : هل لك في معاوية أوتر بواحد ، وهو يريد أن يعيب معاوية . فقال ابن عباس : أصاب معاوية قيل له: قد روي عن ابن عباس رضي الله عنهما في فعل معاوية هذا ما يدل علي انكاره اياه عليه . وذلك أن أبا غسان مالك ابن يحيي الهمداني حدثنا قال: ثنا عبد الوهاب بن عطاء قال: أنا عمران بن حدير عن عكرمة أنه قال : كنت مع ابن عباس عند معاوية نتحدث حتي ذهب هزيع من الليل فقال معاوية : فركع ركعة واحدة ، فقال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار؟

حدثنا أبوبكرة قال : ثنا عثمان بن عمر ، قال : ثنا عمران ، فذكر باسناده مثله الا أنه لم يقل الحمار . وقد يجوز أن يكون قول ابن عباس (أصاب معاوية) علي النقية له ، أي أصاب في شئ آخر ، لأنه كان في زمنه ولا يجوز عليه عندنا أن يكون ما خالف فعل رسول الله صلي الله عليه وسلم الذي قد علمه عنه صواباً . وقد روي عن ابن عباس في الوتر أنه ثلاث ."[1]

طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا ماحصل:

اس عبارت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتداءً حضرت ابن عباس سے اُن کی تائید وتصویب ذکر کی ہے، جو بالفاظ ذیل درج ہے:

" فقال ابن عباس : أصاب معاوية ."

اس کے بعد امام طحاوی نے قول مذکور کی توجیہ کرنے کے لئے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

---

[1] (شرح معاني الآثار للطحاوي : ۲۸۹/۱ ، الناشر : عالم الكتب ، بيروت)

۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ایک دوسرا کلام بھی منقول ہے:

" فقال ابن عباس : من أين تري أخذها الحمار؟."

اگرچہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ﴿ الحمار ﴾ مفقود ہے، گویا یہ لفظ اس جملے کا جزو نہ تھا اور اس کلام کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لئے پیش کیا ہے تو اس صورت میں ﴿اصاب معاویۃ﴾ کا قول کس طرح درست ہوسکتا ہے؟۔

۲۔دوسری چیز یہ ہے کہ ﴿اصاب معاویۃ﴾ کا قول علی سبیل التقیۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا، اس وجہ سے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دور خلافت میں تھے (یعنی ان کی مخالفت نہیں کرسکتے تھے)۔

طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا جواب:

یہ دونوں اعتراض فی نفسہ اپنے اپنے مقام پر درست نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول ﴿اصاب معاویۃ﴾ بالکل درست ہے۔اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تقیہ کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے۔اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وقاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن وشواہد:

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کئے جاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کے اس فعل ﴿ اوتر برکعۃ واحدۃ ﴾ کی تصویب کی ہے، یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کی تغلیط وتردید ہرگز نہیں کی تھی کہ وہ آپ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے۔آئندہ مندرجات پر نظر فرمائیں تسلی ہوجائے گی:

۱۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن ؓ کے ساتھ صلح ومصالحت کے بعد حضرت معاویہ ؓ کی بیعت کرلی تھی، یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔ یہ چیز مسلمات میں سے ہے جس پر کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ان کریباً مولیٰ ابن عباس (رضي الله عنهما) اخبره انه رأي ابن عباس (رضي الله

عنهما) يصلي في المقصورة مع معاوية."[1]

ترجمہ: کریبؒ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ "مقصورہ" میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

۳- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن میں حضرت معاویہ ﷺ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

" دعه فانه قد صحب رسول الله صلي الله عليه وسلم ."[2]

ترجمہ: انہیں چھوڑ دو! کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اُٹھائی ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا:

" ليس احد منا أعلم من معاوية ."[3]

ترجمہ: ہم میں معاویہ ﷺ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا:

" أصاب (معاوية) انه فقيه ."[4]

ترجمہ: معاویہ ﷺ نے ٹھیک کیا کیوں کہ وہ فقیہ ہیں۔

یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، اُن کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔

---

[1] (المصنف لعبد الرزاق : ۲/ ٤١٤ ، بحوالہ: مسئلہ اقربا نوازی، ص: ۱۳۹، ۱۴۰)

[2] (صحيح البخاري : ٥/ ٢٨ ، الناشر : دار طوق النجاة)

[3] (السنن الكبري للبيهقي : ٣/ ٣٩ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٤١/ ٧٥ و ٥٩/ ١٦٥ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[4] (صحيح البخاري : ٥/ ٢٨ ، الناشر : دار طوق النجاة ، بحوالہ: مسئلہ اقربا نوازی، ص: ۱۳۸) و (جامع الأصول لابن أثير الجزري : ٦/ ٥١ ، الناشر : مكتبة الحلواني ، مطبعة الملاح ، مكتبة دار البيان) و (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي : ١/ ٢٩٩ ، الناشر : المكتب الاسلامي ، بيروت) و (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للقاري : ٣/ ٩٥٤ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

۴-عن عطاء (بن أبي رباح) أتى رجل (كريب مولى ابن عباس) إلى ابن عباس فقال: هل لك في معاوية يوتر بركعة؟ يريد أن يعيبه، فقال ابن عباس: أصاب معاوية." [1]

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی (کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں؟" اُس کا ارادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب لگانے کا تھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: "معاویہ نے ٹھیک کیا۔" (ترجمہ ختم)

۵-(وأخرج المروزي) من طريق علي بن عبد الله بن عباس قال بت مع أبي عند معاوية فرأيته أوتر بركعة، فذكرت ذلك لأبي، فقال: يا بني! هو أعلم." [2]

ترجمہ: حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ: "میں نے اپنے والد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں شب باشی کی، تو میں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر (کی نماز) ایک رکعت پڑھی، پس میں نے اپنے والد سے اس کا ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: "بیٹا! وہ زیادہ جانتے ہیں۔" (ترجمہ ختم)

۶-وفي روايته قال ابن أبي مليكة أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولى ابن عباس فأتى ابن عباس فأخبره، فقال: دعه فإنه قد صحب النبي صلى الله عليه وسلم." [3]

۷-مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت قصر شعر مشقص کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: یہ روایت تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

"ما كان معاوية على رسول الله صلى الله عليه وسلم متهماً." [4]

---

[1] (مختصر قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر للمروزي: ۱/۲۸۴، الناشر: حديث أكاديمي، فيصل آباد، الكستان)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۷/۱۰۴، الناشر: دار المعرفة، بيروت)

[3] (صحيح البخاري: ۵/۲۸، الناشر: دار طوق النجاة) و (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۹/۱۶۴، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[4] (مسند امام أحمد بن حنبل: ۲۸/۷۷، ۱۳۶) و (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۹/۵۶، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ، رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانے والے نہیں تھے۔

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہیں جنہیں محدثین اور مؤرخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام پر نقل کیا ہے، لہٰذا ان کے مقابلہ میں طحاوی شریف کی مذکورہ روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتناء نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اس مقام پر اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ ؓ کے حق میں متعدد اقوال بھی درج کئے ہیں، جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ﴿الحمار﴾ کا لفظ ذکر نہیں کیا، بلکہ حضرت معاویہ ؓ کے حق میں "وحاقت" کے کلمات ذکر کئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں تھا، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

روایت حدیث کے قبول وعدم قبول میں محدثین عظام کا اُصول:

۱- طحاوی شریف کی جس روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ؓ کو لفظ "حمار" سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں، لہٰذا یہ روایت شاذ اور اہل فن کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) متفرد ہے اور اس کا کوئی متابع نہیں۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ لفظ "حمار" والی روایت مذکور بالا اُن تمام معروف روایات کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح اور محدثین کے نزدیک معروف ومقبول ہیں۔ کما مر آنفا

اس لئے اس صورت میں لفظ "حمار" والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ پس معروف روایات کو لے لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

۳- واذا اختلف کلام امام فیؤخذ مایوافق الأدلة الظاهرة ویعرض عن ما خالفها "۱

ترجمہ: اور جب کسی امام کے کلام میں اختلاف کیا جائے تو وہ کلام لے لیا جائے گا جو ظاہری دلائل کے موافق ہو، اور جو ان کے مخالف ہوگا اُن سے اعراض کیا جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا صرف وہی کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) میزانِ جرح وتعدیل میں:

کبار علماء نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض

وہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔ (بلکہ) حضرت عبداللہ بن عمر، علی بن عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب اور عطاء بن ابی رباح (شاگرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) وغیرہ حضرات نے تصریح کر دی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔ ۲

اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں زیادہ کر دیے ہوں تو کیا بعید ہے؟۔

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) پر نقد کے لئے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

۱۔ الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۴۶۹/۶ ..... ۴۷۷، الناشر: دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان) یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ (یہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بعض دفعہ جھوٹ منسوب کرتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

۲۔ تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۱۰/۴۱، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع۔

۳۔ عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

" عن عبد الله بن الحارث قال: دخلت علي عليّ بن عبد الله بن عباس، فاذا عكرمة في وثاق عند باب الحش، فقلت له ألا تتقي الله؟ قال فان هذا الخبيث يكذب عليّ أبي." ۳

---

۱ (الزواجر عن اقتراف الکبائر: لابن حجر الهیتمي: ۵۷/۱، الناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان) و (الدر المختار علی الدر المختار لابن عابدین الشامي: ۲۳۱/۴، الناشر: دار الفکر بیروت، لبنان)

۲ "عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع اتق الله وبحك يا نافع ولاتكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس. وقال ابراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول لغلامه برد يا يندر لاتكذب علي كما يكذب عكرمة علي ابن عباس.....وقال جرير بن عبد الحميد عن يزيد بن أبي زياد دخلت علي علي بن عبد الله بن عباس وعكرمة مقيد علي باب الحش قال قلت ما لهذا قال انه يكذب علي أبي..... وقال فطر بن حليفة قلت لعطاء أن عكرمة يقول مسق الكتاب المسح علي الخفين فقال كذب عكرمة سمعت بن عباس يقول أمسح علي الخفين وان خرجت من الخلاء." (تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلاني: ۲۶۷/۷، ۲۶۸، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامیة، حیدر آباد، الهند)

۳ (الضعفاء الکبیر للعقیلي: ۳۷۳/۳، الناشر: دار المکتبة العلمیة، بیروت، لبنان) و (تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلاني: ۲۶۷/۷، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامیة، حیدر آباد، الهند)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "میں حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا، تو عکرمہ کو باب حسن کے پاس ایک بندھن میں (باندھا ہوا) دیکھا، میں نے حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے (کہ اپنے غلام عکرمہ کو باندھا ہوا ہے اور سزا دے رہے ہیں) تو انہوں نے فرمایا کہ (سزا اس لئے میں اس کو دے رہا ہوں کہ) یہ خبیث میرے والد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۴- یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ثنا ابراهيم بن سعد عن أبيه عن سعيد بن المسيب: أنه كان يقول: لبرد مولاه يا برد! لا تكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس." [1]

ترجمہ: سعید بن مسیبؒ اپنے غلام برد کو فرمایا کرتے تھے کہ اے برد! تو مجھ پر ایسے جھوٹ مت باندھنا جیسے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔

۵- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

"وقال أبو خلف الخزار عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر يقول لنافع: اتق الله ويحك يا نافع! ولا تكذب عليّ كما كذب عكرمة علي ابن عباس." [2]

ترجمہ: حضرت یحییٰ بکاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ نافع سے فرما رہے تھے کہ اللہ سے ڈر، تیرا بھلا ہو اے نافع! اور تو مجھ پر جھوٹ مت باندھ جیسا کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۶- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

---

[1] (كتاب المعرفة والتاريخ لأبي يوسف الفسوي: ۵/۲، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت) و (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۲۶۸/۷، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند) و (المعارف لابن قتيبة: ۴۳۸/۱، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة) و (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۰۹/۴۱، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

" عن فطر قلت لعطاء أن عكرمة يقول : ابن عباس سبق الكتاب المسح علي الخفين " فقال : كذب عكرمة اني رأيت ابن عباس يمسح عليهما " ع

ترجمہ: حضرت فطر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ عکرمہ کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کتاب اللہ پر سبقت لے گئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ عکرمہ جھوٹ کہتا ہے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ترجمہ ختم)

۷۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

"وعجب الناس من اجتماعهما في الموت واختلاف رأيهما عكرمة يظن أنه برئ رأي الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعي يؤمن بالرجعة." ٣

ترجمہ: اور ان دونوں (عکرمہ اور کثیر عزہ شاعر) کے موت میں متفق ہونے اور رائے میں مختلف ہونے پر لوگوں نے تعجب کیا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا کہ (حضرت علی ؓ کے دوبارہ دنیا میں واپسی کے) انتظار پر تکفیر کرتا تھا، اور کثیر شیعی تھا کہ وہ (حضرت علی ؓ کے دوبارہ دنیا میں) واپس آنے پر ایمان رکھتا تھا۔ (ترجمہ ختم)

۸ مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نماز ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھایا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا کہ عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن رکھتا تھا۔"

قدیم مؤرخ اور محدث امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۳ھ) نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے۔

" قال يحيى : وبلغنا عن عكرمة أنه كان لايقول هذا (أي قول

---

۱ (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني : ۲۶۷/۷ ، الناشر : مطبعة دائرة المعارف النظامية ، الهند)

۲ (الدراية في تخريج أحاديث الهداية لابن حجر العسقلاني : ۷۶/۱ ، الناشر : دار المعرفة بيروت)

۳ (الطبقات الكبرى المعروف بطبقات ابن سعد : ۲۲۴/۵ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

الخوارج و هذا باطل)[1]

ترجمہ: امام یحییٰ (بن معین) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمہ یہ نہیں کہتا تھا (یعنی خوارج کا قول اور یہ باطل ہے، بلکہ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔)

مصعب بن عبداللہ الزبیری فرماتے ہیں:

" كان عكرمة يري رأي الخوارج فطلبه بعض ولاة المدينة فتغيب عند داؤد بن الحصين حتي مات عنده . قالوا : وكان عكرمة كثير الحديث والعلم بحراً من البحور وليس يحتج بحديثه ويتكلم الناس فيه ."[2]

ترجمہ: عکرمہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ اُسے مدینہ کے کسی والی نے طلب کیا اور داؤد ابن الحصین کے پاس پوشیدہ کر دیا یہاں تک کہ انہیں کے پاس اُس کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے کہا کہ عکرمہ کثیر الحدیث، کثیر العلم اور (علم کے) دریاؤں میں سے ایک دریا تھا۔ اُس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ لوگ اُس کے (ثقہ ہونے) کے بارے کلام کرتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہ ؓ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی ؓ کے خلاف ہیں، اسی طرح وہ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ بڑا صاف ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ الحمار ﴾ نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ گیا ہے۔ اور اس طرح کے قبیح الفاظ سے اُس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔

عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا اور بات ہے اور آحادِ اُمت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بناء پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ

---

[1] (تاريخ ابن معين (رواية الدوري) : ٣/ ٦، الناشر : مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي ، مكة المكرمة)

[2] (الطبقات الكبرىٰ المعروف بطبقات ابن سعد : ٥/ ٢٢٤، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (المعارف لابن قتيبة : ١/ ٤٥٧، الناشر : الهيئة المصرية العامة للكتاب ، مصر)

"كذبه مجاهد وابن سيرين ومالك ..... قال أحمد كان يري رأي الخوارج الصفرية . وقال ابن المدائني : كان عكرمة يري رأي نجدة الحروري ، وقد وثقه جماعة واحتجوا به ."[1]

ترجمہ: مجاہد، ابن سیرین اور امام مالکؒ نے عکرمہ کو جھوٹا کہا ہے..... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ خوارج صفریہ کی رائے رکھتا تھا۔ امام ابن المدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے عکرمہ کی توثیق کی ہے اور اسے حجت مانا ہے۔ (ترجمہ ختم) [2]

شاہ صاحبؒ پر ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا الزام:

دوسرا اعتراض پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت شاہ صاحب اور امام طحاوی رحمہما اللہ پر یہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اغماض وتسامح'' (چشم پوشی) قرار دیا ہے اُسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ''تقیہ'' کہا ہے۔

شاہ صاحبؒ کا ابن عباسؓ کی تصویب کو اغماض وتسامح پر محمول کرنے کا مطلب:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ''اغماض وتسامح'' پر محمول کیا ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے غلام کریب کے سوال کرنے پر اگر یہ فرما دیتے کہ حضرت معاویہؓ نے غلط کیا ہے تو اس سے حضرت معاویہؓ کے خلاف عیب جوئی اور طعنہ زنی کرنے کے مزید مواقع فراہم ہو جاتے اور اس طرح عظیم صحابی سیدنا معاویہؓ کے بارے میں طعن وتشنیع اور ہدف وتنقید کا ایک نیا باب کھل جاتا، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کو خاموش کرنے کی نیت سے ''اغماض وتسامح'' سے کام لیا اور حضرت معاویہؓ کے اس فعل کی بظاہر تصویب فرمائی اور اعتراض کرنے والے کو بتا دیا کہ وہ ایک مجتہد وفقیہ صحابی ہیں، انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا ہے۔ گو کہ رکعات وتر کی تعداد کے بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب حضرت معاویہؓ سے یکسر مختلف ہے اور حضرت

---

[1] (ذكر اسماء من تكلم فيه وهو موثق للذهبي : ۱/ ۱۳۶، الناشر : مكتبة المنار ، الزرقاء)

[2] (سیرت حضرت امیر معاویہؓ (بتحذف وتغیر) : ۲/ ۵۵۴ ..... ۵۶۱، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

معاویہ ﷺ کا مذہب آپ کی نظر میں مرجوح ہے، لیکن اس سب کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اغماض و تسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ ﷺ کی ذات بابرکات کو طعن و تشنیع اور قدح و ملامت کا محل بننے سے محفوظ رکھا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو "تقیہ" پر محمول کرنے کا مطلب:

اور تقریباً یہی جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُس عبارت کا بھی ہے کہ جس میں آپؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی تصویب کو "تقیہ" فرمایا ہے۔ چنانچہ طحاوی کی اسی "تقیہ" والی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"يجوز أن يكون معني قول ابن عباس رضي الله عنهما : " أصاب معاوية " علىٰ التقية منه له اي علىٰ التقية منه لأجل معاوية يعني دفعاً عنه ما يعيب به ذلك الرجل عليه حتي يمتنع من أن يعيب عليه ، فقال أصاب يعني أصاب في شئٍ آخر غير ايتاره بركعة واحدة ، وهذا من باب الايهام و التورية وهو باب شائع ذائع "[1]

ترجمہ: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا یہ قول: "أصاب معاویۃ" اُن کی طرف سے حضرت معاویہ ﷺ کے لئے "تقیہ" کی بناء پر ہو، یعنی اس کلام سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ ﷺ سے اُس عیب کو دفع فرمارہے ہوں جس سے سائل آپ کی ذات کو معیوب بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ آپ کی ذات پر عیب لگانے سے رُکا رہے۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے اس عمل کی تصویب فرمادی ہو، یعنی ایک رکعت وتر پڑھنے کے علاوہ آپ کے کسی دوسرے فعل کی تصویب فرمائی ہو، اور یہ ایہام[2] اور توریہ[3] کے باب میں سے ہے جس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

---

[1] (نخب الأفكار في تنقيح مباني الأحبار في شرح معاني الآثار ۵/ ۸۱، الناشر: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر)

[2] اصطلاح شعر میں، وہ صنعت جس میں شاعر اپنے کلام میں ایک ایسا لفظ لائے جس کے دو معنی ہوں، ایک اس مقام کے قریب دوسرا بعید لیکن شاعر معنی بعید مراد لے۔ رفیع

[3] علم بدیع کی وہ صنعت کہ جس میں ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید لیکن متکلم اس سے معنی بعید مراد لے۔ رفیع

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اغماض وتسامح (چشم پوشی) پر محمول کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا کرنے سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ ﷺ پر نقد فرمانا تھا، بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو اس سے یہ تھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کلمہ شدیدہ کی کوئی ایسی مناسب اور معقول توجیہ بیان کریں کہ جس سے آپ کے کلام کا شنیع ومذموم ہونا لازم نہ آئے، بلکہ اس سے آپ کے مقام صحابیت کا کسی حد تک دفاع ہو سکے۔

بالکل اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو تقیہ وغیرہ پر محمول کیا ہے تو اس سے اُن کی مراد وہ مخصوص "تقیہ" ہرگز نہیں کہ جس میں آدمی کسی کے خوف اور ڈر کی وجہ سے حق بات بھی اپنی زبان کی نوک پر لانے کی طاقت وقدرت نہ رکھتا ہو، جیسا کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے گمان کر رکھا ہے، بلکہ اس "تقیہ" سے فن بلاغت میں علم بدیع کی وہ مشہور ومعروف صنعت "ایہام" اور "بدیع" مراد ہے کہ جس میں متکلم ایک ایسا کلمہ بولے کہ جس کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید، متکلم اُس سے خلاف توقع معنی بعید مراد لے، جب کہ مخاطب اُس سے بظاہر مفہوم ہونے والا معنی قریب مراد لے اور یہ چیز متکلم کے فصیح وبلیغ ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ قرینہ اس بات کا یہ ہے کہ اگر اس سے بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہی مراد ہے کہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ حضرت معاویہ ﷺ کے دور خلافت میں اُن کے ماتحت تھے، اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔" تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ﷺ کے بارے میں "حمار" کا لفظ بولا تو اُس وقت اُنہوں نے شدت انکار کی بناء پر اس سخت کلمہ کے اظہار کی جرأت کیسے کر لی تھی؟ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ ﷺ کے ایک رکعت وتر نماز ادا کرنے کے عمل پر رد عمل کرتے ہوئے جو اُن کے بارے میں "حمار" کا لفظ تو کی زبان پر لایا تھا تو اُس کے تین ہی زمانے ممکن ہیں: (۱) یا تو حضرت معاویہ کے خلیفہ بننے سے پہلے انہوں نے یہ لفظ بولا ہوگا۔ (۲) یا تین اُن کی خلافت کے زمانہ میں بولا ہوگا۔ (۳) اور یا پھر اُن کی وفات کے بعد بولا ہوگا۔ وفات کے بعد والا تیسرا زمانہ تو اس لئے مراد نہیں لیا جا سکتا کہ اُس میں حضرت معاویہ ﷺ کے اس عمل کا وجود ہی ناممکن ہے، رہے پہلے دو زمانے، ایک خلافت سے پہلے کا اور دوسرا خلافت کے بعد کا کہ ان دونوں زمانوں میں اس عمل کا وجود ممکن ہے، لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت معاویہ ﷺ

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کلمہ شدید و شنیعہ پر کسی بھی قسم کا کوئی مثبت یا منفی، سخت یا نرم، عفو و درگزر کرنے یا انتقام لینے کا کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟۔

تحقیق جواب:

ممکن ہے کہ ہمارے الزامی جواب سے کچھ حضرات مطمئن نہ ہوں اور وہ یہ کہیں کہ یہ جواب دل کو نہیں لگتا تو اُن حضرات کی خدمت میں ہم امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اپنا ایک تحقیقی جواب پیش کرتے ہیں، اُمید ہے کہ اُس سے ان حضرات کی اطمینان قلبی کا سامان ہو سکے گا۔

سو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ایک تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث قابل اعتراض لفظ "حمار" والی روایت ﴿زوی﴾ صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کی ہے، جس سے اس کا ضعیف ہونا خود بخود سمجھ میں آرہا ہے، اور دوسرے یہ کہ یہ کم زور اور شاذ و شنیع قسم کی روایت نقل کرنے کے عین متصل بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک دوسرے طریق اور ایک دوسری سند سے بھی ذکر کی ہے، جس میں "حمار" کا لفظ موجود نہیں ہے، اور اس روایت کے ذکر کرنے سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مذکورہ بالا جملے (لفظ "حمار") کو رد کرنا ہے۔

پس جب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا قابل اعتراضات روایات کو ایسے انداز اور ایسے الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ جس سے خود بخود ان روایات کے ضعیف اور شاذ ہونے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، نیز ان روایات کے نقل کرنے کے عین متصل بعد جب یہی قابل اعتراض لفظ "حمار" والی روایت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کر دیتے ہیں جس میں "حمار" کا لفظ نہیں ہے تو پھر اس کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ ﷺ پر نقد کرنے سے بالکل پاک اور صاف شفاف ہے۔

نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کے پیش نظر بہت بلکہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت اُن کے علم میں ہو جب ہی تو وہ طحاوی کی یہ روایت خاموشی سے نقل کر کے آگے کی طرف چل پڑے اور بطور اشارہ کے صرف اتنا فرما دینا کافی سمجھا کہ اس روایت میں لفظ "حمار" ایک سخت قسم کا کلمہ ہے۔

گویا صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صرف اتنا فرما دینا بھی صحیح بخاری کی روایت کے صحیح اور راجح ہونے اور طحاوی شریف کی روایت

کے ضعیف، شاذ اور مرجوح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کی بابت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

زیر بحث طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے اس عمل پر سختی سے انکار کرتے ہوئے آپ کے لئے "حمار" کا لفظ بول دیا تھا۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

"وقوله: ﴿الحمار﴾ اشارة الى شدة انكاره عليه في ايتاره بركعة واحدة."[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لفظ "حمار" بولنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے عمل پر سختی کے ساتھ انکار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (ترجمہ فتح)

پس معلوم ہوا کہ بفرض صحت روایات مذکورہ لفظ "حمار" یہاں اپنے حقیقی معنی (سب وشتم اور گالم گلوچ) میں ہرگز مستعمل نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ حضرت معاویہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کے ردِ عمل کے نتیجہ میں شدت انکار کے بناء پر غیر اختیاری طور پر حضرت ابن عباس کی نوک زبان پر آ گیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصویب کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو "اغماض وتسامح" پر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "تقیہ" پر محمول کیا ہے تو اس میں کسی بھی طرح نہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توہین ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں خوب شرح وبسط کے ساتھ گزر چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ پر حضرت مغیرہؓ و عمرو بن العاصؓ کو فتنہ پرداز قرار دینے کا الزام:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تبصرہ اعتراض کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت کاشمیریؒ نے ایک مسئلہ کی توضیح میں بالکل غیر ضروری طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو "مفسد" اور "فتنہ پرداز" قرار دے دیا:

"وكان المغيرة من دهاة العرب حتى قال الحسن البصري أفسد

---

[1] العرف الأفكار في تنقيح مباني الأحبار في شرح معاني الآثار: ۲/ ۸۲، طبع وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر۔

الناس الثان المغيرة و عمرو بن العاص ."[1]

تاكيد المدح بما يشبه الذم :

﴿دهاة﴾ اصل میں کہتے ہیں چالاک اور ہوشیار آدمی کو کہ جسے کوئی دوسرا شخص دھوکہ نہ دے سکے اور وہ اپنی ذہانت وزیرکی کے سبب کسی کے نرغے نہ آتا ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرۃ بن شعبہ ؓ کے بارے میں جو یہ لفظ نقل کیا ہے تو اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف وتوصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دوران جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ اُمور اور اُس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے۔

اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''بلکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: ''لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ ؓ اور حضرت عمرو بن العاص ؓ ہیں۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد صرف اُن کی ہوشیاری بتانا تھا، اس لئے اُنہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کردیا۔ اور چوں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر اس بات پر یقین کرنا خاصا مشکل ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں اُن کی اس روایت پر تبصرہ کرنا کوئی ضروری خیال نہیں فرمایا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خدا واسطے کا بیر:

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ اور حضرت عمرو بن العاص ؓ کو ''مفسد'' اور ''فتنہ پرداز'' قرار نہیں دیا، بلکہ اُنہوں نے تو اس بارے میں صرف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور قول نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ: ''لوگوں میں سب سے زیادہ ہوشیار اور جنگی چال وچلن کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرت مغیرۃ بن شعبہ ؓ اور حضرت عمرو بن عاص ؓ ہیں۔'' اور اگر بالفرض اس سے فتنہ وفساد برپا کرنے والا شخص ہی مراد لے لیا جائے تو پھر تو یہ اعتراض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے براہ

---

[1] (فیض الباری: ۳/۲۸۶، بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۸۷)

راست حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر پڑتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو چھوڑ کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا محل کیوں بنالیا؟۔

رہی یہ بات کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت صحیح ہے یا نہیں؟ تو آیئے! ذیل کی سطور میں اس حقیقت کا سراغ لگاتے ہیں اور اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کا علمی و تحقیقی جائزہ:

سب سے پہلے تو ہم اُن علمائے کرام کی کتابوں کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا قول ﴿افسد الناس اثنان المغيرة وعمرو بن العاص﴾ کی نسبت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے اور پھر اُس کے بعد اس قول کا جائزہ لیتے ہیں:

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا حوالہ:

چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"وروى زحر بن حصن، عن جده حميد بن منهب، قال: زرت الحسن بن أبي الحسن فخلوت به فقلت: يا أبا سعيد! ما تري ماالناس فيه؟ فقال لي: أفسد أمر الناس اثنان: عمرو بن العاص يوم أشار على معاوية برفع المصاحف، فحملت، وقال ابن الفراء: فحكم الخوارج، فلا يزال هذا التحكيم الي يوم القيامة، والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية على الكوفة فكتب اليه معاوية اذا قرأت كتابي هذا فاقبل معزولا فأبطأ عنه فلما ورد عليه قال: أمركنت أوطئه وأهينه قال: وما هو؟ قال: البيعة ليزيد من بعدك، قال: أو فعلت؟ قال: نعم قال ارجع الي عملك، فلما خرج قال له أصحابه: ما ورائك قال: وضعت رجل معاوية في غرز غيّ لا يزال فيه الي يوم القيامة. قال الحسن: فمن أجل ذلك بايع هؤلاء لأبنائهم ولولا ذلك لكانت شورى الي يوم القيامة."[1]

---

[1] (تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۵/۲۷۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان)

ترجمہ: زحر بن حصنؒ اپنے دادا حمید بن منہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اُن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ لگانے والے دو شخص ہیں: ایک حضرت عمرو بن العاص ؓ کہ جنہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو نیزوں پر قرآن مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآن مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور امام ابن فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خارجیوں کو اُنہوں نے ہی ثالث بنایا تھا۔ اور یہ وہ ثالث تھے جن کا چرچا قیامت تک رہے گا۔ اور (فسادیوں میں سے دوسرے شخص) حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے آنے میں تاخیر کر دی۔ پھر جب حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے (تو حضرت معاویہ ؓ نے تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا) تو حضرت مغیرہ ؓ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا جسے سلجھانے اور صفیہ مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا جی ہاں! ۔ یہ سن حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا اچھا! اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! (اور حسب سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!) یہاں سے اُٹھ کر حضرت مغیرہ ؓ جب اپنے احباب کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے پوچھا تاؤ کیسی رہی؟ حضرت مغیرہ ؓ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت معاویہ ؓ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں جس سے وہ قیامت نہیں نکل سکیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔ (ترجمہ ختم)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا حوالہ:

اسی طرح علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب " سیر أعلام النبلاء " میں بھی اختصار کے ساتھ تقریباً یہی عبارت نقل کی ہے لیکن اس میں ﴿أفسد أمر الناس اثنان : عمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة ..... الخ ﴾ وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے[1]:

" وعن الحسن : أن المغيرة بن شعبة أشار على معاوية ببيعة ابنه فقعل فقيل له: ما ورائك؟ قال وضعت رجل معاوية في غرز غيّ ..... الخ "[2]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کی بیعت لینے کا کہا تو انہوں نے بیعت لے لی۔ پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا بنا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیے ہیں کہ..... الخ۔ (ترجمہ ختم)

علامہ عبدالملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ عبدالملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بھی علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکورہ بالا عبارت اپنی کتاب " سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي " میں نقل کی ہے۔[3]

مؤرخ شہیر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" وقال الحسن بن أبي الحسن ما أفسد أمر الناس الا اثنان عمرو بن العاص يوم أشار على معاوية ..... الخ "[4]

ترجمہ: لوگوں فتنہ وفساد کی آگ لگانے والے دو ہی آدمی ہیں: ایک حضرت عمرو

---

[1] (سير أعلام النبلاء للذهبي : ۷/۵ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة)

[2] ملاحظہ ہو: (سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي : ۲۰۶/۳ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[3] (البداية والنهاية لابن كثير : ۶۴۹/۱۱ ، الناشر : دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلام)

بن العاص رضی اللہ عنہ کہ جس دن انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا ۔ الخ ۔ (ترجمہ ختم)

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أحمد بن محمد بن النقور قالا: أنبا عيسى بن علي بن عيسى نا أبو عبيد علي بن الحسين بن حرب نا أبو السكين زكريا بن يحيى حدثني عم أبي زحر بن حصن عن جده حميد بن منهب قال: زرت الحسن بن أبي الحسن، فخلوت به، فقلت له: يا أبا سعيد! أما ترى ما الناس فيه من الاختلاف؟ فقال لي: يا أبا يحيى! أصلح أمر الناس أربعة وأفسده الثاني فعمر بن الخطاب يوم سقيفة بني ساعدة حيث قالت قريش: منا أمير، وقالت الأنصار: منا أمير، فقال لهم عمر: ألستم تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الأئمة من قريش؟ قالوا: بلى! قال: أو لستم تعلمون أنه أمر أبابكر يصلي بالناس؟ قالوا بلى، قال: فأيكم يتقدم أبا بكر؟ قالوا لا أحد فسلمت لهم الأنصار، ولولا ما احتج به عمر من ذلك لتنازع الناس هذه الخلافة الى يوم القيامة. وأبوبكر الصديق حيث ارتدت العرب فشاور فيهم الناس فكلهم أشار عليه بأن يقبل منهم الصلاة ويدع لهم الزكاة، فقال: والله لو منعوني عقالاً مما كانوا يعطونه رسول الله صلى الله عليه وسلم لجاهدتهم، ولولا ما فعل أبوبكر من ذلك لألحد الناس في الزكاة الى يوم القيامة. وعثمان بن عفان حيث جمع الناس على هذه القرائة، وقد كانوا يقرئونه على سبعة أحرف، فكان هؤلاء يلقون هؤلاء، فيقولون قرائتنا أفضل من قرائتكم حتى كاد بعضهم أن يكفر بعضاً، فجمعهم عثمان على هذا الحرف، ولولا ما فعل عثمان من ذلك لألحد الناس في القرآن الى يوم القيامة. وعلي بن أبي طالب حيث قاتل أهل البصرة

فلما فرغ منهم قسم بين أصحابه ما حوي عسكرهم فقالوا له : يا أمير المؤمنين ! ألا تقسم بيننا امائهم ونسائهم ؟ فقال : أيكم يأخذ عائشة في سهمه ؟ قالوا ومن يأخذ أم المؤمنين في سهمه ؟ قال : أفرأيتم هؤلاء اللواتي قتل عنهن أزواجهن يعتددن اربعة أشهر وعشرا ويورثن الربع والثمن قالوا : نعم ! قال : فما أراهن اماءً ، ولو كن اماءً لم يعتددن ولم يورثن ولولا ما فعل علي من ذلك لم يعلم الناس كيف يقاتل أهل القبلة. وأما اللذان أفسدا أمر الناس فعمرو بن العاص يوم أشار علي معاوية برفع المصاحف فحكمت الخوارج ، فلا يزال هذا التحكيم الي يوم القيامة والمغيرة بن شعبة فانه كان عامل معاوية علي الكوفة ، فكتب اليه معاوية : اذا قرأت كتابي هذا ، فاقبل معزولا فأبطأ في مسيره فلما ورد عليه قال له يا مغيرة ! ما الذي أبطأ بك ؟ قال: أمر والله كنت أوطنه وأهيئه قال :وما هو؟ قال: البيعة ليزيد من بعدك قال : أو فعلت ؟ قال : نعم ! قال ارجع الي عملك فأنت عليه فلما خرج من عند معاوية قال له أصحابه : ما ورائك يا مغيرة ؟ قال : ورائي والله اني قد وضعت رجل معاوية في غرز غيٍّ لايزال فيه الي يوم القيامة . قال الحسن : فمن أجل ذلك بايع هؤلاء لأبنائهم . ولولا ذلك لكانت شوري الي يوم القيامة ."[1]

ترجمہ: زمعہ بن صالح نے اپنے دادا حمید بن مہب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور ان کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی، پس میں نے کہا اے ابوسعید! آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ کس اختلاف میں مبتلا ہیں؟ تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے ابو یحییٰ! لوگوں میں صلح وصفائی کا دیا روشن کرنے والے چار شخص ہیں اور ان میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے دو شخص ہیں۔ (صلح وصفائی

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر : ٣٠/ ٢٨٧، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

کرانے والے ایک شخص) حضرت عمر بن خطاب ؓ ہیں۔ سقیفہ بنو ساعدہ کے دن جس وقت قریش کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہوگا اور انصار کہنے لگے کہ امیر ہم میں سے ہوگا تو حضرت عمر ؓ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام قریش میں سے ہوں گے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟۔ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ پھر تم میں سے کون حضرت ابوبکر ؓ سے مقدم ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا کوئی بھی نہیں!۔ پس انصار نے قریش کی امارت کو تسلیم کر لیا۔ اگر حضرت عمر ؓ ان چیزوں کو بطور حجت و دلیل کے پیش نہ فرماتے تو قیامت تک لوگ خلافت کے معاملہ میں لڑتے رہتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے دوسرے شخص) حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ جس وقت عرب مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر ؓ نے ان کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، تو سب نے یہ رائے دی کہ اُن سے نماز قبول کر لی جائے اور زکوٰۃ کو چھوڑ دیا جائے۔ تو حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے سالانہ زکوٰۃ لینے سے روکیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر حضرت ابوبکر ؓ یہ نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک زکوٰۃ کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے تیسرے شخص) حضرت عثمان غنی ؓ ہیں۔ جس وقت کہ انہوں نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا۔ حالاں کہ لوگ قرآن پاک کو سات قرأتوں میں پڑھتے تھے۔ پس ایک قرأت والے لوگ دوسری قرأت والے لوگوں سے ملتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ ہماری قرأت تمہاری قرأت سے افضل ہے! یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگ جاتے۔ پس حضرت عثمان ؓ نے انہیں ایک قرأت پر جمع کیا۔ اگر حضرت عثمان ؓ یہ کام نہ کرتے تو لوگ قیامت کے دن تک قرآن مجید کے معاملہ میں الحاد کا شکار ہو جاتے۔ (لوگوں میں صلح و صفائی کرانے والے چوتھے شخص) حضرت علی المرتضیٰ ؓ ہیں۔ جس وقت اُنہوں نے اہل بصرہ کے ساتھ لڑائی کی۔ پس

جب وہ اُن سے لڑائی کر کے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان وہ مال تقسیم کرنا شروع کیا جو اُن کے لشکر نے جمع کیا تھا۔ تو لوگوں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ مخالفین کی بیویاں اور اُن کی باندیاں ہمارے درمیان تقسیم نہیں کریں گے؟۔ تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ تم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے گا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں کون لے سکتا ہے؟۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ جن عورتوں کے شوہر قتل کئے گئے ہیں وہ چار مہینے اور دس دن اپنی عدت پوری کریں گی اور اپنے شوہر کے مال میں سے) چوتھے اور آٹھویں حصے کی وارث ٹھہریں گی؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ میں تو اُنہیں باندیاں نہیں سمجھتا ہوں، کیوں کہ اگر وہ باندیاں ہوتیں تو وہ نہ اپنے شوہروں کی عدت گزارتیں اور نہ ہی (اُن کے مال کی) وارث ہوتیں۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ ؓ یہ کام نہ کرتے تو قیامت کے دن تک لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکتا کہ اہل قبلہ کے ساتھ قتال کس طرح کی جاتی ہے؟۔ بہر حال وہ دو شخص کہ جنہوں نے لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ سلگائی ہے: ایک حضرت عمرو بن العاص ؓ ہیں کہ جنہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو نیزوں پر قرآن مجید اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآن مجید نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور خارجیوں کو ثالث بنایا گیا۔ پس یہ قیامت تک ثالث رہیں گے۔ اور (دوسرے) حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں جو کوفہ میں حضرت معاویہ ؓ کی طرف سے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے اُن کی طرف لکھا کہ جب تم میرا یہ خط پڑھ لو تو اپنا معزول ہونا قبول کر لینا (اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جانا!) لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے آنے میں تاخیر کر دی۔ پھر جب حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے تو حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کہ آنے میں کس وجہ سے تاخیر ہوئی؟ حضرت مغیرہ ؓ نے کہا کہ ایک معاملہ درپیش تھا اللہ کی قسم! اُسے سلجھا اور مفید مطلب بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ حضرت مغیرہ ؓ نے کہا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ حضرت مغیرہ

ﷺ نے کہا جی ہاں!۔ (یہ سن کر) حضرت معاویہ ﷺ نے فرمایا اچھا اپنی گورنری پر واپس چلے جاؤ! اور حسب سابق اپنے فرائض سرانجام دیتے رہو!۔ پس جب حضرت مغیرہ ﷺ حضرت معاویہ کے پاس سے اُٹھے تو ساتھیوں نے پوچھا مغیرہ بتاؤ کیسا رہا؟ حضرت مغیرہ ﷺ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے حضرت معاویہ ﷺ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں پھنسا دیئے ہیں جس سے وہ قیامت نہیں نکل سکیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان خلفاء نے اپنے بیٹوں کی بیعت لی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت تک شورائی نظام چلتا۔ (ترجمہ ختم)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

" قال الحسن البصري: افسد امر الناس اثنان عمرو بن العاص يوم أشار على معاوية برفع المصاحف، فحملت ..... الخ ."[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے دو شخص ہیں: ایک حضرت عمرو بن العاص ﷺ کہ جس دن اُنہوں نے حضرت معاویہ ﷺ کو قرآن مجید اُٹھانے کا اشارہ کیا اور قرآن مجید اُٹھائے گئے..... الخ۔ (ترجمہ ختم)

علامہ محمد رشید بن علی رضا قلموني حسینی کا حوالہ:

اسی طرح علامہ محمد رشید بن علی رضا قلموني حسینی (المتوفی ۱۳۵۴ھ) نے بھی امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے " تاريخ الخلفاء " کی مذکورہ بالا عبارت اختصار کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔[2]

یاد رہے کہ زیر بحث مذکورہ بالا روایت اُصولی طور پر صرف امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، باقی سب اس کے ناقل ہیں۔

زحر بن حصن میزانِ جرح وتعدیل میں:

---

[1] (تاريخ الخلفاء للسيوطي: ۱/۱۵۶، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز)

[2] ملاحظہ ہو (كتاب الخلافة للقلموني: ۱/۵۳، الناشر: الزهراء للإعلام العربي، مصر، القاهرة)

پھر جس سند کے ساتھ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے اُس کا بنیادی راوی زحر بن حصن ہے، جس کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ غیر معروف یعنی مجہول راوی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"زحر بن حصن عن جده وعنه أبو السكين الطائي لايعرف ."[1]

ترجمہ: زحر بن حصن اپنے دادا سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابوالسکین طائی روایت کرتا ہے۔ یہ غیر معروف راوی ہے۔

اور امام ابوعبداللہ محمد بن احمد المنصفي العنسي دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"زحر بن حصن ويقال حصين لايعرف قاله الذهبي ."[2]

ترجمہ: زحر بن حصن کو زحر بن حصین بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غیر معروف راوی ہے۔

اسی طرح "تهذيب الكمال في أسماء الرجال" کے محقق الدکتور بشار عواد معروف لکھتے ہیں:

"قلت : وزحر هذا مجهول ."[3]

ترجمہ: اور یہ زحر مجہول (راوی) ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ قدح صحابہ ﷺ پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشہور تابعی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، ناقابل اعتبار اور درجۂ احتجاج سے ساقط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] (ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال للذهبي : ٦٩/٢ ، الناشر : دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت ، لبنان)

[2] (مصباح الأريب في تقريب الرواة الذين ليسوا في تقريب التهذيب للعنسي : ٤٦١/١ ، الناشر : مكتبة صنعاء الأثرية اليمن ، والفاروق الحديثة للطباعة والنشر ، مصر)

[3] حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال لبشار العواد : ٣٨٤/٩ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت)

﴿۱۷﴾

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۲ء)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی: کفایت اللہ، لقب: ابوحنیفہ ثانی، اور والد کا نام: عنایت اللہ تھا۔

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"کفایت اللہ بن عنایت اللہ بن فیض اللہ ..... الخ"۔

ولادت باسعادت:

آپؒ ہندوستان کے مشہور صوبے "اتر پردیش" کے معروف علاقے "شاہ جہان پور" میں ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء کو ایک نہایت ہی نیک اور نفیس صاحب تقویٰ بزرگ شیخ عنایت اللہ کے یہاں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:

آپؒ نے ابتدائی تعلیم پانچ برس کی عمر میں اپنے محلے ہی میں حافظ برکت اللہ صاحب سے حاصل کرنا شروع کی، اور پھر اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپؒ مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہوئے اور تقریباً دو سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۳۰۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر اساتذہ سے علوم وفنون کی مختلف کتابیں پڑھیں اور پھر ۱۳۱۵ھ میں مولانا عبد العلی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد کچھ عرصہ شاہ جہان پور میں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا، اور پھر شوال ۱۳۳۱ھ کو مولوی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ امینیہ دہلی میں درس و تدریس شروع کردی۔

مدرسہ امینیہ (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) مولوی محمد امین الدین صاحب نے ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں قائم کیا تھا۔ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر مدرس تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کے تمام انتظامات سنبھالے۔ مولوی محمد امین الدین صاحب کی وفات ۱۹۲۰ء کو ہوئی اس کے بعد ۲۶ جون ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ امینیہ کا اہتمام بھی آپؒ ہی کے حوالے کردیا۔

آزادئ ہند کا مطالبہ:

۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر ہند "لارڈ مانٹیگو" ہندوستان آیا۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی قومی اور مذہبی اغراض کی حفاظت کے لئے ایک یادداشت میں حکومت سے خود اختیاری (آزادئ ہند) کا مطالبہ کیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے لئے جدوجہد:

۱۹۱۸ء میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے "رولٹ ایکٹ" کے نفاذ اور "تحریک شیخ الہند" (تحریک ریشمی رومال) کے قائدین کی گرفتاری اور جلاوطنی کے بعد "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" قائم فرمائی، جس کے سرپرست مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم تھے۔

تحریکات میں حصہ:

رولٹ بل ۱۹۱۹ء کے خلاف جب گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کی شرکت میں ستیہ گرہ شروع کی تو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بڑے انہماک سے اس تحریک میں حصہ لیا۔ آپؒ کے دولت خانے پر ہندوستانی لیڈروں کے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے۔

جمعیت علمائے ہند کی صدارت:

جمعیت علمائے ہند کی تاسیس کے وقت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو نائب صدر بنایا گیا تھا اور جمعیت کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی، جو اُس وقت "مالٹا" میں نظر بند تھے۔ چنانچہ جمعیت کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ اگرچہ علالت کی وجہ سے اجلاس میں تشریف نہ لاسکے اور اجلاس کے بعد آپ کا وصال بھی ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۹ء تک حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جمعیت علمائے ہند کے صدر رہے۔

وفات حسرت آیات:

بالآخر نصف صدی دینی و سیاسی جد و جہد میں گزار کر، زمانے کی ناسازگاریوں سے تنگ بار کر، ملت اسلامیہ کا یہ عظیم شہسوار مؤرخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء شب ساڑھے دس بجے رحمت خداوندی کی آغوش میں ابدی نیند سو کر محو استراحت ہوگیا۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن ہائے ہمہ فضل و کمال آپؒ حاسدین و معاندین کے حسد و عناد کے زہر آلود تیروں سے کسی بھی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

> "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت کرنے والے جملہ صحابہؓ و تابعینؒ کے بارے میں مفتی صاحبؒ سے حسب ذیل ایک غیر موزوں اور نامناسب بلکہ خلاف واقع فتویٰ صادر ہوگیا:
>
> "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی، کیوں کہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے۔"[1]
>
> سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی تھی تو پھر جن صحابہؓ و تابعینؒ نے یزید کی بیعت کی تھی انہوں نے جانتے بوجھتے ایک غلط کام پر اتفاق کیسے کرلیا تھا؟"[2]

---

[1] (کفایت المفتی، ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۱۹۲، ۱۹۳)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین (مختصر و انتصار) ص ۱۹۲، ۱۹۳)

یزید کی ولی عہدی حضرت معاویہ ؓ کی اجتہادی غلطی تھی!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلطی سے رائے، تدبیر اور نتائج کی اجتہادی غلطی مراد ہے، جس پر بعض صحابہ و تابعین حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے تحت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

''جمہور اُمت کا موقف اس (یزید کی ولی عہدی) کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کے اس فعل کو بہ لحاظ تدبیر و رائے تو غلط کہا جا سکتا ہے، لیکن اُن کی نیت پر حملہ کرنے اور اُن پر مفاد پرستی کا الزام عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں۔''[1]

اس لئے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اُس وقت بہ کثرت قابل، افضل اور جلیل القدر صحابہ ؓ صلحائے اُمت اور مدبرین ہستیاں حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر ؓ اور امام حسین ؓ وغیرہ کی صورت میں موجود تھیں، جن کے سامنے یزید پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ ایسے ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نااہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ زمانہ صحابہ کرام ؓ اور کبار تابعین کا تھا۔ اُمت میں خیر و صلاح کا دور دورہ تھا۔ تو ایسے حالات میں خلافت کے لئے عدالت و تقویٰ کے جس بلند اور اہم معیار کی ضرورت تھی، یزید کسی بھی طرح اُس پر پورا نہیں اُتر سکتا تھا، اسی لئے بعض صحابہ ؓ نے یزید کی اس نامزدگی کی خوب کھل کر مخالفت کی تھی۔

بحالات موجودہ بیعت یزید ناگزیر تھی!

باقی رہی بات اُن بعض صحابہ ؓ و تابعین کی کہ جنہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ایک نیک مصلحت کے تحت بحالات موجودہ یزید کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

''تیسرے صحابہ کرام ؓ کا ایک گروہ وہ تھا جو حضرت حسین ؓ اور حضرت ابن

---

[1] (حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق، ص ۱۱۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

عباس ؓ وغیرہ جیسے صحابہ ؓ کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا تھا، لیکن اس خیال سے اس کی خلافت کو گوارا کر رہا تھا کہ اُمت میں افتراق وانتشار برپا نہ ہو۔ مثلاً حمید بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ: ''میں یزید کی ولی عہدی کے وقت حضرت بشیر ؓ کے پاس گیا جو صحابہ ؓ میں سے تھے، تو انہوں نے فرمایا:

" يقولون انما يزيد ليس بخير أمة محمد صلى الله عليه وسلم وأنا أقول ذلك ، ولكن لأن يجمع الله امة محمد احب الي من أن تفترق. "[1]

[1] (تاريخ الاسلام للذهبي: ۲۶۸،۲۶۷/۲ بحوالہ: حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۲۳)

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں کہ یزید اُمت محمد ﷺ میں سب سے بہتر نہیں ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن اُمت محمد ﷺ کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت معاویہ ؓ کے اس فعل (یعنی یزید کی ولی عہدی) کو غیر مستحسن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ان معاوية ترك الأفضل في أن يجعلها شوري وأن لا يخص بها احداً من قرابته لكيف ولداً ، و أن يقتدي بما أشار به عبد الله بن الزبير في الترك أو الفعل "[1]

ترجمہ: بلاشبہ افضل یہ تھا کہ حضرت معاویہ ؓ خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کر دیتے اور اپنے کسی رشتہ دار اور خاص طور سے بیٹے کے لئے اس کو مخصوص نہ کرتے، اور عبداللہ بن زبیر ؓ نے ان کو جو مشورہ دیا تھا، ولی عہد بنانے یا نہ بنانے میں اسی پر عمل کرتے لیکن انہوں نے اس افضل کام کو چھوڑ دیا۔ (ترجمہ ختم)

حاصل کلام:

پس ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا حضرت معاویہ ؓ کے اس اقدام کو غلط کہنا اپنی جگہ

---

[1] (العواصم من القواصم لابن العربي المالكي: ۲۲۲/۱، الناشر: وزارة الشؤون الاسلامية والأوقاف والدعوة والارشاد المملكة العربية السعودية)

بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس لئے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام ؓ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ اُن سے گناہ و معصیت کے صدور کے قائل ہیں، البتہ اُنہیں مغفور ضرور مانتے ہیں۔

لیکن یہاں پر تو گناہ اور معصیت کا نام بھی نہیں بلکہ غلطی کا ذکر ہے۔ تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ ؓ کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ اُنہوں یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا اور اُس کے عہد میں ایسے بدترین نتائج برآمد ہوئے کہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ بالخصوص واقعہ کربلا، جنگ حرہ اور کعبہ پر سنگ باری یہ ایسے واقعات ہیں کہ انہوں نے پوری دُنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا۔

(18)

﴿۱۹﴾

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۲ء)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنؤ سے گیارہ کلومیٹر دور "اودھ" کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ "کاکوری" میں مؤرخہ ۲۳/ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ اور فتح پور میں نشو ونما پائی جہاں ان کے والد حکومت کی طرف سے خراج کے محصل تھے۔

ابتدائی کتابیں مولانا نور محمد فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور تمام درسی کتابیں مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۷ھ کے دوران پڑھیں، اور کافی عرصہ اُن کی خدمت میں رہے۔

آپؒ کے والد مولانا ناظر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوران تعلیم ہی آپ کا نکاح سید ذاکر علی کی دختر نیک اختر نجیب الطرفین سیدہ کے ساتھ کر دیا تھا۔

علم طب کی تحصیل حکیم عبدالولی مرحوم سے کی۔ پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک اپنا مشغلہ تدریس جاری رکھا۔ پھر دہلی چلے گئے اور مرزا حیرت کے مطبع میں کام کرتے رہے۔ مرزا حیرت کی طرف سے قرآن مجید اور صحیح بخاری کا ترجمہ کیا۔ پھر لکھنؤ آکر اپنے استاذ کے مدرسہ فاروقیہ میں تدریس کرنے لگے اور ایک مدت تک وہاں پڑھاتے رہے۔

۱۳۳۴ھ میں وہاں سے علیحدگی اختیار کی اور تصنیف وتالیف اور مناظرہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اہل سنت کے دفاع اور شیعہ کے رد میں کئی کامیاب مناظرے کئے۔ فقہ میں گہری نظر رکھتے تھے اور قرآن میں نظر نہایت وسیع تھی

آخری عمر میں بنیل میں رہتے ہوئے تھوڑے سے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ صحابہ کرام ؓ کی مدح ہر صورت کرتے تھے اور کسی قانون کی پروا نہیں کرتے تھے۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں

﴿۱﴾ علم الفقہ (سات جلدوں میں) ﴿۲﴾ ترجمہ اسد الغابہ ﴿۳﴾ ترجمہ تاریخ طبریؒ ﴿۴﴾ ترجمہ ازالۃ الخفاء ﴿۵﴾ مجموعہ تفسیر آیات الامۃ والخلافۃ (بارہ رسائل پر مشتمل) ﴿۶﴾ سیرت خلفائے راشدین ؓ ﴿۸﴾ تحفۂ عنبریہ (سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر) اور ﴿۹﴾ سیرۃ الحبیب الشفیع من الکلام العزیز الرفیع وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابو احمد خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ سات مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور دو مرتبہ مدح صحابہ ؓ کے سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

آپؒ بیک وقت بہترین مفسر نامور محدث اور بے بدل مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔

آپؒ نے لکھنؤ میں "دارُ المبلغین" کے نام سے اپنا ایک مرکز قائم کیا جہاں آپؒ نے آخر دم تک دفاع صحابہ ؓ واہل بیت ؓ اور مسلک اہل سنت والجماعت کی حفاظت واشاعت کے ناقابل فراموش تاریخی کارنامے سرانجام دیے اور مختلف علماء کو فرق باطلہ سے ٹکر لینے کے علمی انداز سکھائے اور سینکڑوں علماء نے آپؒ سے فن مناظرہ میں تربیت حاصل کی۔

رزشیعت میں تو وہ شمشیر بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبان اور قلم سے دفاع صحابہ ؓ کا عظیم کام لیا جس کی بناء پر انہیں بجا طور پر "امام اہل سنت" کا عظیم خطاب عطاء کیا گیا۔

آپؒ کی ذات جامع کمالات اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ علم وعمل اور تدین وتقویٰ میں آپؒ کا مقام بہت بلند تھا۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ اور ارشاد وہدایت غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں آپؒ کے کارہائے نمایاں محفوظ ہیں۔

نصف صدی تک آپؒ کا فیض برابر جاری رہا۔ اور زندگی کے آخری پچیس، تیس سالوں میں آپؒ خاموشی، گوشہ نشینی اختیار کرکے "موتوا قبل ان تموتوا" کی عملی تفسیر بن گئے۔ اور بالآخر ۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ بمطابق

۲۳/اپریل ۱۹۶۲ء پروز پیر بعد از نماز عصر آپؒ نے اس جہان فانی سے کوالوداع کہا۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے ناشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل وکمال آپؒ معاندین وحاسدین کی حسد وعناد کی آگ سے کسی طرح محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت موصوف کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ''تنقیصی'' جملہ نکل گیا تھا، جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی، بلکہ اُسے متنی بر اعتدال بھی قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ بروایت مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ:

''ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے (مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے) ارشاد فرمایا: ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔[1]

امام اہل سنتؒ کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے یہ کہا ہوگا کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اگر صف نعال (یعنی جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو اُن کے لئے سعادت اور باعث افتخار ہے۔'' لیکن مولانا محمد منظور نعمانی، سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنویؒ، اور مفتی محمد سعید خان صاحب کی تصدیقات نے اسے تسلیم

---

[1] (تحفۂ خلافت: ص ۱۵۔ ناشر تحریک خدام اہل سنت پاکستان، جہلم، بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۱۷)

کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ قول ان ہی کا ہوگا۔" ؎

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات:

مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کے متعلق ہمارے بعض اکابر علماء نے چند مختلف توجیہات پیش فرمائی ہیں انہیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے اس قول کی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تصوف کا اثر کہیے یا مولانا کی سلامت طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظرہ کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔" ؎

۲- اور نیز امام اہل سنت پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے) جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے فضائل و مناقب کو محبت و احترام کے ساتھ بیان کیا ہے، وہیں اسی پاس و لحاظ کے ساتھ آنحضور ﷺ کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الٰہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ کے بھی فضائل و مناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرق مراتب تھا اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے..... الخ۔" ؎

۳- اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ان (مذکورہ بالا دونوں شہادتوں) سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ" (مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) نے مشاجرات صحابہ ؓ اور دیگر اختلافی اُمور میں کبھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے..... الخ۔" ؎

؎ (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۲۱۸)

؎ (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۲۳)

؎ (خلفائے راشدین ؓ، ص ۱۲، ۱۳، نیز السید نا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۲۱۹، ۲۲۰)

؎ (امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حیات و خدمات ص ۱۲۶، ۱۲۷)

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ:

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا یہ استدلال ہی بالکل غلط ہے، اس لئے کہ موصوف نے "صف نعال" کا ترجمہ "جوتوں کی صف" سے کیا ہے، حالاں علمائے اہل لغت نے اس کا ترجمہ اُس صف سے کیا ہے جو باہر کی جانب اہل مجلس کے جوتے اُتارنے کی جگہ سے متصل ہو۔

چنانچہ مولانا محمد غیاث الدین بسال رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"صف نعال: بکسر نون، صف آخرین کہ بجانب بیرون باشد کہ اہل مجلس متصل آن نعلین از پا گزارند۔" [1]

ترجمہ: "صف نعال" نون کی زیر کے ساتھ، وہ آخری صف جو باہر کی جانب ہوتی اُس کے متصل اہل مجلس پاؤں سے جوتے اُتارتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور دوسرے یہ کہ امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں، بلکہ مجازی معنی پر محمول ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ صف اوّل کے صحابہ ﷺ میں سے ہیں اور حضرت معاویہ ﷺ آخری صفوں کے صحابہ ﷺ میں سے ہیں۔

حسب مراتب صحابہ کرام ﷺ کے بارہ طبقات:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ علمائے کرام نے ترتیب کے مطابق صحابہ کرام ﷺ کے چند (بارہ طبقے) بیان فرمائے ہیں، اُن میں سے ایک امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں صحابہ کرام ﷺ کو اس طرح بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

پہلا طبقہ:

وہ لوگ جو مکہ میں آنحضرت ﷺ کی ابتدائے بعثت کے وقت اسلام لائے۔ یہ لوگ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، حضرت علی بن ابی طالب ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضرت زید بن حارثہ ﷺ اور باقی عشرہ مبشرہ۔

---

[1] (غیاث اللغات (فارسی) ص ۴۳۲، باب صاد مہملہ، ناشر: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

دوسرا طبقہ:

دار الندوہ والے صحابہ ؓ کا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ؓ اور جو آپ کے ساتھ مسلمان تھے انہیں "دار الندوہ" کی طرف بھیج دیا۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔

تیسرا طبقہ:

اُن لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے مشرکین (مکہ) کی تکلیفوں سے بھاگ اپنے دین کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جن میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد ؓ ہیں۔

چوتھا طبقہ:

عقبۂ اولیٰ کے صحابہ ؓ کا ہے، جو انصار سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ چھ حضرات ہیں۔ اور عقبۂ ثانیہ کے صحابہ ؓ کا ہے جو آئندہ سال پیش آیا، اور یہ بارہ حضرات ہیں۔

پانچواں طبقہ:

عقبۂ ثالثہ کے صحابہ ؓ کا ہے۔ اور یہ ستر (۷۰) انصار صحابہ ؓ ہیں۔ جن میں براء بن معرور ؓ عبد اللہ بن عمرو بن حرام ؓ سعد بن عبادہ ؓ سعد بن ربیع ؓ اور عبد اللہ بن رواحہ ؓ (وغیرہ حضرات شامل) ہیں۔

چھٹا طبقہ:

اُن مہاجرین صحابہ ؓ کا ہے جو ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ سے جا ملے، جب کہ آپ ﷺ قباء میں تھے اور ابھی تک مسجد قبا نہیں بنی تھی اور نہ ہی آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔

ساتواں طبقہ:

بدر کبریٰ کے صحابہ کا ہے۔ حضور اقدس نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمر سے فرمایا کہ:

آٹھواں طبقہ:

اُن صحابہ ؓ کا ہے کہ جو بدر اور حدیبیہ کے درمیانی زمانہ میں اسلام لائے۔

نواں طبقہ:

بیعت رضوان والے صحابہ ؓ کا ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ان شاء اللہ! درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والے صحابہ ؓ میں کوئی ایک بھی (جہنم کی) آگ میں داخل نہ ہوگا۔"

دسواں طبقہ:

اُن صحابہ ؓ کا ہے جو حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ جیسے حضرت خالد بن ولید ؓ اور حضرت عمرو بن العاص ؓ۔ اس سلسلہ میں بعض علماء حضرت ابو ہریرہ ؓ کا نام بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا نام ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے حدیبیہ سے پہلے اور خیبر کے بعد بلکہ خیبر کے آخر میں ہجرت کی ہے۔

گیارھواں طبقہ:

اُن لوگوں کا ہے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور یہ بہت زیادہ لوگ ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو دلی رغبت اور خوشی سے اسلام قبول کیا، اور بعض نے تنگ اور مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر ان میں سے بعض کا اسلام اچھا ہو گیا۔ واللہ اعلم بھم۔

بارھواں طبقہ:

وہ مسلمان بچے کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور انہوں نے فتح مکہ کے سال اور اُس کے بعد حجۃ الوداع وغیرہا میں آپ ﷺ کی زیارت کی۔ جیسے حضرت سائب بن یزید ؓ وغیرہ۔ [1]

---

[1] طبقات الصحابة : وقد ذكر العلماء للصحابة تراتبا على طبقات ، وممن قسمهم كذلك الحاكم في " علوم الحديث " الطبقة الأولى : قوم أسلموا بمكة أول البعث ، و هم سابق المسلمين ، مثل : خديجة بنت خويلد ، و علي بن أبي طالب ، و أبي بكر الصديق ، و زيد ابن حارثة ، و بقية العشرة . وقد تقدم الخلاف في أوّل من أسلم في المقصد الأول . المقصد الثانية: أصحاب دار الندوة . بعد اسلام عمر بن الخطاب حمل النبي صلى الله عليه وسلم و من معه من المسلمين الى دار الندوة ، فاسلم لذلك جماعة من أهل مكة . الطبقة الثالثة : الذين هاجروا الى الحبشة فرارا بدينهم من أذى المشركين أهل مكة ، منهم : جعفر بن أبي طالب ، و أبو سلمة بن عبد الأسد

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی فرق مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بلیغ استعارے میں حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کا باہمی مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ واقعی حضرت معاویہ ؓ اگر حضرت علی ؓ کی مجلس میں تشریف لائیں تو انہیں جوتوں کی جگہ ملے گی یا وہ حضرت علی ؓ کی مجلس میں جوتوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قائل ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کا شمار صف اول کے صحابہ ؓ میں ہوتا ہے، اور حضرت معاویہ ؓ بھی اگرچہ جلیل القدر اور کبار صحابہ ؓ میں سے ہیں، لیکن حضرت علی ؓ کی بہ نسبت آپ کا شمار صحابہ کرام ؓ کی اُن آخری صفوں میں ہوتا ہے کہ جن کے لوگ فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ اور یہ تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ ؓ کو علماء نے طبقات صحابہ ؓ کے دسویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔

اور حضرت معاویہ ؓ کے اسلام لانے کے متعلق یہ بات کتب تواریخ میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ انہوں

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

=الطبقة الرابعة : اصحاب العقبة الأولى وهم سابق الأنصار الى الاسلام ، و كانوا ستة ، و اصحاب العقبة الثانية من العام المقبل و كانوا اثني عشر وقد قدمت اسماء أهل العقبتين في المقصد الأولي. الطبقة الخامسة : اصحاب العقبة الثالثة و كانوا سبعين من الأنصار منهم البراء بن معرور وعبد الله بن حرام وسعد بن عبادة وسعد بن الربيع وعبد الله بن رواحة. الطبقة السادسة : المهاجرون الذين وصلوا الي النبي صلي الله عليه وسلم بعد هجرته و هو بقباء ، قبل أن يبني المسجد ، وينقل الي المدينة. الطبقة السابعة : أهل بدر الكبري : قال صلي الله عليه وسلم لعمر في قصة حاطب ابن أبي بلتعة : وما يدريك لعل الله اطلع علي هذه العصابة من أهل بدر ، فقال : اعملوا ماشئتم ، فقد غفرت لكم. (رواه مسلم) الطبقة الثامنة : الذين هاجروا بين بدر والحديبية. الطبقة التاسعة : أهل بيعة الرضوان الذين بايعوا بالحديبية تحت الشجرة ، قال صلي الله عليه وسلم : لا يدخل النار ان شاء الله تعالي من أصحاب الشجرة أحد. (رواه مسلم). الطبقة العاشرة : الذين هاجروا بعد الحديبية و قبل الفتح كخالد بن الوليد وعمرو بن العاص ومثل بعضهم بأبي هريرة لكن قال الحافظ العراقي : لايصح التمثيل به فانه هاجر قبل الحديبية بعقب خيبر بل في أواخرها. الطبقة الحادية عشر : الذين أسلموا يوم الفتح وهم خلق كثير فمنهم من أسلم طائعا ومنهم من أسلم كارها ثم اسلام بعضهم. والله أعلم بهم. الطبقة الثانية عشر : صبيان أدركوا النبي صلي الله عليه وسلم ، ورأوه عام الفتح وبعده في حجة الوداع وغيرهما كالسائب بن يزيد." (التعارف المذيل بالمسلسل المحمدية للقسطلاني : ۲/۶۹۹ - ۷۷۰ ، الناشر : المكتبة التوفيقية ، القاهرة ، مصر)

نے عمرۃ القضاء ۷ھ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن فتح مکہ تک انہوں نے اپنا اسلام اپنے والدین کے ڈر سے چھپائے رکھا، یا فتح مکہ کے دن ۸ھ میں (علی حسب اختلاف الاقوال) آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس لئے کہ سن سات، یا آٹھ ہجری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

پس جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار پہلے طبقہ میں ہوتا ہے، تو ایسے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے برابر یا اُس کے قریب قریب کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟۔

بہر حال جس شخص نے اپنی پوری زندگی مدح صحابہ رضی اللہ عنہم و ردّ قدح صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی ہو اُس کی ذات سے ایسے بلیغ استعارات کے صادر ہونے کو اس قسم کے غلط معنی پر محمول کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں، بلکہ عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔

ولی عہد بننے وقت یزید کی کیفیت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"موصوف (نبیرۂ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی) بحوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:

"..... لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہؓ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو اُن کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ بیٹے کی شدید محبت نے اُس کے کمالات اُن کی نظر میں جما دیئے تھے اور اُس کے عیوب اُن کی نظروں سے پوشیدہ کر دیئے تھے حالاں کہ اُس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے۔ پس یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے لحاظ سے لغزش تھی (جس پر) اللہ اُن کو بخش دے گا۔ مگر کسی دوسرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید اس فعل میں جائز نہیں۔ اور جو شخص اس بات میں ان کی تقلید کرے گا وہ سرنگوں کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"[1]

مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہو گیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] (امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی۔ حیات و خدمات ۔۶۲۸، ۶۲۷، بحوالہ سید نا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۲۵)

انہیں امیر بنانے میں خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔ تطہیر الجنان کا اردو میں ترجمہ کر کے حضرت لکھنوی نے دوبارہ اسے شائع کیا تھا، مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے، ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے۔

موصوف کی اس توضیح'' کہ حضرت معاویہ ؓ اس استخلاف میں معذور تھے، کیوں کہ وہ اس کے ''فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے بے خبر تھے۔ اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ ''اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے، مگر بیٹے کی شدت محبت نے اُس کے عیوب ان کی نظروں سے پوشیدہ کر دیے تھے۔'' کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضرت معاویہ ؓ کی برأت ''بعید از فہم'' ہے۔ سخت حیرت ہے کہ جس شخص کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوں اُس سے خود اس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم اور خلیفۂ وقت بے خبر ہو؟ پھر ایسے فاسق و فاجر بیٹے کو محض ''شدت محبت'' سے مغلوب ہو کر اُمت مسلمہ پر مسلط کر دیا جائے۔ فیا أسفا!''

تعجب بالائے تعجب یہ کہ دیگر سینکڑوں صحابہ ؓ اور ہزاروں تابعینؒ نے بھی حضرت معاویہ ؓ کو اس طویل دورانیے میں اس کے ''فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے اسی خطائے اجتہادی کا ارتکاب کر لیا۔[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ یہ عبارت حضرت لکھنوی کی نہیں بلکہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جیسا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

''موصوف بحوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:..... الخ۔''[2]

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۲۲۴، ۲۲۵)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۲۲۴)

پھر معلوم نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو اٹھا کر مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کیوں اعتراض اٹھا رہے ہیں؟۔

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت:

"یغفرها الله ۔"[1]

کا ترجمہ (اللہ اُن کو بخش دے گا) مستقبل کے صیغہ کے ساتھ کیا ہے، جس کا مطلب بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے یہ بنتا ہے کہ: "ابھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بخشش نہیں ہوئی۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے اُخروی مغفرت اور بخشش مراد ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُنیا میں مغفرت اور بخشش کی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ ان کی مغفرت اور بخشش کرے گا۔

ہاشمی صاحب کی تلبیس اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی توضیح:

اور دوسرے یہ کہ یہاں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لیا ہے، اور قارئین ہاشمین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام سی کوشش کی ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور یزید کی عیوب و نقائص کو شئے واحد کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے بجا طور پر ہر شخص کے ذہن میں لازمانہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے عیوب و نقائص آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوں تو اُس سے خود اُس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم، اور خلیفہ وقت کیوں کر بے خبر ہو سکتا ہے؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بے خبر ہونا اور چیز ہے اور اس کے عیوب و نقائص کا آفتاب سے زیادہ روشن ہونا دوسری چیز ہے۔ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے خبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع اُمور کا ارتکاب کرتا تھا جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سمیت سب بے خبر تھے۔

---

[1] (تطهير الجنان و اللسان عن الخطور و اللغو بثلب معاوية بن أبي سفيان الهيتمي: ص ۵۹، مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة، فاتح ۱۴۱۰ اسطنبول (تركي)

اور اس کے عیوب و نقائص کا آفتاب سے زیادہ رُوشن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی فطرتی عادات مثلاً عدم برداشت، جلد بازی، اور غصہ وغیرہ آفتاب سے زیادہ رُوشن تھیں، اور انہیں حضرت معاویہ ﷺ سمیت ہر شخص خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔

چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے، ان کا ظہور تو خلافت کے دوسرے، اور تیسرے سال میں ہوا، جب اُس نے خوب کھل کر خلاف شرع کام کرنے شروع کر دیے، اور بالآخر انہی خلاف شرع کاموں کے باعث مدینہ میں اُس کے خلاف خروج ہوا۔

امام حسین ﷺ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے جو یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی تو وہ اُس کے اُمور عادیہ و خصائل فطریہ کی بنا پر ہی کی تھی، نیز اس وجہ سے کی تھی تا کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نہ لے لے، اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ولی عہد بنتے وقت یزید میں فسق و فجور آفتاب سے زیادہ رُوشن تھے، بلکہ تھے بھی تو وہ بھی لوگوں کی نظروں سے مستور اور پوشیدہ تھے وگرنہ تو پھر بقول پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے بات اُس وقت کے سیکڑوں صحابہ ﷺ اور ہزاروں تابعین پر آجاتی ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہ ﷺ کو اس طویل دورانیے میں یزید کے ''فاسقانہ و فاجرانہ'' اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُلٹا پہلے خود یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا ہے اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

(۱۹)

﴿۲۰﴾

شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ ایک مشہور و معروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ محبت و عقیدت کی وجہ سے نسبت ''نعمانی'' ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاول پور بطور استاذ حدیث تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے، جب کہ اس دور میں شیخ الحدیث کا منصب مولانا سید احمد سعید کاظمی کے پاس تھا۔ موصوف نے بعد میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی، لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار و نظریات کا انتہاپسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

مولانا نعمانیؒ پر پہلا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ علماء کی ایک مجلس (جس میں مولانا عبداللہ شہیدؒ، مولانا سیف اللہ خالدؒ اور مولانا عبدالرشید نعمانیؒ وغیرہ حضرات بھی شریک تھے) کے دوران مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے عرض کیا کہ: ''حضرت معاویہؓ کو باغی، طاغی، جائر اور مخطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر ان کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل و توجیہ کر لی جائے جس سے ان کو یہ کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟'' حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے برجستہ جواب فرمایا کہ: ''ہاں! کتاب الحدود میں صحابہؓ کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہہ تم کر سکتے ہو وہ

یہاں بھی کرلو... نیز فرمایا کہ: ''حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔''

حضرت مولانا نعمانی کی یہ دونوں باتیں نہ صرف حد درجہ غلط اور لغو ہیں، بلکہ ان کی سبائیت گزیدگی کی بین دلیل بھی ہیں۔''[1]

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی توضیح:

خلیفہ برحق یعنی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے خلاف جو ناحق خروج کر کے حضرت معاویہ ؓ سے خطا صادر ہوئی ہے اُس کی وجہ سے وہ فی نفسہ یقیناً بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے جمہور علمائے سلف وخلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اُنہیں ''باغی'' کہا ہے، لیکن چوں کہ وہ ایک صحابی مجتہد تھے اور اُن کا یہ عمل ان کی اجتہادی رائے سے وجود میں آیا تھا اگرچہ اُن کا یہ اجتہاد غلط ہی تھا، اس لئے اُن کے مجتہد ہونے کی بناء پر اُن کے اس عمل کو فقہی اعتبار سے بغاوت کہا جائے گا نہ کہ عرف عام کے اعتبار سے۔ نیز چوں کہ اُن کا یہ اجتہاد غلطی پر مبنی تھا اس لئے اس اجتہاد میں انہیں مجتہد خطی مان کر فقہی اعتبار سے باغی ضرور کہیں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی تاویل ایسی ممکن ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے انہیں باغی وخاطی وغیرہ کہنے کے بجائے اُن کے اس اقدام کو کسی طرح درست کہا جاسکے۔

چنانچہ حضرت معاویہ ؓ کے اس اقدام کو اگر فی نفسہ حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بلاشبہ اُن کا یہ عمل خروج کے زُمرے میں آتا ہے، اور وہ اس اقدام کی وجہ سے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائیں گے۔

اور اگر بالفرض ہی حضرت معاویہ ؓ کو غلطی سے پاک مان لیا جائے تو پھر اس صورت میں حضرت علی ؓ کی خلافت کا ناحق ہونا لازم آئے گا، بایں حیثیت کہ حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ دونوں کے گروہوں میں سے ایک گروہ کے مؤقف کا درست اور دوسرے گروہ کے مؤقف کا غلط ہونا لازم آئے گا، تو اب اگر حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کو (جو حضرت علی ؓ کی خلاف کے نافذ ہونے کے قائل نہیں تھے) غلطی سے مبرا تسلیم کر کے مجتہد مصیب مان لیا جائے تو اس صورت میں خلیفہ برحق یعنی حضرت علی ؓ کی خلافت کا عدم نفاذ لازم آئے گا، اور یہ بات اجماع اُمت اور مسلک اہل سنت کے بالکل خلاف ہے۔

اور اگر اس کے برعکس حضرت علی ؓ کو اہل شام کے مؤقف کے مقابلہ میں مجتہد مصیب مان لیا جائے

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۳ تا ۴، ۲۷)

(جیسا کہ واقعہ میں بھی ہے) تو ایسی صورت میں حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کا غلطی پر ہونا لازم آئے گا۔ اور یہی بات جمہور علمائے سلف وخلف کے نزدیک قرین قیاس بھی ہے۔

چنانچہ اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی ؓ اس جنگ میں مجتہد مصیب اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور حضرت معاویہ ؓ مجتہد مخطی ہونے کے سبب اپنے تمام ساتھیوں سمیت فقہی اصطلاح کے اعتبار سے "باغی" کہلائے گئے۔

پس حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کے اس غلط اقدام کی بناء پر سوائے اس کے اور کچھ بھی ممکن نہیں کہ انہیں لشکر علوی ؓ کے مقابلہ میں باغی اور خاطی قرار دیا جائے، اور یہی موقف تمام اہل سنت کا ہے، جسے مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اور جسے پروفیسر آں موصوف سہائیت گزیدگی کی مثال قرار دے رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ خود ناسعیت گزیدہ ہیں، اگر ہمت ہے تو مولانا نعمانی کو کوسنے کے بجائے اُن کی دلیل کا جواب دیں!۔

باقی جہاں تک بات ہے مولانا نعمانی کی اس تحقیق کی کہ

"حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے۔ لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق "انوار الحجم مترجمہ قاسم العلوم" سے نقل کی ہے، جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے دوران ترجمہ سہواً ونسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے۔

ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے "حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ" کے عنوان کے تحت گزشتہ صفحات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں فاضلانہ بحث کی ہے، اور مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی کی نشان دہی کر کے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے نقد معاویہ ؓ کے بدنما داغ کو مکمل طرح سے صاف کیا ہے۔ من شاء فلیراجع۔

مولانا نعمانی پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو شیعہ مروانیہ اُمویہ اور شیعہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا، اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی۔" [1]

"للأكثر حكم الكل" کا قاعدہ:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر بلا استثناء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور تمام بنو اُمیہ کو نواصب اور ان کے وجود کو ناپاک کہا ہے۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موقع پر مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا کہ

"استثناء بر بنائے اعمال صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔" [2]

اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعمال غیر اُمویہ واتباع سنت شیخین جلیلین کی بناء پر ان مذکورہ بالا بنو اُمیہ کے دونوں اوصاف قبیحہ وصفات شنیعہ سے کلی طور پر مستثنیٰ ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"وفي الحديث الصحيح قال الحاكم: على شرط الشيخين عن أبي برزة رضي الله عنه كان أبغض الأحياء أو الناس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنو أمية. ومعاوية من بني أمية فهو من الأشرار ..... وجوابه انما المراد من الحديث أن أكثر بني أمية موصوف بالشرية والأبغضية فلا ينافي أن أقلهم ليسوا أشراراً ولا مبغوضين بل هم من خيار الأمة وأكبر الأئمة." [3]

ترجمہ: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے (امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

---

[1] (حاشیہ کربلا کا پس منظر: ۱۳۱، ۱۳۲، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ۴۷۵)

[2] (ماہنامہ الہلال کلکتہ ۱۹۱۳ء)

[3] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان للهيتمي: ص ۳۰، الناشر: مكتبة الحقيقة شارع دار الشفقة، فاتح ۵۷، استنبول، تركي)

حدیث شیخین کی شرط پر ہے) کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمام قبیلوں یا تمام لوگوں میں حضور ﷺ کو مبغوض ترین بنو اُمیہ (کے لوگ) تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بنو اُمیہ قبیلہ سے ہیں پس وہ بھی ناپسندیدہ لوگوں میں سے ہوئے..... تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اکثر بنو اُمیہ شر کے ساتھ موصوف ہیں۔ پس یہ بات اس کے منافی نہیں کہ ان میں سے بہت سے کم لوگ مبغوض اور ناپسندیدہ نہ ہوں، بلکہ (یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے) بعض بہت کم لوگ خیار اُمت ائمہ کبار میں سے ہوں۔ (جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے۔) (ترجمہ ختم)

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ "مؤلفة القلوب" میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاء" میں ان کا شمار ہے۔" [1]

مولانا نعمانی کی اس عبارت پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تحقیقی اعتبار سے موصوف (مولانا نعمانی) کا یہ دعویٰ ہی بالکل غلط اور باطل ہے کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ان کا شمار "طلقاء" اور "مؤلفة القلوب" میں ہوتا تھا۔" [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے متعلق تحقیق!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اور آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے "مؤلفة القلوب" اور "طلقاء" میں سے ہونے کے متعلق شروع کتاب میں کافی شرح وبسط سے کلام ہو چکا ہے، اس لئے یہاں اُس کا اعادہ نہیں کیا جاتا، البتہ یہاں اُس کا لب لباب نقل کیا جاتا ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے "فتح مکہ" سے پہلے یا "فتح مکہ" کے بعد

---

[1] (حاشیہ کربلا کا پس منظر: ص ۲۹۱، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۷۷، ۲۷۸)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: ص ۲۷۷، ۲۷۸)

اسلام لانے اور حضرت معاویہ کے "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونے کے بارے میں دونوں قسم کے اقوال کتب تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت ابوسفیان ؓ کے "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونے کے بارے میں تو تقریباً تمام ہی مؤرخین کا اتفاق ہے۔

لہٰذا اس تناظر میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قول اختیار کیا ہے وہ راجح نہیں بلکہ مرجوح ہے، لیکن اس کے بجائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا دعوے کو قطعی اور یقینی طور پر بالکل ہی غلط اور باطل کہنا بجائے خود تحقیقی طور پر غلط اور باطل بلکہ فتنہ کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو مرنے سے پہلے پہلے سیدھی راہ سجھادے تو زہے نصیب!۔

مولانا نعمانیؒ پر چوتھا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

> "یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ ان حضرات کو "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کرتے تھے اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کے لئے موجب مذمت ہے اور اسے بطور تحقیر استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ کسی صحابی کو حقارت آمیز کلمہ سے تعبیر کرنا "نقص خفی" ہے۔"[1]

"طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!

اوّل تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بات بلاحوالہ نقل کی ہے کہ "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" کے الفاظ ان لوگوں کے لئے موجب مذمت اور بطور تحقیر کے استعمال کیے جاتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ الفاظ صرف ان لوگوں کی معافی اور ان کی تالیف قلب کے لئے وضع کیے گئے تھے، ان کی مذمت یا حقارت و تحقیر کے لئے ہرگز وضع نہیں کیے گئے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ؓ کے دور میں ان حضرات کے حق میں باہمی حقارت و تحقیر کی نہ فضاء قائم تھی اور نہ ہی یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کلمہ "طلقاء" کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "نیز "الطلقاء" کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمہ کوئی مذمت یا حقارت و

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۲۷۸)

تحقیر کے لئے نہیں کہ جس سے عوام میں تنفر و نفرت پیدا کی جائے۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام کے دور میں باہمی حقارت و تنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔ [1]

اور کلمہ "مؤلفة القلوب" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے۔ [2]

---

[1] (سیرت حضرت امیر معاویہ ﷺ: ۲/۳۸۳، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

[2] (سیرت حضرت امیر معاویہ ﷺ: ۲/۴۹۰، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

﴿۲۰﴾

مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء)

نام ونسب:

آپؒ کا نام نامی اسم گرامی محمد امین، لقب صفدر، والد کا نام میاں ولی محمد، اور دادا کا نام میاں پیر محمد ہے۔

پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

''محمد امین بن میاں ولی محمد بن میاں پیر محمد.....الخ۔''

ولادت باسعادت:

آپؒ مؤرخہ ۴ اپریل ۱۹۳۳ء کو ریاست بیکانیر ضلع گنگا نگر میں پیدا ہوئے، جہاں آپؒ کے دادا جان میاں پیر محمد نے اپنی محنت شاقہ سے تین مربع زمین خرید رکھی تھی۔ آپؒ کا خاندانی تعلق ''آرائیں'' خاندان سے ہے جو کئی پشتوں سے ''باغبانی'' کا کام کرتا چلا آرہا ہے۔

تحصیل علم:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے نہایت ذہین وفطین تھے۔ جب آپؒ اپنے سن شعور کو پہنچے تو والد محترم نے قرآن مجید کی تعلیم دلوانے کی غرض سے آپؒ کو حافظ محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ دیا جو بدقسمتی سے غیر مقلد تھے، ان کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے سے غیر مقلدیت کے جراثیم آپؒ میں بھی سرایت کر گئے۔ پھر جب آپؒ نے سکول میں عصری تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو آپؒ کے والد ماجد نے آپؒ کے لئے عربی کا مضمون رکھوایا تاکہ دینی علوم کے حصول میں یہ مضمون آپؒ کا ممد ومعاون ثابت ہو۔ جب آپؒ نویں جماعت میں گئے تو عربی زبان

میں دسترس حاصل کرنے کے لئے آپؒ نے مولانا عبدالجبار کنڈیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کردیں، لیکن بدقسمتی سے یہ بھی ایک بہت بڑے غیر مقلد تھے، اب ان کی صحبت میں رہ کر آپؒ بھی غیر مقلد بن گئے۔ لیکن پھر ۱۹۵۳ء میں جب جامعہ محمودیہ عیدگاہ میں مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) اور مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) کا تقرر ہوا تو ان دونوں حضرات کی محنت اور اپنے والد ماجد کی پرخلوص دعاؤں کی برکت سے غیر مقلدیت سے تائب ہوکر آپؒ جادۂ مستقیم پر گامزن ہوگئے اور پھر اپنی تعلیم کا سلسلہ انہی دونوں حضرات کے ساتھ جوڑ لیا۔ علاوہ ازیں آپؒ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے درس نظامی کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور حدیث کے اسباق مولانا عبدالحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔

اصلاحی تعلق:

چوں کہ شروع میں مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ میں غیر مقلدیت کے جراثیم سرایت کرگئے تھے، اس لئے آپؒ اس سے تائب ہوجانے کے بعد بھی پیری مریدی اور بیعت مرشد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کوئی بیعت کی ترغیب دیتا تو آپؒ اُس کا مذاق اُڑاتے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ مولانا بشیر احمد پسروری رحمۃ اللہ علیہ عیدگاہ تشریف لائے، تمام طلباء اُن سے مصافحہ کرنے کے لئے گئے، جب آپؒ نے اُن سے مصافحہ کیا تو اُنہوں نے مصافحہ فرماکر آپؒ کو اپنے پاس بٹھالیا۔ نام پوچھا اور فرمایا یہ شخص ایک بہت بڑے علاقے کو سنبھال سکتا ہے اور آپؒ کو بار بار بیعت ہونے کی ترغیب دیتے رہے، لیکن آپؒ جواب میں یہی کہتے رہے کہ بیعت کون سی ضروری چیز ہے؟ لیکن حضرت کا اصرار بڑھتا گیا کہ تم ضرور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرلو!، چنانچہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ کرلیا اور پھر کچھ عرصہ بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے۔

تجدید بیعت:

جب مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی تو آپؒ کے قلق واضطرار میں اضافہ ہوگیا۔ اس لئے تجدید بیعت کی خاطر آپؒ اپنے مرشدزادے مولانا عبیداللہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے مولانا عبیداللہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیعت کرنے کے بجائے آپ کو مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، جس پر آپ نے فوراً عمل کیا اور چکوال جاکر آپ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

علمی مقام اور فرقِ باطلہ کا تعاقب:

مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بہترین مناظر، نامور محقق اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ آپؒ کے طرزِ استدلال، قوتِ گرفت، حاضر جوابی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آپؒ نے اپنے زمانے کے مشہور باطل فرقوں' روافض، منکرین حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور غیر مقلدیت کا بہترین تعاقب اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ان تمام باطل فرقوں کی بنیاد عدم تقلید اور خود رائی ہے۔ اصل دین وہی ہے جو صحابہ کرام ؓ کی وساطت سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے، غیر مقلدیت ایک بہت بڑا منبعِ فتن ہے، باقی تمام فتنے اسی سے نکلتے ہیں، اس لئے کہ آدمی غیر مقلد ہونے کے بعد کسی بھی وقت منکر حدیث، قادیانی، چکڑالوی، بہائی اور رافضی ہو سکتا ہے۔

وفات حسرت آیات:

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمائے حرمین شریفین کے اصرار پر رمضان المبارک میں عمرہ پر جانے کا ارادہ تھا کہ اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور دل کا دورہ پڑ گیا۔ ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء کا دن آپؒ نے گھر میں گزارا، رات کو عشاء کی نماز آپؒ نے گھر پر ہی ادا کی اور نو بجے کے قریب دوبارہ دل کا دورہ پڑا جس کے ساتھ ہی آپؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح دنیائے علم و تحقیق کا یہ چہچہاتا بلبل اپنا نغمہ سناتے سناتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین و معاندین کے نشانے پر:

لیکن بایں ہمہ فضل و کمال آپ اپنے حاسدین و معاندین کی طعن و تشنیع اور اُن کے دو دھاری خنجروں کے وار سے کسی بھی طرح مامون اور سالم نہیں رہے۔

یزید کی کردار کشی:

چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"چنانچہ" زبدۃ المحدثین و سلطان المحققین" کردار یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو "صحیح" سمجھ کر نقل فرماتے ہیں کہ:

"خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اس وقت تک نہیں اٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔"[1]

یزید کی کردار کشی کو حضرت معاویہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے!:

مذکورہ بالا روایت کی حیثیت جو بھی بہر حال اس کے نقل کرنے سے مولانا امین اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام کسی بھی طرح عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے کردار یزید کی آڑ میں (نعوذ باللہ!) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کی ہے، اس لئے کہ یزید نے مذکورہ بالا جتنے بھی سیاہ کارنامے انجام دیئے ہیں وہ سب کے سب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد انجام دیئے ہیں۔ ان تمام اعمال سیئہ کا ذمہ دار خود یزید ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ اُس کے ان اعمال سیئہ کے ذکر کرنے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کا نام دینا بہت بڑی ناانصافی کی بات ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یزید کے مذکورہ بالا اعمال سیئہ کی آڑ میں مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی نہیں کی بلکہ سر چڑھ کر خود یزید کی کردار کشی کی ہے، جس پر انہیں ملامت نہیں کیا جا سکتا۔

یزید کی کردار کشی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تادیب:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"فاتح مذاہب باطلہ اور حامل علوم وہبیہ جناب صفدر کبیر مزید فرماتے ہیں:

"یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: "بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ

---

[1] (تحفۂ صفدر، ۱/ ۵۰۶، ناشر: جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ، طبع اول، اکتوبر ۱۹۹۶ء بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ۲۸۱)

جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں۔" اور فرمایا "کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔"[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب:

اس روایت کی نسبت پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دانستہ براہ راست مولانا اوکاڑوی کی طرف کی ہے تاکہ اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے عالم ہیں، پھر وہ اتنی پرانی بات از خود کیوں کر نقل کر سکتے ہیں؟۔

یہ روایت اصل میں معجم طبرانی کی ہے اور مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں سے نقل کی ہے، لیکن ہاشمی صاحب نے غالباً طبرانی کا نام لینا اس وجہ سے گوارہ نہیں کیا تاکہ کہیں اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں کوئی ثبوت ہی نہ نکل جائے۔

بہر حال اس روایت کی بھی اسنادی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی نہ کسی درجہ میں ثابت ضرور ہے، موضوع اور من گھڑت نہیں ہے۔ اور یزید سے مذکور بالا فاسقانہ اعمال کا ارتکاب ضرور ہوا ہے کہ بلاشبہ وہ نوجوانی ہی میں شراب پینے لگ گیا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں اُس نے کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُس کی ان حرکتوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو نرمی سے سمجھایا کہ ایسی حرکتیں کرنی چھوڑ دو، لیکن اگر یہ حرکتیں کرنی ہی ہیں تو پھر کم از کم رات کو کر لیا کرو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، دن کو نہ کیا کرو کہ اس سے مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست برا سمجھتے ہیں، اور دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت:

اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعی دن کو ان فاسقانہ اعمال سے پہلو تہی کیا کرو اور جب رات کو رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تو پھر اس قسم کی غلط حرکتیں کر لیا کرو، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از راہ تہدید وتنبیہ یزید کو ان فاسقانہ اعمال سے مکمل طور پر بچنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اول تو ان فاسقانہ اعمال کا ارتکاب کسی بھی وقت کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر کرنا ہی ہو تو کم از کم رات کو آدمی کرے، جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی

---

[1] (تحریات صفدر ۱/۵۲۰، ۵۲۳، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۲۸۱)

ہے اور دن کو نہ کرے کہ اس سے آدمی کی مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست پریشان ہوتے ہیں اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اسلامی حلیہ اپنا کر کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب کرے۔ مثلاً رقص و سرود کی محفل میں شریک ہو اور وہاں نامحرم عورتوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کرے وغیرہ وغیرہ تو اسے ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ کام کرنے ہی تھے تو پھر کم از کم اپنا حلیہ تو اس طرح کا بنا کر نہ کرتے کہ اس سے دین اسلام کی سخت توہین اور ابلی ہوتی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعی اسلامی حلیہ اپنا کر اس قسم کی مجالس و محافل میں شریک ہونا قبیح اور برا ہے اور غیر اسلامی حلیہ اپنا کر اس قسم کی مجالس و محافل میں شریک ہونا قبیح اور برا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حلیہ اپنائے بغیر بھی اس قسم کی محفلوں میں جانا اور شریک ہونا انتہائی قبیح اور بہت برا ہے۔

اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ انہوں نے واقعی یزید کو اس قسم کی نصیحت فرمائی ہے کہ دن کو اس قسم کے فاسقانہ افعال مت کیا کرو، بلکہ رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تب کر لیا کرو، بلکہ جس طرح مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب نے یزید کی مدح سرائی اور اس کی تعریف و توصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کر کے اس کی مدح و تحسین فرمائی ہے تو اسی طرح مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواب بالمثل کے طور پر یزید کے جملہ فاسقانہ و فاجرانہ افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ سے متعلق ہر قسم کی روایات جمع کر کے اس کے فسق و فجور اور اس کے کردار سے پردہ چاک کیا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر تلبیسانہ اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید فرماتے ہیں:

"یزید کی ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں بعہد عثمانی (علی اختلاف الاقوال) ۲۵ھ، ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ زبدۃ المحدثین (مولانا اوکاڑوی) کی توضیح کے مطابق یزید کو نوجوانی کے عالم سے ہی مذکورہ "افعال قبیحہ" کی "لت" پڑ گئی تھی اور وہ اپنی وفات (۶۴ھ) تک ان امور کا عادی رہا ہے۔ گویا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں "اپنی بیٹیوں، ماؤں، اور بہنوں (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں) کے ساتھ زنا کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان امور کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے نرمی سے

سمجھایا اور پھر کسی مجبوری کے تحت فرمایا: "تم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔"[1]

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا تلبیسانہ منظر:

یہاں ایک بار پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی تلبیس اور اپنے دجل وفریب کا خوب مظاہرہ کیا ہے کہ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو مختلف عبارات کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے اُس سے مرضی کا مطلب نکال کر موصوف کو خواہ مخواہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد اور گستاخ ثابت کر کے اپنے خبث باطن کی خوب بھڑاس نکالی ہے حالاں کہ درحقیقت یہ دو مختلف واقعات ہیں۔

چنانچہ یزید کا نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کا واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ہے کہ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے نرمی سے نصیحت فرمائی اور از راہ تہدید وتنبیہ فرمایا کہ اگر یہ کام کرنے ہی ہیں تو کم از کم رات کو کر لیا کرو البتہ دن کو نہ کیا کرو۔

اور یزید کے اپنے باپ کی اُن لونڈیوں سے صحبت کرنا کہ جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے، اور بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کی روایت تو اُس وقت سے متعلق ہے جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہو چکا تھا اور اُس کے خلاف اُس کے فاسقانہ وفاجرانہ اعمال اور اُس کے لشکر کی بدولت اہل مدینہ نے ۶۳ھ میں بغاوت کر لی تھی، جس کے نتیجہ میں بعد میں جنگ حرہ کا الم ناک واقعہ پیش آیا تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"واللہ ما خرجنا علیٰ یزید حتی خفنا أن نرمی بالحجارۃ من السماء ان کان رجلا ینکح أمہات الأولاد والبنات والأخوات و یشرب الخمر ویدع الصلوۃ."[2]

ترجمہ: اللہ کی قسم! ہم یزید کے خلاف اُس وقت تک نہیں اُٹھے یہاں تک کہ ہمیں

---

[1] (تجلیات صفدر: ۱/ ۵۲۰، ۵۲۳، بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۲۸۲)

[2] (الصواعق المحرقۃ علی أہل البدع والزندقۃ للہیتمی، ۲۲۱، الناشر مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول، ترکی)

خوف ہوا کہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں، یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی اُن لونڈیوں سے صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے، اور نماز نہیں پڑھتا۔ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ یزید کے نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کی روایت کا تعلق حضرت معاویہ ؓ کے دور کا ہے، اور اپنے باپ کی اُن لونڈیوں سے کہ جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی ہے اور بیٹیوں اور بہنوں سے صحبت کرنے کی روایت کا تعلق حضرت معاویہ ؓ کی وفات کے بعد ۶۳ھ کا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے بخوبی ملاحظہ فرمالیا ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے کس طرح دو مختلف واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے، دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اور کس طرح کھینچ تان کر مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو ناقدین معاویہ ؓ کی صف میں کھڑا کرنے کی اپنی سی مذموم سعی کی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ اور قلم باصبیت گزیدہ قاضی طاہر ہاشمی کا ہے، لیکن ذہن اور دماغ شیطان ابلیس کا ہے۔

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی نیت پر حملہ کرنے کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"حجۃ اللہ فی الارض مزید فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ (المتوفی ۵۰ھ) کو حضرت معاویہ ؓ نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص ؓ کو اس کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ ؓ اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے آ کر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے! تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ ؓ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟۔ یزید نے کہا: "مغیرہ بن شعبہ ؓ نے۔" معاویہ ؓ کو مغیرہ ؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو، حضرت مغیرہ ؓ نے یہ کوشش شروع کر دی ... الخ۔"[1]

---

[1] (تجلیات صفدر: ۱/ ۵۲۱، ۵۲۲، بحوالہ: سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ۲۸۱، ۲۸۲)

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف (مولانا اوکاڑویؒ) کے بیان کردہ ارشادات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''۷۔حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے اپنی گورنری بچانے کے لئے حضرت معاویہ ؓ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔

۸۔حضرت معاویہ ؓ کو حضرت مغیرہ ؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور بطور انعام گورنری پر برقرار رکھا۔

۱۳۔اوکاڑوی صاحبؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی نیت پر بھی بدترین حملہ کیا ہے کہ انہوں نے گورنری بچانے کے لئے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ بڑی محنت کے ساتھ زکاوٹیں دور کیں اور راستہ ہموار کیا۔''[1]

الزام کا دفعیہ:

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خبث باطن اور اُن کی اکابر دشمنی ہے کہ وہ ہر سیدھی چیز کو اُلٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اکابر کی جو تحقیق یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم کے خلاف پڑ رہی ہو وہ اُس کو ہر طرح سے رد کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

دراصل مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ '' البدایۃ والنہایۃ '' سے نقل کیا ہے (جس پر قرینہ مولانا موصوف کے ترجمہ کے الفاظ ہیں) اور ابن خلدونؒ اور کامل ابن اثیرؒ میں بھی اس واقعہ کے بعض حصوں کا ذکر ہے۔ لیکن نہ تو '' البدایۃ والنہایۃ '' میں کسی ایسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی اس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے اور نہ ہی مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ '' البدایۃ والنہایۃ '' میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: ''حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کے پاس خود آ کر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ براویت امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ۲۸۳، ۲۸۴)

"فروي ابن جرير من طريق الشعبي أن المغيرة كان قد قدم على معاوية وأعفاه من امرة الكوفة فأعفاه لكبره وضعفه وعزم على توليتها سعيد بن العاص فلما بلغ ذلك المغيرة كأنه ندم فجاء الى يزيد بن معاوية فأشار عليه بأن يسأل من أبيه أن يكون ولي العهد فسأل ذلك من أبيه فقال : من امرك بهذا؟ قال :المغيرة فأعجب ذلك معاوية من المغيرة ورده الى عمل الكوفة وأمره ان يسعى في ذلك ..... ألخ ."[1]

ترجمہ۔ابن جریرؒ نے شعبیؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے اور امارت کوفہ سے استعفاء دیا تو حضرت معاویہ ؓ نے انہیں اُن کے ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے امارت کوفہ سے معزول کر دیا، اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص ؓ کو اس کی جگہ گورنر بنایا جائے، تو مغیرہ ؓ اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے، تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ ؓ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ؓ نے! معاویہ ؓ کو مغیرہ ؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارتِ کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے کوشش کرو..... الخ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو امارت کوفہ سے از خود معزول نہیں کیا بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے خود اپنے ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے استعفاء پیش کیا تھا۔ تاریخ کے اولین ماخذ میں تو واقعہ صرف اتنا ہی لکھا ہے۔

ایک سوال اور اُس کا جواب:

لیکن یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو گورنری کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ وہ اس کے لئے اُمت محمدیہ ﷺ کے مفاد کو قربان کر سکتے تھے تو اُنہوں نے خود آ کر استعفاء کیوں پیش کیا؟۔ اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے جو علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور یہی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو بھی سوجھے

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۸/۸۶، الناشر: دار احیاء التراث العربی - بیروت، لبنان)

ظن کی بناء پر مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت ہے کہ درحقیقت یہ استعفاء بھی اپنی قیمت بڑھانے کی ایک چال تھی۔ انہیں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے ان کو معزول کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا انہوں نے یزید کی ولی عہدی کو آڑ بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نودی حاصل کرنی چاہی، مگر یہ سمجھا کہ اگر بحالات موجودہ یہ رائے پیش کروں گا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھ جائیں گے کہ یہ تجویز محض گورنری بچانے کے لئے پیش کی جارہی ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے مصنوعی طور پر استعفاء پیش کر دیا، تاکہ لوگوں پر اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح ہو جائے میں ان کا سچا خیر خواہ ہوں اور پھر وہ زبردستی مجھے گورنر بنا دیں گے۔

دوسرا جواب:

اور دوسرا جواب مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے واقعتاً خلوص کے ساتھ اپنے ضعف کی بناء پر استعفاء پیش کیا تھا، لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کہے بغیر استعفاء منظور کر کے دوسروں کو گورنر بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ تمہارے استعفاء دینے سے امیر المؤمنین ناراض ہو گئے ہیں (جیسا کہ پرانے ماتحت کے اچانک استعفاء دے دینے سے عموماً افسر بالا کو گرانی ہوا کرتی ہے) اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ واضح کرنا چاہا کہ میں نے کسی رنجش یا ملت کے اُمور سے عدم دل چسپی کی بناء پر استعفاء نہیں دیا، بلکہ ضعف کی بناء پر استعفاء دیا ہے، ورنہ جہاں تک اُمت کے اجتماعی اُمور کا تعلق ہے اُن سے میری دل چسپی اب بھی قرار ہے، جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو ولی عہد بنانا چاہتا ہوں جو میری نظر میں خلافت کا اہل ہے، اور اُس کی ولی عہدی میرے خیال میں اُمت کو افتراق سے بچا سکتی ہے۔ اور اگر اس مقصد کے لئے دوبارہ گورنری کی ضرورت پیش آئی تو میں یہ خدمت دوبارہ انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس واقعہ کی جو عبارت طبریؒ، ابن کثیرؒ اور ابن خلدونؒ نے نقل کی ہے اُس میں واقعہ کی ان دونوں توجیہات کی یکساں گنجائش ہے، یہ عبارتیں نہ پہلے مفہوم میں صریح ہیں، نہ دوسرے مفہوم میں، بلکہ پہلے مفہوم پر بھی کچھ عقلی اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور دوسرے مفہوم پر بھی، اور دونوں ہی صورتوں میں واقعہ کے مبہم خلاء کو قیاسات سے پر کرنا پڑتا ہے۔

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ پہلے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں یا دوسرے مفہوم کو۔ خود ہمارا اور

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام علمائے اہل سنت کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی جلالت شان اور اُن کے مقام صحابیت کے پیش نظر دوسرا مفہوم اختیار کیا جائے، کیوں کہ جس صحابی کی ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی خدمت میں گزری ہو، اُس سے محض اقتدار کی مدت کچھ اور بڑھانے کی خاطر جھوٹ، فریب، رشوت، ضمیر فروشی اور اُمت محمدیہ ﷺ سے غداری جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بعید از قیاس بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لئے اس تاریخی واقعہ کی جو تعبیر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علامہ ابن اثیرؒ اور مولانا اوکاڑویؒ سے سوئے ظن کی بنا پر اختیار کی ہے، بالکل غلط اور قطعی طور پر باطل ہے۔

﴿۲۲﴾

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶/ جنوری ۲۰۰۴ء)

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ بمطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو بمقام "بھیں" ضلع چکوال مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے داخلہ لیا۔ اساتذۂ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مفسر قرآن علامہ شمس الحق افغانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ جب کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

دیوبند سے فراغت اور وطن مراجعت کے بعد ابتلاء میں مبتلاء ہوگئے۔ اس کا آغاز خود قاضی صاحبؒ کے بقول یوں ہوا کہ گاؤں کے ایک متنازعہ مکان کے سلسلہ میں دوسرے گاؤں سے آئے ہوئے ایک شخص کے وار کے دفاع میں میرے طرف سے اُسے ایک کاری ضرب لگ گئی، وہ بھاگ کھڑا ہوا، میں نے اُس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے پکڑا لیکن پھر اس کے کہنے پر اسے چھوڑ بھی دیا، نتیجہ نکلا کہ وہ ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ میں نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ورثہ سے معافی مانگنے کے سلسلہ میں استفسار کیا تو آپؒ نے فرمایا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پہلا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مذکورہ بالا واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"موصوف حضرت علی ؓ کے ساتھ مصالحت کے باوجود حضرت معاویہ ؓ کے اجتہادی و دفاعی اقدام کو تو برملا اور پے در پے غلط کہتے ہوئے انہیں خطی قرار دیتے ہیں، جب کہ اپنے دفاعی اقدام کو صحیح سمجھتے ہیں۔"[1]

ضروری نہیں کہ عدم ضرورت صحت کو بھی مستلزم ہو!

یہ ہاشمی صاحب کا اپنا اجتہاد ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رہائی کے بعد مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے کی عدم ضرورت کا مطلب یہ لے رہے ہیں کہ اس سے قاضی صاحبؒ اپنا دفاعی اقدام صحیح سمجھ رہے ہیں اس لئے کہ کسی کام کی عدم ضرورت اُس کام کی صحت کو ہرگز مستلزم نہیں ہوتی۔ یعنی یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو کام ضروری نہ ہو وہ صحیح بھی ہو، بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کام ضروری بھی نہ ہو اور صحیح بھی نہ ہو۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا کہ اُنہوں نے اپنے استاد کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مقتول کے ورثہ سے معافی مانگنے کو ضروری نہیں سمجھا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اس دفاعی کام کو صحیح نہیں بلکہ غلط سمجھتے تھے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ قاضی صاحبؒ نے "حق چار یار" کے نعرے کا اجراء فرمایا۔ اس نعرے سے یہ تصور اُبھرتا ہے کہ بس یہی چاروں خلفاء برحق ہیں، کیا باقی خلفاء، صحابہ حضرت حسن ؓ، حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما..... حق نہیں ہیں؟ خوارج کی طرح قاضی صاحبؒ کا یہ نعرہ ہے تو برحق لیکن اس نعرہ کا مقصد حضرت معاویہ ؓ کو خلفائے راشدین ؓ کی فہرست سے خارج کرنا ہے۔ انتهى مختصراً [2]

حق چار یار سے مراد خلافت راشدہ موعودہ کا اثبات ہے!:

اس میں شک نہیں حضرت حسن مجتبیٰ ؓ اور حضرت معاویہ ؓ سمیت خلفاء، غیر خلفاء، تمام صحابہ ہی برحق ہیں، کوئی مؤمن بالقرآن ان کے برحق ہونے کی نفی نہیں کر سکتا، لیکن حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ ؓ کے

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ۲۸۸)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ۲۹۰، ۲۹۱)

حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہرگز کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ قرنِ اوّل سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

" ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أوّلاً لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلاً له وتقديماً على جميع الأمة ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه ثم لعثمان رضي الله عنه ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون ."[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خلافت ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، کیوں کہ وہ تمام اُمت پر مقدم اور افضل ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں اور پھر حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کے لئے مانتے ہیں۔ اور یہی (چار حضرات) خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔

امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ) حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت کا اعتقاد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ويقرون أنهم الخلفاء الراشدون المهديون ."[2]

ترجمہ: اہل سنت اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہی (چار حضرات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلفائے راشدین مہدیین ہیں۔ (ترجمہ ختم)

امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابوالمعالی امام الحرمین الجوینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (العقيدة الطحاوية للطحاوي: ۸۱/۱، الناشر: المكتب الاسلامي، بيروت)

[2] (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين للأشعري: ۲۲۸/۱، الناشر: المكتبة العصرية)

" الخلفاء الراشدون ..... بعد رسول الله (صلى الله عليه وسلم)
ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين ." [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (ترجمہ ختم)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

" فأما الخلفاء الراشدون فهم أفضل من غيرهم ." [2]

ترجمہ: بہر حال خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

امام عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام ابومحمد تقی الدین عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۰ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

" فهؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون ." [3]

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین مہدیین ہیں۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح علامہ ابومحمد موفق الدین ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۲۰ھ) حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

" هؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون ." [4]

---

[1] (لمع الأدلة في قواعد عقائد أهل السنة والجماعة لامام الحرمين الجويني : ۱/۱۲۹، الناشر : عالم الكتاب ، لبنان)

[2] (الاقتصاد في الاعتقاد للغزالي : ۱/۱۳۲، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[3] (الاقتصاد في الاعتقاد للمقدسي : ۱/۲۰۰، الناشر : مكتبة العلوم والحكم ، المدينة المنورة ، السعودية) و (عقيدة الحافظ تقي الدين عبد الغني بن عبد الواحد المقدسي : ۱/۹۹، الناشر : مطابع الفرزدق ، الرياض ، السعودية)

[4] (لمعة الاعتقاد لابن قدامة المقدسي : ۱/۳۶، الناشر : وزارة الشؤون الاسلامية والأوقاف والدعوة والارشاد، السعودية)

ترجمہ: یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین، مہدیین ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

اسی طرح امام جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرات خلفائے اربعہ ؓ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فهم الخلفاء الراشدون ."[1]

ترجمہ: پس یہ (چاروں حضرات) خلفائے راشدین ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا نعوذ باللہ اکابر علماء اور ان جیسے دیگر تمام حضرات علمائے اہل سنت ناقدین معاویہ ؓ کی فہرست میں شامل ہیں؟۔

نعرۂ "حق چار یار" کا مقصد:

دراصل "حق چار یار" کے نعرے سے شیعوں کے اُس عقیدہ پر ضرب لگانی مقصود ہوتی ہے جس میں وہ حضرات حضرت علی ؓ کے علاوہ دیگر خلفائے ثلاثہ ؓ کو ناحق خلیفہ مانتے ہیں۔ اہل سنت "حق چار یار" کا نعرہ لگا کر گویا انہیں یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ ؓ میں سے تم تو صرف ایک یعنی حضرت علی ؓ کے خلیفہ برحق ہونے کے قائل ہو، اور ہم حضرت علی ؓ سمیت چاروں حضرات خلفائے راشدین ؓ کے برحق ہونے کے قائل ہیں۔

خود مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چار یار" سے وہی چار خلفائے راشدین مراد ہیں، جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں "چار یار" پکارا جاتا ہے اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں، جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ہدیۃ الشیعہ" میں چار یاری کے عنوان سے ان کا امتیاز کیا ہے۔

حضرت حسن ؓ گو برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ ؓ

---

[1] حقيقة السنة والبدعة الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع للسيوطي: ۲۰۹/۱، الناشر: مطابع قرطبة.

بھی خلیفہ برحق ہیں اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔" [1]

گویا "حق چار یار" کا نعرہ خلافت راشدہ منصوصہ کے حق میں قید احترازی کے طور پر لگایا جاتا ہے، بعد کے نیک خلفاء کے برحق نہ ہونے سے قید احترازی کے طور پر ہرگز نہیں لگایا جاتا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ انوکھی سوچ ہے کہ وہ ہر سیدھی بات کو بھی الٹی نگاہ ہی سے دیکھتے ہیں، غالباً وہ پاؤں اوپر اور سر نیچے کر کے جی رہے ہیں، تب ہی تو سب کچھ انہیں الٹا دکھائی دے رہا ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"خلافت راشدہ موعودہ کے خلفائے اربعہ میں ہی منحصر ہونے پر استدلال کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب" لکھتے ہیں:

"اور چوں کہ وعدۂ خداوندی حکومت و خلافت کا مؤمنین صالحین ہی کے لئے تھا اس لئے ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطاء کیا جائے گا، اس لئے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مؤمن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔ برعکس اس کے اگر ﴿ منکم ﴾ اور ﴿ الذین اخرجوا من دیارھم ﴾ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مؤمنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔ اور خلفائے اربعہ کے بعد کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لئے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔" [2]

---

[1] (خارجی فتنہ: ۳۹۲/۱، ناشر: ادارہ تحریک اہل سنت، الجماعت، پاکستان)

[2] (موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے: از ان جانی نائی گروہی ص ۳۹ بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ص ۳۰۳)

"اس عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ قاضی صاحبؒ کے نزدیک "مؤمنین صالحین میں سے نہیں تھے۔ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔"[1]

ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحبؒ کی عبارت کی توضیح:

یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا جھوٹا الزام ہے جو وہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھوپ رہے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو مؤمن صالح ہی تسلیم نہیں کیا ورنہ خلیفہ راشد ضرور تسلیم کر لیتے۔ حالاں کہ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کسی بھی طرح سے حضرت معاویہ ؓ کی ادنیٰ گستاخی بھی نہیں پائی جاتی۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو محض سمجھانے کی غرض سے ایک مثال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آیت استخلاف سے ﴿منکم﴾ اور آیت تمکین سے ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے تو قیامت تک آنے والے تمام خلفاء کا مؤمنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا، حالاں کہ ان میں بہت سے فاسق و فاجر بھی ہوں گے۔ لہٰذا خلفائے اربعہ کے بعد کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھا یا نہیں اور اس طرح کرنے سے مخالفین کے لئے بحث کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔

لہٰذا حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ: "حضرت معاویہ ؓ مؤمنین صالحین میں سے نہیں تھے، کیوں کہ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔" بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے اور ان کو راشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد ہرگز نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ یہ خلافت راشدہ صرف مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت معاویہ ؓ مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں تو حضرت معاویہ ؓ کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں، اس لئے کہ وہ تو قیامت تک آنے والے علی الاطلاق تمام مسلم حکمرانوں کی بات کر رہے ہیں کہ اگر آیت تمکین و استخلاف میں ﴿منکم﴾ اور ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کی قیدیں نہ ہوتی تو پھر یزید، حجاج

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۳۰۲)

مامون، معتصم اور پرویز مشرف جیسے بدعتی اور فاسق حکمران بھی اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے۔

چنانچہ "آیت تمکین" اور "آیت استخلاف" کے متعلق اسی نکتہ کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"آیت تمکین" میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ ؓ کے متعلق ایک اعلان فرمایا ہے (جن کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے) کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت و اقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں کی تکمیل کریں گے، اور چوں کہ ان مہاجرین صحابہ کرام ؓ میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد صرف ان چار اصحاب ؓ ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت عمر فاروق ؓ حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ اس لئے حسب اعلان خداوندی قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ قطعی عقیدہ لازم ہے کہ ان چاروں خلفاء ؓ نے ضرور وہ کام سرانجام دیئے ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور اگر کوئی شخص باوجود اس اعلان خداوندی کے ان خلفائے اربعہ ؓ کو برحق تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس آیت کا منکر ہے، اور اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مذکورہ اعلان صحیح ثابت نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ!۔ اور اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ مذکورہ تمکین و اقتدار کا وعدہ مابعد کے خلفاء کے لئے ہے، کیوں کہ یہ اعلان ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کے لئے ہے، جو مہاجرین صحابہ ؓ ہیں، اور سوائے ان چار خلفاء کے صحابہ ؓ میں سے اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی۔ اسی بناء پر ان چاروں خلفاء ؓ کی خلافت کو خصوصی طور پر "خلافت راشدہ" کہتے ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور یہ خلافت ان چار یار ؓ ہی میں منحصر ہے..... اسی طرح "آیت استخلاف" میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ایمان و عمل صالح والے صحابہ کرام ؓ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، جس پر لفظ ﴿منکم﴾ دلالت کرتا ہے۔ اور چوں کہ نبی کریم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد

صرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو ہی خلافت اور جانشینی کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا وہ یہی چار ہیں اور ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے، اور اگر ان چار خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت نہیں ہو سکتا، اور آیت میں ﴿منکم﴾ کی قید کی وجہ سے بعد کے خلفاء، اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیے جا سکتے، خواہ حضرت امام حسن ؓ ہوں یا حضرت امیر معاویہ ؓ، اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا قرب قیامت میں پیدا ہونے والے حضرت مہدی علیہ السلام جو امت محمدیہ ﷺ کے آخری ہادی اور مجدد ہوں گے، اور جن کی عادلانہ اسلامی حکومت کے بارے میں احادیث میں پیش گوئی موجود ہے۔ ان مابعد خلفاء کو بعض حضرات نے جو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے تو وہ لغوی معنی میں ہے کہ ان کی حکومتیں بھی برحق خلافتیں ہیں اور وہ بھی راشد و ہدایت والے ہیں۔ لیکن اصل خلفائے راشدین یہی خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت کا صحیح مصداق ہیں اور ان کے بعد آنے والے خلفاء، اس آیت کے موعودہ خلفاء نہیں قرار دیے جا سکتے، کیوں کہ حسب آیت تمکین اس آیت استخلاف سے مراد بھی وہی خلفاء ہیں جو مہاجرین صحابہ ؓ میں سے ہوں گے۔"[1]

اس تمام تر تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق آیت تمکین میں یہ فرمایا ہے کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت و اقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں (اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی تکمیل کریں گے، تو وہ یہی چار خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے، جن کو آنحضرت ﷺ کے بعد حسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے ملکی اقتدار اور خلافت عطا فرمائی، اور انہی چار خلفاء کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ ان کے بعد آنے والے دیگر خلفاء کو آیت تمکین میں بقید لفظ ﴿منکم﴾ کے اور آیت استخلاف میں بقید ﴿الذین اخرجوا من دیارھم﴾ کے قرآن مجید کی موعودہ

---

[1] (سنی موقف: ۵۲، ۵۳)

خلافت کا کسی بھی طرح مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حضرت قاضی صاحب کے حامیانِ یزید کے تعاقب کرنے پر ہاشمی صاحب کی برہمی:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"موصوف (حضرت قاضی صاحب) نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو "حامیانِ یزید" قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ﴿ اولئک ھم الراشدون ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔"[1]

ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدعا پر مشتمل بارہ سطروں کے ایک پیرائے کو ڈیڑھ سطر میں بیان کر کے اُس کا سیاق حذف کر کے اپنے دجل و تلبیس سے کام لیتے ہوئے قارئین باتمکین کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نعوذ باللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا آپ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو "حامیانِ یزید" قرار دیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اگر آپ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا فسوں خود بخود ٹوٹتا ہوا نظر آئے گا۔

چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ "خلیفہ راشد" کے لغوی و اصطلاحی معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حامیانِ یزید جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ... ﴿ اولئک ھم الراشدون ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں، یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے، لیکن اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔ بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام

---

[1] طاہر ہاشمی، فتنہ حصہ دوم، ۲۴۶ بحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۰۳)

بلکہ حضرت حسن ؓ مع اپنے بھائی حضرت حسین ؓ کے جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے قرآن مجید کے موعودہ خلفائے راشدین میں شمار نہیں ہو سکتے اور ﷺ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین ﷺ میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں، کیوں کہ ان چار کی خلافت باقتضائے نص قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے پسندیدہ خلافت ہے۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے ان خلفائے اربعہ (چار یار) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا، اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں یعنی حضرت حسن ؓ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی خلیفہ راشد ہوں گے۔"[1]

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کے مطلق خلیفہ راشد ہونے کا ہرگز انکار نہیں فرمایا بلکہ جس طرح حضرت حسن ؓ اور حضرت زبیر ؓ کے لئے اصطلاحی خلیفہ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اسی طرح حضرت معاویہ ؓ کے لئے بھی شرعی خلیفہ راشد ہونے کا انکار فرمایا ہے، اس لئے کہ آیت تمکین و آیت استخلاف کی رُو سے اصطلاحی خلفائے راشدین صرف خلفائے اربعہ (چار یار) ہی ہیں، البتہ لغوی اعتبار سے آپؒ نے حضرت حسن ؓ حضرت زبیر ؓ اور حضرت معاویہ ؓ تینوں حضرات کو خلیفہ راشد کہا ہے، اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

ہاں! قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت معاویہ ؓ کو اصطلاحی خلیفہ راشد قرار دینے والوں کو "حامیانِ یزید" کہنا ایک حقیقت ہے۔ یہ نیا عقیدہ وہی لوگ الاپ رہے ہیں جو دراصل یزیدی ہیں اور اس طرح یزید پلید کی حکومت کو خلافت راشدہ کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت علی ؓ کو "منصب نبوت" پر فائز کرنے کا اعتراض:

پروفیسر طاہر باجی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"۲- آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم و رضائے خداوندی "منصب

---

[1] (خارجی فتنہ: ۲/ ۴۷۷)

نبوت" پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ ؓ نے قاتلین حضرت عثمان ؓ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کر دی۔"[1]

حضرت معاویہ ؓ کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحب[2] نے حضرت علی ؓ کو "منصب نبوت" پر بھی فائز کر دیا۔ فیا اسفا! (ظاہر ہے کہ یہ "متابت" کی غلطی ہے) ع

حضرت علی ؓ کے "منصب نبوت" پر فائز ہونے کا مطلب:

(دیگر خلفائے ثلاثہ ؓ کی طرح) حضرت علی ؓ کے "منصب نبوت" پر فائز ہونے کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر آں موصوف نے مراد لے رکھا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ ؓ سمیت حضرت علی ؓ کی خلافت مطلق حکومت نہیں بلکہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہے۔ اور اُمت مسلمہ شروع ہی سے ان چاروں خلفاء کو جانشین رسول ﷺ اور ان کی خلافت کو "سنت مصطفوی" سمجھتی آئی ہے۔

چنانچہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ایام خلافت بقیہ ایام نبوت است۔"[3] ع

ترجمہ: خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا۔

اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام ؓ خصوصاً خلفائے راشدین ؓ کا تذکرہ اور اُن کے اوصاف و کمالات کا بیان درحقیقت آنحضرت ﷺ کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے۔"[4] ع

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کل مدارس سے نئے فارغ التحصیل ہونے والے فضلائے کرام کو یہ کہا

---

[1] (غازی ملت حصہ اول ص ۲۸۱ بحوالہ سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۳۰۵)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۳۰۵)

[3] (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱/۱۰۰)

[4] (خلفائے راشدین ؓ ص ۵، بحوالہ غازی ملت ۲/۲۷۵، ناشر: تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان)

جاتا ہے کہ اب آپ منصب نبوت کے امین اور وارث ہیں یا جیسے تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ "دعوت وتبلیغ" نبیوں والا کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے ہر ہر فرد کے ذمہ لگایا ہے۔ تو اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حضرات منصب نبوت پر فائز ہو گئے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کام نبیوں کا تھا وہی کام اب ان کے ذمہ بھی لگ گیا ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی ؓ کے لئے جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے الفاظ بولے ہیں تو اس سے (دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ ؓ سمیت) حضرت علی ؓ کی خلافت کا علیٰ منہاج النبوۃ اور آپ ؓ کی خلافت کا تمتہ مصطفویہ ہونا مراد لیا ہے، آپ کا (نعوذ باللہ!) نبی ہونا مراد نہیں لیا۔

ہاں! زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی جگہ کوئی کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا مگر کون سا مصنف ایسا ہے کہ جس کا ہر ہر حرف کامل واکمل ہو؟۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر توہین معاویہ ؓ کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"قاضی صاحب اپنے ایک دوسرے جوابی مضمون میں حضرت معاویہ ؓ کی صریح "توہین وتفسیق" کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "میرے پیش کردہ مذکورہ موقف پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ابوریحان صاحب نے تو اجتہادی خطا وصواب کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ ان کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہو جائے اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ ؓ کی خطا کے ثابت کرنے کے لئے کون سی نص پائی جاتی ہے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے خلفائے اربعہ ؓ کا موعودہ خلفائے راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:

"خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا، اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا، اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا، پہلے خلیفوں سے اور زیادہ، پھر جو کوئی اس نعمت کی

نافرمانی کرے ان کو بے حکم (فاسق) فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا:

(ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون) ."

حضرت داؤدیؒ نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاءؓ کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے۔

اب فرمائیے کہ کیا حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ جنگ نہیں کی؟۔

(اس طرح قاضی صاحبؒ نے محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیال کوئی نوراللہ مرقدہ کے سوال کے جواب میں حضرت معاویہؓ کی خطا "نص" سے ثابت کردی۔ معلوم نہیں کہ جو خطا "نص" سے ثابت ہو تو اُسے "خطائے اجتہادی" کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟۔) [1]

نص سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو خطائے اجتہادی نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی نص قرآنی سے ثابت ہونے والی "خطائے اجتہادی" کو "خطائے اجتہادی" نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟

حضرت معاویہؓ کی جو خطا خلیفہ برحق یعنی حضرت علیؓ کے خلاف ناحق خروج کی صورت میں واقع ہوئی تھی تو درحقیقت ووحدیث عمارؓ تقتلک الفئة الباغية کی رُو سے بالاجماع بشری خطا تھی، لیکن حضرت معاویہؓ کے شرف صحبت اور علم وفضل کی بناء پر اُسے "خطائے اجتہادی" کہا جاتا ہے۔ اگر یہی خطا کسی عام شخص سے صادر ہوتی تو اُس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہؓ کا شرف صحابیت اور آپ کا علم وفضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق ومعصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اُسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی اس خطا کو "خطائے اجتہادی" قرار دیا جائے۔

یہ تو علمائے اہل سنت والجماعت کی انتہائی احتیاط ہے کہ اُنہوں نے حضرت معاویہؓ کی انتہائی تعظیم و تکریم سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اُن کے اس عمل کی وجہ سے کسی بھی طرح اُن پر فسق ومعصیت کا اطلاق نہ

---

[1] (سیدنا معاویہؓ کے ناقدین ۳۰۷، ۳۰۸)

ہونے دیا جائے۔ مگر ناصبیت کہاں اس پر راضی ہوتی ہے؟ بلکہ وہ تو مصر ہے اس بات پر کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہر حال مصیب ہی مانا جائے چاہے کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا طعیہ ہی کیوں نہ بگاڑنا پڑے۔

﴿ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ إِسْتِخَارَتُهُ اللّٰهَ ، الحديث ﴾

اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا آدمی کی سعادت مندی کی علامت ہے۔ (ترمذی)

استخارہ کی شرعی حیثیت

از قلم :

مفتی محمد وقاص رفیع

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات:

ادارۃ التحقیق والأدب

اَصحَابِی کَالنُّجُوم

اِذَا ذُکِرَ اَصحَابِی فَاَمسِکُوا

لَا یَبلُغُنِی اَحَدٌ مِن اَصحَابِی

عَن اَحَدٍ شَیئًا (الحدیث)

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین

"حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" ماہنامہ حق چار یار لاہور کا تبصرہ

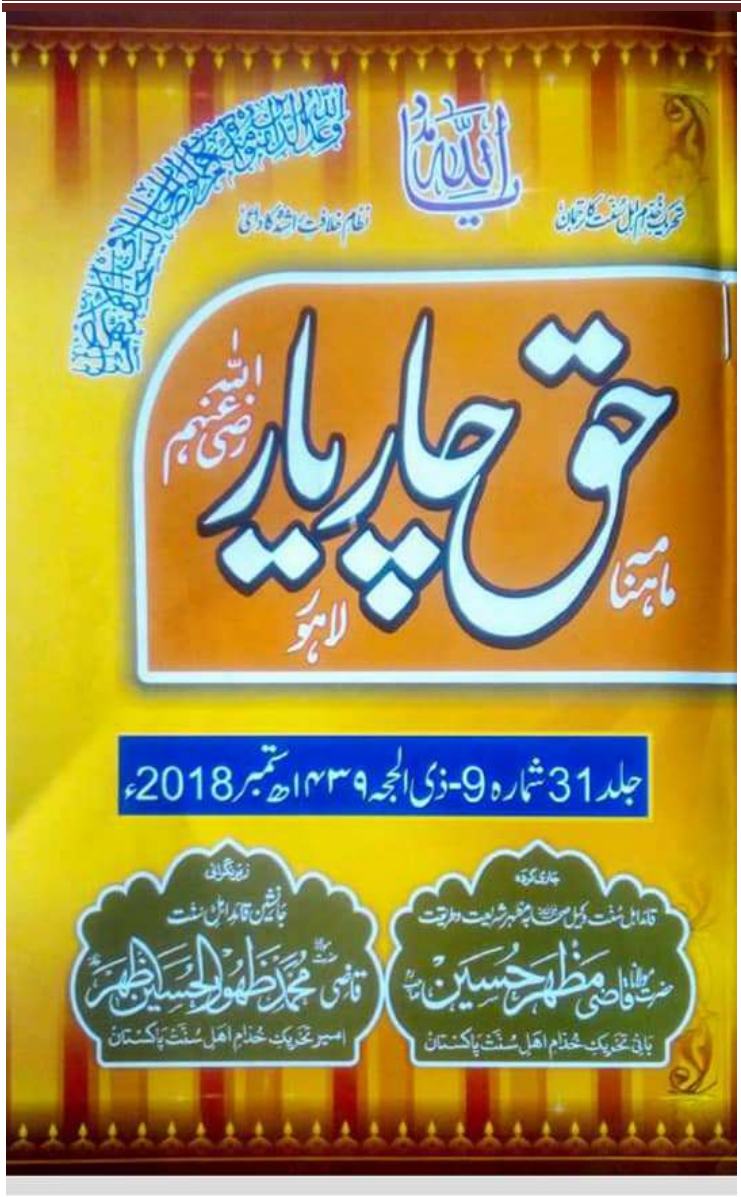

تبصرہ کتب

کتاب کا نام ..... حضرت امیر معاویہؓ اور عبارات اکابر
تصنیف ..... مولانا مفتی محمد وقاص رفیع
صفحات ۶۳۲
قیمت مندرجہ ..... ۱۰۰۰ روپے
ناشر ..... ادارۃ التحقیق والادب، واہ کینٹ 0300-5808678

علامہ عبدالعزیز پرھاروی نے محمد بن محمود آملیؒ کی کتاب ''نفائس الفنون'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا حضرت علیؓ؟ تو انہوں نے جواب دیا ''خطوط من علی خیر من آلِ ابی سفیان'' علیؓ کے نقش پا بھی ابوسفیانؓ کی آل سے بہتر ہیں۔ (الناصبہ عن طعن المعاویہؓ ص ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان ''رحماء بینھم'' میں کسی کو شک کی مجال نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے صحابہ کرامؓ کی معصومیت کا اصول نہیں نکلتا، بعض بشری تقاضوں، مخصوصی حالات اور منافقین و یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ کے مابین جتنے نزاعات پیش آئے۔ اہل سنت سبھی سے حُسن ظن رکھتے ہوئے ان کی معقول توجیہہ کرتے ہیں تاکہ کسی کی بے ادبی لازم نہ آئے جب کہ اہل سنت کے بالمقابل روافض، خوارج، نواصب یا انہی کے بطن سے نکلنے والے اژدے، بچے سب کے سب حصہ بقدر جثہ کے تحت بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں چند سال قبل مولانا طاہر ہاشمی کی کتاب ''ناقدین امیر معاویہؓ'' شائع ہو کر آئی تھی جس کا خلاصہ اگر چند لفظوں میں لکھا جائے تو وہ یہ ہوگا بہ قول مصنف کہ پوری کی پوری امت مسلمہ نے کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا اور زعماء امت نے ان پر ناقدانہ نظر ہی رکھی ہے۔ تب حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ بہت یاد آئے، جب انہوں نے اپنی ایک کتاب کا نام ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی (غالی گروہ)'' رکھا تھا۔ اس سے بڑی کمال نادانی اور کیا ہوگی کہ روافض کے اس نظریہ کو

یہ کہہ کر تقویت دی جائے کہ اہل سنت والجماعت کے چوٹی کے اسلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرتے رہے۔ میرا خیال ہے جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاریؒ سے کر کے بھی زبردست غلطی کی ہے۔ بلکہ انہیں "ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کی ابتداء خود اصحاب رسول ﷺ سے کر لینی چاہیے تھی جو ایک بڑی تعداد میں خلیفہ موعودہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں اُن کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لے رہے تھے (اعاذنا اللہ منہ)۔ مجھے یہاں ایک تاریخی واقعہ یاد آ گیا۔ مشہور انقلابی اور احراری راہنما جانباز مرزا مرحوم نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی سوانح لکھنی تھی۔ جو مولانا ابوذر عطاء المنعم شاہ بخاریؒ کے دل کو نہ لگی تو انہوں نے زور دار الفاظ میں فرمایا یہ بھی کوئی سوانح ہے؟ اب میں خود لکھوں گا اور آغاز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کروں گا۔ مرزا صاحب کو مزاح سوجھا تو کہا، جناب حضرت آدم رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے؟ وہاں سے آغاز فرمائیے گا۔ اس لیے جناب ہاشمی صاحب بھی ناقدین کی فہرست میں اگر ہابیل کا نام بھی درج فرما دیتے کہ نہ وہ پیدا ہوتے، نہ ان کی نسل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نام کی شخصیت دنیا میں آتی، نہ مشاجرات کے قضیے پیش آتے اور نہ تنقید کے دروازے کھلتے، سو

گُل کو باغ میں نہ جانے دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

اہل بیت رسول ﷺ کو روافض اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موجودہ دور کے یہ "نادان حامی" ایسے وکیل نصیب ہوئے کہ جو بجائے دفاع کرنے کے اُلٹا خود ہی توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس وقت تفصیل میں جانا باعث طوالت ہوگا، فی الحال ہم ہاشمی صاحب کی کتاب "ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کے جواب میں حال ہی میں منظر عام پر آنے والی زیر تبصرہ کتاب پر اپنی چند گزارشات پیش قارئین کریں گے۔ یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں انہوں نے بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ نازک گراؤنڈ عبور کرنے کی ہمت کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی شخصیت کسی بھی متحارب گروہ سے متعلق ہوتی ہے تو اس سے وابستہ جذبات میں مدوجزر کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا دو ٹوک نظریہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی

رسول ﷺ کاتب وحی اور اپنے دیگر کمالات کی بنا، پر جنتی ہیں اور ان کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ایمان ہے۔ تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطاء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے، جس میں مجتہد نیکی سے محروم نہیں ہوتا اور اس کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ زمانہ حال کے جذباتی، اشتعالی اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض خوانخواہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص سمجھ بیٹھے اور یوں انہیں اپنے سوا پوری کائنات کے مسلمان "ناقدین" دکھنے لگے۔

اس کتاب کے بعض ابواب کے مباحث یقیناً کمزور پہلو بھی لیے ہوئے ہیں۔ اور کمزور پہلوؤں سے کسی مصنف کی تصنیف خالی نہیں ہوتی۔ تاہم اُن چند کمزوریوں کے باوصف مجموعی اعتبار سے یہ کتاب سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین، لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین کاوش ہے۔ کتاب ہذا ۶۳۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حوالہ جاتی کتب پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کتاب ہذا نے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ بایں معنی کیا ہے کہ اصل مصادر اور علمی منابع پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ استدلال اور نتیجہ فکر کے طور پر انہوں نے جو سطور لکھی ہیں، ان میں بھی کافی حد تک اعتدال چھلکتا ہے۔ اگر کوئی محقق عالم اس کتاب پر تنقیدی تبصرہ کر ڈالے تو مصنف کو دل برداشتہ نہیں ہونا ہوگا۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہیے کہ ان کی نگارشات کو اہل علم کے ہاں پذیرائی مل رہی ہے جب کہ یزیدی ٹولے کی جاہلانہ، غیر عالمانہ اور سوشل میڈیا پر پھیلائی جانے والی بعض حیثانہ حرکتوں کو ہنس کر نظر انداز کر دینا چاہیے کہ ان ہوائی گولوں کی نہ پہلے کبھی وقعت رہی ہے، نہ اب ہوگی اور نہ کبھی ہو سکے گی۔ دور حاضر میں ایک بار پھر جب کہ غلط فہمیوں کے جال بُنے جا رہے ہیں۔ مصنف کتاب ہذا جیسے حساس مزاج فاضل کا میدانِ علم میں اترنا باعث مسرت ہے۔ مبصر کی خواہش ہے کہ مولانا محمد اسماعیل ریحان، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا طلحہ السیف اور اس سے اگلی صف کے لوگوں میں سے بالخصوص حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن اس محاذ پر توجہ دیں اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم، خلافت راشدہ موعودہ، نیز داخلی فتنوں کے متعلق جمہور اہل سنت والجماعت کے بے غبار نظریہ کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے آشکار کریں۔ ایسے ہی بریلوی اور اہل حدیث مکتب فکر میں بھی چند اہل قلم اس مخصوص اور حساس فکر کے موجود ہیں، جو دیگر تعبیری اختلافات کو چھوڑ کر اگر اس اجماعی اور اجتماعی کاز پر اپنی

دماغی پنہائیاں نچھاور کردیں تو ان کا بڑا احسان ہوگا۔ اہل علم زیر تبصرہ کتاب دیئے گئے فون نمبر سے رابطہ کر کے حاصل کریں۔ اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں اور اس علمی تحفہ کی قدر کر کے اپنے خزانہ معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مصنف کی بھی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں۔ کتاب کی جلد مضبوط، کاغذ مناسب، سرورق جاذب نظر، کمپوزنگ قابل برداشت اور قیمت "ناقابل برداشت" ہے۔ اللہ کریم مصنف کی اس محنت کو قبولِ عام کا شرف بخشیں اور اپنی بارگاہ میں اسے مقبول فرما کر مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

موعودہ خلفاء راشدینؓ خلافت کی مرکزی پالیسی میں اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ تھے

مقامِ حدیبیہ میں ۱۴ یا ۱۵ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو نبی کریم ﷺ کی بیعت کا خصوصی شرف حاصل ہوا ہے "لقد رضی الله عن المؤمنين اذيبا يعونك تحت الشجرة" الآية ۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مؤمنین سے اس وقت راضی ہوگیا جو اس درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔" اس آیت کی بناء پر اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اصحاب بیعت رضوان (جن میں خلفائے اربعہ حسب ترتیب خلافت سب سے افضل ہیں) سے اس کے بعد ایسا کوئی کام نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق نے ان کو اپنی رضا پر قائم رکھا ہے۔ البتہ ان سے اجتہادی خطاء سرزد ہوسکتی ہے اور بعض سے اس کا وقوع بھی ہوا لیکن اجتہادی خطاء رضائے خداوندی کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ان کو اس خطا پر بھی حسب حدیث بخاری ایک ثواب ملتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ چاروں خلفائے راشدین اجتہادی خطاء سے محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ ان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنایا ہے اس لیے خلافت کی مرکزی اہم پالیسی میں وہ خطائے اجتہادی سے بھی محفوظ ہیں تاکہ قیامت تک ایک معیاری خلافت کا نمونہ باقی رہے۔ (کشف خارجیت، قائد اہل سنت ص ۴۷۲)

"حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ۔ ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل"

حافظ عبیداللہ

8 September 2018

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (قسط: 1)

(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

ہم نے "مفتی محمد وقاص رفیع" کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تقریباً 220 صفحات پر مشتمل قسط وار تبصرہ کیا تھا، اس کتاب میں مفتی موصوف نے کاتب وحی، صحابی رسول سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے خلاف "وکیل جرح" اور ان جلیل القدر صحابی پر تنقید کرنے والے غیر صحابہ اکابرین کے حق میں "وکیل دفاع" کا کردار ادا کیا تھا.

ہمارا یہ تبصرہ بعنوان "اکابر کے ناداں وکیل" پی ڈی ایف فائل کی صورت میں نیچے دیے گئے لنک سے حاصل کیا جاسکتا ہے، جن حضرات نے اس کا مطالعہ نہیں کیا وہ ضرور پہلے اسے پڑھیں.

+http://www.mediafire.com/.../%D8%A7%DA%A9%D8%A7%D8%A8%D8%B1%...

جیسا کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس کا موضوع "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع" ہرگز نہیں، بلکہ غیر صحابہ اکابر کی ان عبارات کا دفاع اور ان کی تاویل کرنا مقصد ہے جن عبارات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید اور آپ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور اگر مزید غور کیا جائے تو یہ کتاب لکھ کر اور ان عبارات کی تاویلات اور مطالب بیان کرکے (واضح رہے کہ مفتی وقاص کی ان باطل تاویلات پر ہم اپنے تبصرے میں بات کر چکے ہیں) خود مفتی وقاص رفیع نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ان عبارات کی اگر کوئی مناسب تاویل نہ کی جائے تو ان میں واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور آپ پر تنقید موجود ہے، ورنہ مفتی وقاص رفیع کو ان عبارات کی چونکہ چنانچہ اور آئیں بائیں شائیں کے ساتھ دور از کار تاویلات نہ کرنا پڑتیں، دوسرے لفظوں میں ان عبارات کی تاویل کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر تاویل نہ کی جائے اور ان عبارات کا ظاہری معنی لیا جائے تو واقعی ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے.

دو دن پہلے ایک دوست نے لاہور سے نکلنے والے "ماہنامہ حق چار یار" کے ستمبر 2018 کے شمارے کی طرف توجہ

دلائی کہ اس میں مفتی وقاص رفیع کی اسی کتاب پر "تبصرہ" شائع ہوا ہے، میرا اشتیاق بڑھا کہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ کیا تبصرہ کیا گیا ہے، چنانچہ اسی دوست سے عرض کیا کہ میرے پاس تو یہ ماہنامہ نہیں آتا، اگر ان صفحات کا فوٹو بھیج دیں جن پر یہ تبصرہ موجود ہے تو نوازش ہوگی، چنانچہ انہوں نے مہربانی فرمائی اور مذکورہ شمارہ کے صفحات 46 تا 49 بھیج دیے، چونکہ ان صفحات پر مجھے "تبصرہ نگار" کا نام نہیں نظر آیا، اور رسالے کے شروع کے صفحات میرے سامنے نہیں کہ وہاں "تبصرہ کتب" کے آگے کس کا نام لکھا ہے اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ تبصرہ کس کے قلم سے نکلا ہے، لیکن یہ صفحات بھیجنے والے دوست نے اطلاع دی کہ تبصرہ نگار کا نام "حافظ عبدالجبار سلفی" ہے، اور وہ ایک صاحب علم اور وسیع مطالعہ رکھنے والی شخصیت ہیں، چونکہ میرا موصوف سے کوئی ذاتی تعارف نہیں ہے، البتہ چند کتب اور تحریرات میں آپ کا نام کئی بار نظر سے گزرا ہے جس سے مجھے یہ اندازہ ہے کہ سلفی صاحب کا پسندیدہ موضوع "مشاجرات صحابہ کی بحثیں" ہے اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، اور آج کل اتفاق سے انہی کی مرتب کردہ کتاب "تذکرہ مولانا محمد نافع" میرے مطالعہ کے میز پر سامنے پڑی بھی ہے (جس کتاب سے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کے بیٹوں نے اظہار براءت کا اعلان بھی کیا تھا، اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ "رحماء بینھم ٹرسٹ" کی طرف سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر شائع کی گئی کتاب "حیات نافع" بھی سامنے ہی پڑی ہے) اس لیے مجھے اشتیاق ہوا کہ اگر واقعی یہ تبصرہ سلفی صاحب مذکور نے لکھا ہے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر ان کا تبصرہ ضرور پڑھنا چاہیے۔

(میں یہ فرض کرلیتا ہوں کہ یہ تبصرہ حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کے قلم سے ہی نکلا ہے)

چنانچہ تبصرہ پڑھنا شروع کیا تو سب سے پہلے اس کتاب کا نام لکھا تھا جس پر تبصرہ کیا جارہا ہے اور وہ کتاب ہے "حضرت امیر معاویہ اور عبارات اکابر"، مصنف کا نام لکھا ہے "مولانا مفتی محمد وقاص رفیع"، لیکن حیرت کی بات ہے کہ تقریباً ساڑھے تین صفحات پر مشتمل اس تبصرے کے پہلے تقریباً اڑھائی صفحات میں اس "زیر تبصرہ" کتاب کے بارے میں کچھ بھی نہیں، بلکہ ایک دوسری کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" پر تبصرہ کیا گیا ہے (جس پر یہی سلفی صاحب پہلے ہی بہت کچھ لکھ چکے ہیں)، اور حسب عادت تبصرہ نگار نے (بقول مفتی وقاص رفیع) اپنے "شعلہ بار قلم" کی شعلہ باری کا نمونہ دکھایا ہے، لیکن مجھے شدید حیرت اس پر ہوئی جب میں نے پروفیسر قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" کے بارے میں تبصرہ نگار کے یہ "طنزیہ" الفاظ پڑھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ (رح) اور ملا علی قاری (رح) سے کرکے بھی

زبردست غلطی کی ہے بلکہ انھیں ناقدینِ امیر معاویہ (رض) کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لینی چاہیے تھی جو ایک بڑی تعداد میں خلیفہ موعود سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان کے خلاف لڑائیوں میں حصہ رے رہے تھے" (ص 47).

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تو ناقدین حضرت معاویہ (رض) میں ذکر ہی سرے سے نہیں، اور ملا علی قاری (رح) کی تنقیدی عبارات کا ذکر بھی "نویں نمبر" پر ہے، یوں قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں "ناقدین" کی ابتداء ہر گز حضرت امام ابو حنیفہ یا ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے نہیں کی، جن کے پاس یہ کتاب موجود ہے وہ خود دیکھ سکتے ہیں.

واضح رہے کہ میری ان معروضات کا مقصد مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے مندرجات پر تبصرہ کرنا نہیں کہ وہ میں پہلے کافی حد تک کر چکا ہوں، ورنہ میں تبصرہ نگار کی اس طنز پر بھی کچھ عرض کرتا، یہاں میرا مقصد ماہنامہ حق چار میں کیے گئے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے پر تبصرہ کرنا ہے، اب ایک تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تبصرہ نگار نے تبصرہ کرنا تھا مفتی وقاص کی کتاب پر، لیکن وہ لے بیٹھے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کو، پھر وہ کتاب بھی انہوں نے خود نہیں پڑھی، کیونکہ اگر پڑھی ہوتی تو انہیں ضرور علم ہوتا کہ اس کتاب میں مذکور ناقدین کی فہرست میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام ہے بھی یا نہیں؟ اور کیا اس فہرست کی ابتداء صاحب کتاب نے حضرت امام ابو حنیفہ (رح) یا ملا علی قاری (رح) سے کی ہے یا نہیں؟، تو کیا انہوں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پڑھی ہو گی؟، میرے خیال میں تبصرہ نگار نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی بناء پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب بھی بالاستیعاب نہیں پڑھی.

بہر حال اب ہم ترتیب وار اس تبصرے کا جائزہ لیتے ہیں

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

9 September

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (قسط 2)

(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ حق چار یار، (بابت ماہ ستمبر 2018) کے تبصرہ نگار، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے مشاجرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"بعض بشری تقاضوں، مخصوص حالات اور منافقین و یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان نفوس قدسیہ کے مابین جتنے تنازعات پیش آئے، اہل سنت سبھی سے حسن ظن رکھتے ہیں، ان کی معقول توجیہ کرتے ہیں تاکہ کسی کی بے ادبی لازم نہ آئے، جب کہ اہل سنت کے بالمقابل روافض وخوارج، نواصب یا انہی کے بطن سے نکلنے والے انڈے، بچے سب کے سب حصہ بقدر جثہ کے تحت بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں" (صفحہ 46)

قارئین محترم! تبصرہ نگار کی اس بات سے ہم سو فیصد متفق ہیں کہ زمانہ فتنہ (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد) صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے یہ تنازعات منافقین اور یہود کی سازشوں کی وجہ سے ہی پیش آئے، اور اہل سنت کا مسلک سبھی صحابہ سے حسن ظن رکھنا ہی ہے، وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے کسی بھی صحابی کی بے ادبی اور تنقیص نکلتی ہو.... بالفاظ دیگر، اگر کوئی اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہے اور پھر صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ان تنازعات پر اپنی عدالت قائم کرکے ایسے فیصلے صادر کرے جس سے صحابہ کے کسی بھی فریق کی تنقیص یا بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو تو ہم ایسے آدمی کو اہل سنت نہیں سمجھیں گے.

پھر تبصرہ نگار نے اہل سنت کے مقابلے میں "روافض" "خوارج" اور "انہی کے بطن سے نکلنے والے انڈوں اور بچوں" کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سب کے سب حصہ بقدر جثہ صحابہ کرام کی بے ادبی اور بے توقیری کے مرتکب ہوتے ہیں... ہم تبصرہ نگار کی اس بات سے بھی متفق ہیں کہ صحابہ کرام کے مابین وقوع پذیر ہونے والے ان تنازعات و مشاجرات کو بیان کرتے ہوئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے صحابہ کرام کے کسی بھی فریق کی بے ادبی اور

بے توقیری ہوتی ہو یہ روافض، خوارج، نواصب اور ان کے انڈوں اور بچوں کا ہی وطیرہ ہے، ہاں ہم اس میں ایک اور نام "سبائی گروہ" کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ تبصرہ نگار نے شروع میں جس "منافقین و یہودی کی سازش" کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی "سبائی گروہ" ہے۔

اب قابل وضاحت یہ بات رہ گئی کہ تبصرہ نگار کے نزدیک کسی صحابی کی "بے ادبی، بے توقیری اور تنقیص" سے مراد کیا ہے؟ ہمارے نزدیک تو کسی بھی صحابی کے بارے میں ہر وہ بات اس کی بے ادبی ہی ہے جو بالفرض اگر وہ صحابی ہمارے سامنے ہوں تو ہم ان کے سامنے کہنا پسند نہ کریں، اور اسے اس صحابی کی بے ادبی خیال کریں، یا چلیں پیمانہ آج کے زمانے کے حساب سے ہی بنالیں کہ ہمارے کوئی بزرگ، استاد، شیخ یا پیر ہوں، تو ہر وہ بات جو ہم ان کی ذات کے بارے میں ان کے سامنے کہنا ان کی بے ادبی سمجھیں وہ بات ان کی بے ادبی اور بے توقیری ہی سمجھی جائے گی، رہے صحابہ کرام تو ان کے بارے میں تو اللہ تعالی نے "وکلا وعد اللہ الحسنی" اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" فرما کر بتا دیا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ فرمانا ہے، جبکہ غیر صحابی کسی بڑے سے بڑے امام، شیخ، مفسر، محدث یا فقیہ کے بارے میں اللہ نے ایسا اعلان نہیں فرمایا، تو جو بات ہم آج کے اپنے کسی بزرگ کے منہ پر کہنا بے ادبی سمجھیں، ویسی ہی بات صحابہ کرام کے بارے میں اگر کہی جائے تو وہ بطریق اولی ان کی بے ادبی اور بے توقیری ہی شمار ہوگی...

یہ تو تھی ہمارے نزدیک بے ادبی اور بے توقیری کی وضاحت، لیکن تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"حضرت معاویہ رضی للہ عنہ کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ہے تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے، اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے مگر وہ خطائے اجتہادی ہے جس میں مجتہد نیکی سے محروم نہیں ہوتا اور اس کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا، زمانہ حال کے جذباتی، اشتعالی اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض خوامخواہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص سمجھ بیٹھے ہیں"

(ماہنامہ حق چار یار، صفحہ 48)

ان الفاظ میں تبصرہ نگار نے بتایا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہونے والی جنگوں میں "حق" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور "نکتہ خطا" پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کی یہ خطا بھی (جان بوجھ کر نہیں) بلکہ اجتہادی غلطی ہے اور اس پر انہیں اجر بھی ملے گا، نیز تبصرہ نگار کے مطابق کسی کو "متجہد مخطی" کہنے سے اس کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

میں عرض کروں گا کہ اول تو "حق" کا مقابل "خطا" نہیں بلکہ "باطل" ہوتا ہے، اگر تبصرہ نگار نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ "ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے" تو اس کا مقابل یہ بنتا ہے کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی طور پر باطل پر تھے"، لیکن تبصرہ نگار نے "حق" کا مقابل یہاں "ایسی خطائے اجتہادی کو بنایا ہے جس پر اجر بھی ملے گا"، یوں تبصرہ نگار کی اس بات میں تضاد ہے، وہ یوں کہ اگر ان مشاجرات کے بارے میں وہ یہ قطعی فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں کہ فلاں فریق "حق" پر تھا اور فلاں "باطل" پر، تو یہ اجتہادی اختلاف نہ ہوا، لہٰذا پھر یہاں "خطائے اجتہادی" کی کوئی تُک نہیں بنتی، اور اگر وہ ان مشاجرات کو واقعی "اجتہادی اختلاف" سمجھتے ہیں تو پھر کسی ایک فریق کو قطعیت کے ساتھ "حق" پر وہ نہیں کہہ سکتے، کہ مجتہد کے قطعی صواب یا خطا کا قطعی فیصلہ یہاں دنیا میں نہیں ہو سکتا... اس نکتے پر میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر اپنے مفصل تبصرے میں لکھ چکا ہوں... لیکن یہاں میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ "کسی صحابی کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے اجتہادی غلطی ہو گئی، اس سے اس صحابی کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا"، میرا سوال ہے کہ تبصرہ نگار کا یہ فیصلہ صرف حضرت معاویہ، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عمرو بن العاص اور ان تمام صحابہ کرام جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی یا ان سے جنگ کی (رضی اللہ عنہم) کے لئے ہی ہے یا حضرت علی، حضرت حسن و حضرت حسین اور ان تمام صحابہ کرام جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے (رضی اللہ عنہم) وغیرہم کے لئے بھی ہے؟ یعنی مثلاً اگر کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ "فلاں مسئلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی" یا "حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فلاں موقع پر اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا" تو یہ بات ان حضرات کے بارے میں "بے ادبی" تو نہیں سمجھی جائے گی؟ اور ایسا کہنے والے پر "ناصبی" و "یزیدی" کے فتوے تو نہیں لگائے جائیں گے؟؟ اور اگر تبصرہ نگار کے نزدیک ان حضرات کے بارے میں یہ بات کہنا بے ادبی سمجھا جائے گا تو پھر کسی اور صحابی کے بارے میں بھی ایسی بات کہنا کیوں بے ادبی نہیں ہوگا؟؟.

یا تھوڑا نیچے آتا ہوں، اگر میں کہوں کہ وہ تمام غیر صحابہ اکابرین جن کی عبارات کا دفاع کرنے کے لیے مفتی وقاص رفیع نے 632 صفحات کی کتاب لکھی ہے، ان سب اکابر سے "اجتہادی غلطی" ہوئی ہے، تو کیا یہ ان اکابر کی بے ادبی و بے توقیری سمجھی جائے گی یا نہیں؟؟، اگر نہیں تو پھر مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں مضحکہ خیز تاویلات کے ذریعے ایسی ایسی باتوں کو درست ثابت کرنے کی سعی نامشکور کیوں کی جن کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے؟ مثال کے طور پر حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے خارجی فتنہ (طبع اول) میں ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے

میں لکھا تھا کہ "آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم و رضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ"....اس عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے "منصب نبوت پر فائز" ہونے کے لفظ ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں.. لیکن اس کا جواب دیتے ہوئے بھی مفتی وقاص رفیع یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہ طباعت کی غلطی ہے یا اجتہادی غلطی ہے، بلکہ انہوں نے اس کی تاویلات شروع کردیں کہ قاضی صاحب کی اس سے مراد یہ ہے وہ ہے... لیکن جب خود بھی دل مطمئن نہ ہوا تو آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ "ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی جگہ کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا" (مفتی وقاص کی کتاب: صفحہ 630)... یہاں مفتی وقاص رفیع، قاضی صاحب کی اس بات کو اجتہادی غلطی تو دور کی بات "طباعت کی غلطی" بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یوں قاضی صاحب کی بے ادبی ہوتی تھی.

بہر حال! اس سوال کا جواب تو تبصرہ نگار کے بڑے بھی نہ دے سکے، یہ کیا دیں گے... میں آگے چلتا ہوں، تبصرہ نگار کی بات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے درمیان سبائی سازشیوں کی طرف سے لگائی گئی آگ کی وجہ سے جو کچھ ہوا، اس پر بات کرتے ہوئی ہمارے لیے آخری حد یہ ہے کہ ہم "خطائے اجتہادی" سے آگے کچھ نہ کہیں، کیونکہ اگر ہم اس سے آگے بڑھیں گے تو یا رافضیت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے یا ناصبیت و خارجیت کی زمین میں قدم رکھ دیں گے... اور جیسا کہ بیان ہوا تبصرہ نگار کے خیال میں کسی صحابی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ اس سے اجتہادی غلطی ہو گئی یہ اس صحابی کی بے ادبی ہر گز نہیں.

اب اگر آج کا کوئی محقق مشاجرات صحابہ پر کتابیں لکھے اور اس حد سے تجاوز کرے، تو تبصرہ نگار بھی مانتے ہیں کہ یہ اہل سنت کا مسلک نہیں، یوں اگر ہم یہ ثابت کردیں کہ مفتی محمد وقاص رفیع نے اس حد سے خطرناک حد تک تجاوز کیا ہے تو تبصرہ نگار کی ایمانداری کا تقاضہ ہے کہ وہ تسلیم کریں کہ مفتی وقاص رفیع نے رافضیت و سبائیت کی خدمت کی ہے (ان شاء اللہ ہم آگے یہ ثابت کریں گے).

یہاں ہم وضاحت کردیں کہ ہمارے نزدیک اہل سنت کا سب سے قوی، محتاط اور عمدہ مسلک یہی ہے کہ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے مشاجرت پر توقف و سکوت اختیار کیا جائے اور اس پر عدالتیں لگا کر فیصلے نہ کیے جائیں کہ ان تمام نفوس قدسیہ کے لیے اچھائی کا وعدہ اللہ کے قرآن میں موجود ہے، اور نہ ہی ہم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا، ہمارے لئے ان سب کا ادب و احترام ضروری ہے... اور ہم ان مشاجرات کو حقیقت میں اجتہادی ہی سمجھتے

ہیں، اور اجتہادی اختلافات میں "حق" و "باطل" کے فیصلے نہیں کے جا سکتے... ہم کسی کو بھی مخطی نہیں کہتے، ہم صحابہ کرام کی اس اکثریتی جماعت کے موقف کو ہی محتاط سمجھتے ہیں جو ان جنگوں کے دوران غیر جانبدار رہے... اگر یہ "خارجیت" اور "رافضیت" ہے تو پھر شوق سے ہمیں خارجی و رافضی کہیں... لیکن اگر یہ موقف صحابہ کرام کے ادب واحترام کے عین مطابق ہے تو پھر "خارجی" اور "یزیدی" کی گردانیں پڑھنے والے اصول کے ساتھ بات کریں اور ہمیں سمجھائیں کہ اجتہادی اختلافات کے اصول و قواعد کیا ہوتے ہیں...

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

10 September

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (قسط 3)

(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ حق چار یار لاہور کے تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

"چند سال قبل مولانا طاہر ہاشمی کی کتاب "ناقدین امیر معاویہ" شائع ہو کر آئی تھی، جس کا خلاصہ اگر چند لفظوں میں لکھا جائے تو وہ یہ ہوگا بہ قول مصنف کہ پوری امت مسلمہ نے کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا اور زعماء امت نے ان پر ناقدانہ نظر ہی رکھی ہے" (صفحہ 46)

تبصرہ نگار نے مولانا طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کا جو "خلاصہ" نکالا ہے یہ بھی ان کے اندر کا غبار ہے جو وہ نکال رہے ہیں، ورنہ ہاشمی صاحب نے نہ تو "پوری امت اسلامیہ" کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد بتایا ہے اور نہ ان کی کتاب کا یہ خلاصہ ہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ کتاب مذکور کے دوسرے ایڈیشن میں کل 44 حضرات کی عبارات پر بات کی گئی ہے، کیا حق چار یار کے تبصرہ نگار کے نزدیک چودہ صدیوں میں پوری امت مسلمہ کے زعماء کی تعداد صرف 44 ہے؟؟ اور جب مفتی وقاص رفیع نے بزعم خود ہاشمی صاحب کی اس کتاب کا جواب لکھا تو ان 44 میں سے صرف 21 حضرات کی عبارات کا ہی دفاع کرنے کی کوشش کی... پھر طاہر ہاشمی صاحب نے بھی صرف ان حضرات کی چند عبارات پیش کرکے ان کے بارے میں کہا ہے کہ عبارات کی حد تک یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید دکھتی ہے، یہ ہرگز نہیں لکھا کہ "ان میں سے کسی نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بطور صحابی یا بطور خلیفہ قبول نہیں کیا، یوں میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تبصرہ نگار نے یہ بات بھی خلاف حقیقت لکھی ہے.

اس کے بعد تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

"اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روافض اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موجودہ دور کے یہ نادان حامی ایسے وکیل نصیب ہوئے ہیں جو بجائے دفاع کرنے کے الٹا خود ہی توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں" (صفحہ 74) .

یہاں بہتر تھا کہ تبصرہ نگار دو تین نام ذکر کر دیتے جنہیں وہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نادان حامی" فرمارہے ہیں تاکہ ہم ان حضرات کی تحریرات دیکھ کر اس بات کا فیصلہ کر سکتے کہ آیا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے ان کی توہین کی ہے یا نہیں، یا کسی بھی صحابی کا دفاع کرتے ہوئے، کسی دوسرے صحابی کی تنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں یا نہیں، لیکن تبصرہ نگار نے نام کسی کا نہیں لکھا.. البتہ ان کی تحریر کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی طرف ہی ہوگا... تو حقیقت یہ ہے کہ طاہر ہاشمی صاحب نے بھی اپنی مذکورہ کتاب میں ہر گز کسی بھی صحابی کی اشارتاً بھی توہین و تنقیص نہیں کی، بلکہ انہوں نے اپنا موقف یہ ہی لکھا ہے کہ مشاجرات صحابہ میں بہتر یہی ہے کہ توقف و امساک اور کف لسان کیا جائے... ہاں البتہ تبصرہ نگار جس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لٹریچر میں ہمیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے نام پر ایسی تحریرات جا بجا ملتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضائے الٰہی مشروط تھی سابقین اولین کی اتباع کے ساتھ جو کہ انہوں نے نہیں کی تھی، حضرات حکمین (حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما) خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا... وغیرہ وغیرہ... اور پھر آخر میں یہ لکھ دیا کہ "ہماری مراد اس سب سے خطائے اجتہادی ہے"... نیز لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کی جس کے خلاف حضرت علی رضی اللہ علیہ عنہ نے بحکم قرآن قتال کیا..... اور پھر لکھ دیا کہ "اس بغاوت سے مراد حقیقی بغاوت نہیں بلکہ صورتاً بغاوت ہے"..... (قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "خارجی فتنہ حصہ اول" میں آپ کو یہ سب باتیں ملیں گی)..

ہاں اگر تبصرہ نگار کے نزدیک یہ موقف رکھنا کہ:

"مشاجرات صحابہ میں توقف و امساک اور کف لسان کرنا چاہیے اور تمام صحابہ کرام کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرنا چاہیے (جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے) اور غیر صحابہ کو اپنی اپنی عدالت نہیں لگانی چاہیے".

یہ اگر کسی صحابی کی توہین و تنقیص ہے تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے.

تبصرہ نگار کے گروہ کے پیر و مرشد جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی اصولی طور پر اس بات سے اتفاق کیا تھا، لکھتے ہیں:

" احتیاط اسی میں ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرزِ بیان

ایسا ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص و توہین لازم نہ آئے"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص304،303/ج1)

ایک اور جگہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رح) کے حوالہ سے امام قرطبیؒ (رح) کی عبارت پر تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضرت مفتی صاحب (رح) کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے...الخ"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص315/ج1)

الغرض! یوں تبصرہ نگار نے پہلے اپنے شعلہ بار قلم سے شعلے برسائے، اپنا سینہ ٹھنڈا کیا اور اس کے بعد کہیں جا کر اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہیں جس پر تبصرہ کرنا مقصد ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے" (صفحہ 47).

قارئین محترم! "گوہر" کہا جاتا ہے قیمتی پتھر یا موتی وغیرہ کو، یوں "گوہر ریز قلم" کا مطلب ہوا وہ قلم جس سے موتی یا قیمتی پتھر جھڑیں.. ہم نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر اپنے دو سو صفحے سے زیادہ پر مشتمل تبصرے میں وہ تمام "گوہر" جمع کیے ہیں جو مفتی موصوف کے قلم سے جھڑے ہیں اور بہت جلد یہی "گوہر" اکٹھے کر کے ایک استفتاء کی صورت میں ملک کے بڑے بڑے دار الافتاؤں کو بھی ارسال کرنے کا ارادہ ہے... بطور نمونہ چند گوہر ملاحظہ فرمائیں: (مفتی وقاص لکھتے ہیں).

"امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو بھی برحق مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو بھی برحق کہا جائے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 243)

"اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اسی سال یعنی 43 ہجری میں امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور اسلام میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی (تبدیلی) کی گئی تو وہ اپنی جگہ صحیح اور سچ ہے اور کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کی جا سکتی" (صفحہ 455)

"اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص (رض) نے حضرت علی (رض) کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی" (صفحہ 456)

"جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے (یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ_ ناقل) ان کی نیتیوں میں خلوص نہ تھا" (صفحہ 457)

"خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عمرو بن العاص (رض) کی تدبیر (تحکیم) کے نتیجہ میں امت چند در چند فتنوں اور رخنوں کے جنم لینے کا سبب بنی" (صفحہ 459).

"اگر یہی خطأ کسی عام شخص سے صادر ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہ (رض) کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق و معصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس خطأ کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے.." (صفحہ 613).

قارئین محترم! سبِّ صحابہؓ اہل سنت کے نزدیک بھی حرام اور اس کا مرتکب اہل السنۃ سے خارج ہی ہوگا (خیر الفتاویٰ، ج1 ص374) اور سبّ، (ماہنامہ حق چار یار لاہور کے تبصرہ نگار کے پیر و مرشد) قاضی مظہر حسین صاحب (رح) صاحب کے نزدیک ہی "ہر اس بات کو کہتے ہیں جس سے مخالف برافروختہ ہو اس میں وہ اپنی توہین سمجھے" (حق چار یار، ص6 بابت ماہ محرم سنہ 1413ھ/جولائی 1992ء)، تو آپ ہی فرمائیے کہ اگر حضرت معاویہ (رض) اور وہ تمام صحابہ کرام (رض) جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی آج زندہ ہوتے اور ان کو یہ کہا جاتا کہ آپ مشاجراتی اختلاف میں بطورِ اصل حکم تو گناہ، فسق، شرعی و فقہی بغاوت، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت، اور نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی کرنے کے ہی مرتکب ہوئے ہیں، کہا تو آپ کو باغی، خاطی، جائر اور آپ کے موقف کو از روئے نصِ قرآنی در حقیقت بالکل ناجائز ہی جائے گا، ہاں چونکہ آپ صحابہؓ ہیں اس لئے اس کی اس شرعی و فقہی بغاوت اور گناہ کو ہم "اجتہادی خطأ" کہیں گے، تو کیا اس سے ان کو انقباض نہ ہوتا؟ اگر ہوتا تو کیا مفتی وقاص رفیع کی یہ ساری باتیں سبِّ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتیں؟.

اس کے بعد تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"اہل سنت والجماعت کا دوٹوک نظریہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں"

(صفحہ 47)

یقیناً تبصرہ نگار کی "موعودہ" سے مراد وہ خلافت ہے جس کا قرآن کریم کی آیت "استخلاف" میں وعدہ کیا گیا ہے، تو میں اس پر صرف ایک سوال کروں گا کہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ علیہ، جن کے بارے میں خود مفتی

وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ : "آپ بیک وقت بہترین مفسر، نامور محدث اور بے بدل مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے" (صفحہ 588)، وہ آیت استخلاف سے صرف پہلے تین خلفاء کی خلافت ہی ثابت فرماتے تھے اور ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آیت مذکورہ کی تمام شرائط کا مجموعہ نہیں پایا گیا... مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے لکھا ہے کہ :

"(آیت استخلاف میں مذکور) تینوں نعمتوں کا مجموعہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں نہیں پایا گیا، سنی شیعہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے" (تحفہ خلافت، مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، صفحہ 120، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت، جہلم).

نیز لکھا :

"یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علی (رض) کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا، لہٰذا ان کی خلافت اس آیت (یعنی آیت استخلاف_ناقل) کی موعودہ خلافت ہر گز نہیں ہو سکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جا سکتے ہیں، پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے"

(تحفہ خلافت، صفحہ 124، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

آپ نے ایک مناظرے کے دوران یہ فرمایا کہ :

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سنی شیعہ دونوں کا اتفاق ہے کہ ان کو یہ تینوں نعمتیں (جن کا ذکر آیت استخلاف میں ہے_نقل) نہیں ملیں"..... لہٰذا حضرت علی (رض) کسی طرح اس آیت کے موعود لہ نہیں ہو سکتے"

(دیکھیں مناظرہ منٹگمری 1930 کی روداد، شائع شدہ ماہنامہ "مناقب، بھکر" بابت ماہ دسمبر 1991، صفحہ 14، طلب کرنے پر سکین دستیاب ہے)

تو میرا سوال یہ ہے کہ تبصرہ نگار کے نزدیک مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟؟ وہ اہل سنت میں سے ہیں یا نہیں؟.

(جاری)

بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

("من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (آخری قسط"

("ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل)

مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرہ کرتے ہوئی ماہنامہ "حق چار یار" ماہ ستمبر 2018 کے تبصرہ نگار، کتاب مذکور کے بارے میں لکھتے ہیں بلکہ اعتراف کرتے ہیں کہ :

اس کتاب کے بعض ابواب کے مباحث یقیناً کمزور پہلو بھی لئے ہوئے ہیں مگر ان چند کمزوریوں کے باوصف مجموعی " اعتبار سے یہ کتاب سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین . (کاوش ہے" (ماہنامہ حق چار یار، صفحہ 48

قارئین محترم! ان تین سطروں میں تبصرہ نگار نے دبے لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب میں یقیناً ایسی باتیں موجود ہیں جو کمزور پہلو لئے ہوئے ہیں، وہ کونسی باتیں ہیں؟ اس کی کوئی مثال تبصرہ نگار پیش کر دیتے تو تبصرہ کو "غیر جانبدار" کہا جاسکتا تھا، لیکن افسوس کہ تبصرہ نگار نے یہاں تلبیس سے کام لیا ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کتاب میں "بعض" نہیں بلکہ اکثر باتیں قابل اعتراض و قابل گرفت ہیں، اسی لیے تبصرہ نگار نے مفتی وقاص رفیع کو یہ تسلی بھی دی ہے کہ :

. (اگر کوئی محقق عالم اس کتاب پر تنقیدی تبصرہ کر ڈالے تو مصنف کو دل برداشتہ نہیں ہونا ہوگا" (صفحہ 48"

اس سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ تبصرہ نگار خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کتاب میں ایسی باتیں ضرور ہیں جن پر محققین علماء کی طرف سے منفی تبصرہ آسکتا ہے، لیکن افسوس کہ وہ پھر بھی بجائے اس کتاب پر خود "تنقیدی تبصرہ" کرنے کے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو رہے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے اپنے اس مضمون کا عنوان رکھا ہے "من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (میں تجھے حاجی کہتا ہوں، تم مجھے حاجی کہو)، چونکہ مفتی وقاص رفیع اور تبصرہ نگار ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا ون پوائنٹ ایجنڈا ہے، اور وہ ہے "جو ان کے مخصوص افکار و نظریات کو نہ مانے تو اس پر ناصبی، خارجی اور یزیدی کے فتوے لگاؤ"، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو "حاجی" نہ کہیں؟، اور تبصرہ نگار کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ یہ تک نہیں جانتے کہ مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں نہیں لکھی جیسے تبصرہ نگار نے اس کتاب کو "سلسلۂ دفاع

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ، قابل قدر کاوش" لکھا ہے، بلکہ مفتی وقاص رفیع نے خود اپنی کتاب کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ :

اس لئے ہم اپنے ایسے اکابر حضرات کی عبارات کا عادلانہ ومنصفانہ دفاع کرنا انتہائی ضروری اور نہایت ہی واجب ...." سمجھتے ہیں....." (آگے لکھا).....اب ذیل میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی چاند ماری کا نشانہ بننے والے اہل "سنت والجماعت کے ایک ایک عالم کا نام لے کر سن وفات کی ترتیب کے اعتبار سے ان کا دفاع پیش کرتے ہیں .(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 149 – 150)

اب مصنف کتاب تو صاف لکھے کہ اس نے یہ کتاب اکابر کی ان عبارات کے دفاع میں لکھی ہے جن میں بقول قاضی طاہر ہاشمی صاحب، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید پائی جاتی ہے، اور حق چار یار کے تبصرہ نگار اس کتاب کو "سلسلۂ دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین کتاب" لکھ رہے ہیں، اسی بنیاد پر ہمیں یقین محکم ہے کہ تبصرہ نگار نے جیسے قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، اسی طرح تبصرہ نگار نے اس کتاب کا بھی مطالعہ نہیں کیا جس پر وہ تبصرہ لکھ رہے ہیں، کیونکہ اگر انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں علم ہوتا کہ مفتی وقاص رفیع نے ... کس کے دفاع میں یہ کتاب لکھی ہے

اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ماہنامہ حق چار یار کا یہ تبصرہ "من تراحاجی بگویم، تم مراحاجی بگو" کے سوا کچھ بھی نہیں، اور تبصرہ نگار کی معلومات کا تو کیا ہی کہنا، کبھی وہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت امام ابو حنیفہ (رح) اور ملا علی قاری (رح) سے "ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" کی ابتدا کی گئی ہے، اور کبھی وہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کو "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک بہترین کتاب" قرار دیتے ہیں، اگر کسی کا دفاع ایسے ہوتا ہے جیسے مفتی وقاص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا ہے تو پھر دنیا میں "دفاع" نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں .

آگے تبصرہ نگار کی سنیے، مفتی وقاص رفیع کو تسلی دیتے ہوئے کیا کہتے ہیں:

"یزیدی ٹولے کی جاہلانہ، غیر عالمانہ اور سوشل میڈیا پر پھیلائی جانے والی بعض خبیثانہ حرکتوں کو ہنس کر نظرانداز کر دینا چاہیے کہ ان ہوائی لوگوں کی نہ پہلے کبھی وقعت رہی ہے اور نہ کبھی ہوسکے گی" (صفحہ 48) .

قارئین محترم! جس ٹولے سے تبصرہ نگار کا تعلق ہے (یعنی جدید سبائی ٹولہ) اس ٹولے کا ٹریڈ مارک نعرہ ہے "یزیدی، خارجی، ناصبی"، یعنی جب کسی کی علمی دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جاسکے تو اس پر "یزیدی"، "خارجی" اور "ناصبی"

کے فتوے لگانا شروع کر دو، اس ٹولے کے بڑے بھی یہی کام کرتے رہے اور اب یہ بھی احسن طریقے سے ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اور کسی کے بارے میں تو میں نہیں جانتا، لیکن میں نے مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر دو سو صفحے سے زیادہ کا ایک تبصرہ قسط وار لکھا تھا جو سوشل میڈیا پر ہی نشر ہوا تھا، اور وہ "غیر عالمانہ" نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ تھا، اور میں آج تک اس انتظار میں ہوں کہ اس کا کوئی "عالمانہ" جواب دے، لیکن آج مجھے علم ہوا کہ میرے اس تبصرے کی گونج "سبائی" کیمپ میں سنائی دی ہے اور میرے اس تبصرے کو "جاہلانہ، غیر عالمانہ" اور اسے "خبیثانہ حرکت" لکھ کر اپنے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے، جبکہ دوسری طرف تبصرہ نگار نے مفتی وقاص رفیع پر اپنا یہ تبصرہ لکھ کر اپنے جاہل اور غیر عالم ہونے پر بقلم خود مہر تصدیق ثبت کر دی ہے... آپ خود سوچیں! جس تبصرہ نگار کو یہ علم ہی نہیں کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب میں "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ" کا نام ناقدین میں ہے یا نہیں، اور جو یہ بھی نہیں جانتا کہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" پر لکھی گئی ہے یا "دفاعِ عبارات غیر صحابہ اکابر" پر، اس کی جہالت میں کیا کوئی شک ہے؟ .

آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

حافظ عبیداللہ

14 September 2018

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

" من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو"

تتمہ ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل" (قسط: 2)

جیسا کہ "کتاب دوست" نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی توہین و تنقیص صحابہ کرام پر مشتمل کتاب پر ماہنامہ حق چار بابت ماہ ستمبر 2018 میں تبصرہ لکھنے والے حافظ عبدالجبار سلفی صاحب خود ہیں، اور "کتاب دوست" نے باقاعدہ سلفی صاحب کی طرف منسوب ایک نیا بیان بھی جاری کیا ہے تو اس بناء پر اب ہم صریح طور پر حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام لے کر اس نئے بیان پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں.

ان صاحب کا محبوب مشغلہ دوسروں کی پگڑیاں اچھالنا ہے، اور غلط بیانی و کذب بیانی کے عادی ہیں، اور جب کوئی ان کی غلطی پکڑتا ہے تو یہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور جو اول فول قلم پر آتا ہے بے دھڑک لکھ دیتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ "فشار خون کے دائمی مریض" کی جملہ علامات خود موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہوئے یہ دوسروں کو طعنے دیتے ہیں، ہمیشہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر "ناصبی" اور "یزیدی" کے آوازے کستے ہیں، اور کبھی یہ بھڑک مارتے ہیں کہ "ان ناصبیوں کے لیے تو ہمارے دو نفل ہی کافی ہیں" (یعنی اپنے آپ کو کوئی پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں) ... ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام صحابہ کرام کو بھی "یزیدی" لکھ دیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کی تجویز سے اتفاق کیا اور پھر بعد میں یزید کی بیعت کی، کیونکہ یہ آج چودہ سو سال بعد ہونے والے جن حضرات کو "یزیدی" لکھتے ہیں ان میں سے تو کوئی بھی اُس وقت موجود نہ تھا، نہ ان میں سے کسی نے یزید کی ولی عہدی پر صاد کہا اور نہ ہی یزید کی بیعت کی، اور نہ ہی اس کی بیعت توڑنے والوں کو وعیدیں سنا کر اس کام سے روکا ... بلکہ اس "جدید سبائی" ٹولے کا اگر بس چلے تو یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی "یزیدی" کا خطاب دے دیں کہ آپ نے بھی صحیح روایات کے مطابق کربلا میں ایک تجویز یہ بھی دی تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں .... لیکن چونکہ اس گروہ نے لیبل "اہل سنت" کا لگا رکھا ہے اس

لئے یہ براہ راست ان تمام صحابہ کو "یزیدی" نہیں کہہ سکتے تو اپنے دل کا غبار ان پر نکالتے ہیں جنہوں نے نہ یزید کا زمانہ پایا اور نہ اس کی بیعت کی، نہ انہوں نے حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی اور نہ کسی اور صحابی پر تنقید کے نشتر چلائے... اس لیے سلفی صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ جب "یزیدی یزیدی" کی گردان پڑھیں تو ابتداء ان صحابہ کرام سے کیا کریں جنہوں نے یزید کی ولی عہدی پر آمین کہا اور پھر اس کی بیعت بھی کی.... (یہ مشورہ ان کے اس مشورے کے جواب میں فری میں دیا جارہا ہے جو جناب نے اپنے تبصرے دیا ہے کہ ہاشمی صاحب کو ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء ان صحابہ سے کرنی چاہیے تھی جو اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے).

ہم سلفی صاحب کی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جب کسی چور کی چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ ایسا ہی بدحواس ہو جاتا ہے، ہم نے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے میں انکی دو غلط بیانیاں پکڑی ہیں تو ان کا آپے سے باہر ہونا تو بنتا ہے، اس لیے ہم انہیں "معذور" سمجھتے ہوئے ان کے قلم سے نکلے مندرجہ ذیل الفاظ کا جواب ادھار رکھتے ہیں جو انہوں نے لکھے ہیں کہ: "علم، شعور، عقل، اخلاق، مروت، تمیز اور ذوق تحقیق سے عاری یزیدان عصر نو"... وغیرہ..، وجہ یہ نہیں کہ ہم ان کی زبان میں جواب نہیں دے سکتے، بلکہ ہم اس حالت کو سلفی صاحب کی مجبوری سمجھتے ہیں، ظاہر ہے ان کی غلط بیانی پکڑی گئی ہے، اور ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ ہم بقول سلفی صاحب "نسوانی طعنے" دیں... ہم دلیل سے بات کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور سبائیانِ عصرِ نو کے دجل و فریب سے پردہ اٹھاتے رہیں گے.

اب آیئے، سلفی صاحب کے نئے بیان کی طرف، موصوف نے اپنے تبصرے میں یہ الفاظ لکھے تھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاری سے کرکے بھی زبردست غلطی کی ہے، بلکہ انہیں ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرلینی چاہیے تھی" (صفحہ 47، ماہنامہ حق چار یار، ستمبر 2018).

قارئین محترم! آپ ان تین سطروں کو دوبارہ پڑھیں اور پھر غیر جانبدار ہو کر بتائیں کہ ان الفاظ کا سیدھا سادا مطلب یہ نہیں کہ:

1. ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ اور ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے کی ہے.
2. ایسا کرکے ہاشمی صاحب نے سخت غلطی کی ہے.

جس آدمی نے ہاشمی صاحب کی کتاب نہیں پڑھی، کیا وہ ان الفاظ سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سب سے پہلا نام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور پھر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا لکھا ہے؟؟

یہ سراسر غلط بیانی اور جھوٹ ہے جو سلفی صاحب نے ہاشمی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، آپ کو کسی سے لاکھ اختلاف سہی لیکن اپنے آپ کو اہل سنت کا ٹھیکیدار کہنے والوں کو یہ شیوہ نہیں دیتا کہ وہ یوں غلط بیانی کریں...

اب نئے بیان میں سلفی صاحب نے بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ ان سے یہ سہو ہو گیا، الٹا اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کی ہے کہ:

"دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ھاشمی صاحب کی طرف امام ابو حنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا. گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا. یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے. اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض "پر اختصار کیساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص, برہان الدین مرغینانی, ملا جیون, شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئی تھی"

قارئین محترم! اپنے اس بیان میں سلفی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے ہاشمی صاحب کی کتاب تو 2013 میں ہی پڑھ لی تھی، اور پھر اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" میں اس پر اختصار کے ساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا (واضح رہے کہ جناب نے "یزیدی فتنہ" کے نام سے مضامین لکھے تھے، جب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا نام "یزیدی فتنہ" سے بدل کر "دفاع حضرت حسین" رکھ دیا گیا)، اب انہوں نے اپنی غلط بیانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں بہت سے حنفی علماء کو بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہی ہیں ....

اب اس منطق پر ہم کیا کہیں؟ سلفی صاحب یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی بھی مقلد اگر کوئی بھی غلط بات کہے یا لکھے گا تو یہ سمجھا جائے کہ وہ بات حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہی ہے، اور اس کی بات پر نقد کرنا

گویا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر نقد کرنا شمار ہوگا...

میرا یہاں سوال ہے کہ امام جصاص نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ التوبۃ کی آیت "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کے تحت لکھا ہے کہ:

"(صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا۔ ناقل) وہم الطلقاء من نحو ابی سفیان واحزابہ ممن لم یسبق قلبہ من الکفر.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابو سفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے"

انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ینال عہدی الظالمین" (البقرۃ:124) کے تحت لکھا ہے کہ:

"عرب اور آل مروان میں عبدالملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"

اب سلفی صاحب فرمائیں کہ کوئی رافضی اس سے یوں استدلال کرے کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابو سفیان نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کا دل کفر سے پاک نہیں ہوا تھا، نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک "عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کافر تھے" تو سلفی صاحب اس بات کو تسلیم کریں گے؟؟؟ جواب صاف اور واضح درکار ہے... کیونکہ سلفی صاحب نے یہ منطق پیش کی ہے کہ کسی بھی معروف حنفی ہستی کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا درحقیقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف ہوتا ہے...

امید ہے عقل رکھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ سلفی صاحب نے یہ لکھ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرفداری کی ہے یا امام صاحب پر طعن و تشنیع کے مزید دروازے کھولے ہیں...

سلفی صاحب اور آج کا جدید سبائی ٹولہ، یہ واویلا کرتا ہے کہ "فلاں فلاں امام، ناصبت کے نشانے پر"، جبکہ اصل مسئلہ یہ نہیں، بلکہ اصل مسئلہ بعض علماء کی وہ عبارات ہیں جن سے صحابہ کرام یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص یا ان پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا کسی بھی غیر صحابی امام کا معاملہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام اور ادب کا معاملہ ہے، صحابہ کرام کے درمیان آپس میں جو کچھ بھی ہوا، ان میں سے کسی نے دوسرے کو اگر کچھ کہا تو اسے دلیل بنا کر ہم غیر صحابہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ چونکہ فلاں صحابی نے اپنے ہی ساتھی صحابی کو یہ یہ کہا تھا لہٰذا اب ہم بھی اس صحابی کو یہ یہ کہیں گے... اگر اس کو اصول بنا لیا جائے تو پھر بات بہت آگے تک جائے گی.

لہٰذا سلفی صاحب کی یہ تاویل کہ چونکہ فلاں فلاں حنفی عالم کی عبارات کے بارے میں ہاشمی صاحب نے یہ لکھا کہ اس

سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفیہ رحمہ اللہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سے ہیں، سراسر ایک غیر معقول اور غلط سوچ ہے اور توجیہ القول بمایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے۔

پھر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے، امام جصاص، صاحب ہدایہ، ملا جیون وغیرہ کے مقلدین کو نہیں۔

(جاری ہے)

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو"

"تتمہ ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل

قارئین محترم! ماہنامہ حق چار یار بابت ماہ ستمبر 2018 میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر ایک تبصرہ شائع ہوا تھا، جس کے ساتھ تبصرہ نگار کا نام نہیں لکھا تھا، ہم نے اس تبصرہ کا بطور قاری تین قسطوں میں ایک مختصر جائزہ لیا تھا، ہماری تیسری قسط پر کمنٹ کرتے ہوئے "کتاب دوست" (فیس بک آئی ڈی) سے مندرجہ ذیل بیان آیا ہے، پہلے وہ پڑھ لیں:

مولانا عبدالجبار سلفی حفظہ اللہ کی نئی تحریر درج ذیل ہے"

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ جہاں تک ماہ نامہ حق چار یار بابت ماہ ستمبر میں مولانا محمد وقاص صاحب رفیع کی کتاب پہ تبصرہ کی بات ھے تو وہ بندہ ھی نے لکھا ھے۔ چونکہ ماھنامہ کے مستقل قارئین جانتے ھیں کہ عموماً مفصل تبصرے میں ھی کرتا ھوں اس لئے اس پہ میرا نام درج کرنے کا اھتمام لازمی نہیں سمجھا جاتا۔ کبھی نام درج ھو جاتا ھے اور کبھی کمپوزر بھول جاتا ھے۔ سو احباب کا یہ مغالطہ دور ھو جانا چاھئیے کہ کیا وہ تبصرہ میرا ھی ھے یا کسی اور کا؟ دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ھاشمی صاحب کی طرف امام ابو حنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا۔ گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا۔ یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے۔ اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" پر اختصار کیساتھ تبصرہ

درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص, برہان الدین مرغینانی, ملا جیون, شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئی تھی. یہ بالکل ایسے ھے جیسے اھل حدیث احباب میں سے متشدد ٹولہ حنفی فقہ اور حنفی فقہاء پہ الزامات عائد کرتا ھے تو امام ابو حنیفہ رح کو پہلے نشانہ بناتا ھے. اس لئے کہ امام صاحب طبقہء احناف کے سرخیل ھیں. بعینہٖ جب چوٹی کے حنفی علماء ناصبیت کے نشانہ پہ آتے ھیں تو وہ دراصل امام ابو حنیفہ رح پہ انگشت نمائی کرتے ھیں. فرق صرف یہ ھے کہ غیر مقلد بے حجابانہ نام لے لیتا ھے اور جدید ناصبی چُوزوں کو امام ابو حنیفہ رح کا نام لے کر ھدفِ ملامت کرنے کی جرات نہیں ھوتی۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ مشاجرات میں صحابہ کی اکثریت کس کیساتھ تھی اور کس کے ساتھ نہ تھی. یہ محل بحث نہیں ھے. باوجودیکہ یہ کہنا قلّتِ مطالعہ کی دلیل ھے. کیونکہ کتب تواریخ وسیَر میں جابجا حوالے موجود ھیں کہ جلیل القدر اصحاب کی بڑی تعداد حضرت علی رض کیساتھ تھی. بالخصوص وہ صحابہ جو قاصدین و مصلحین کا فریضہ سرانجام دے رھے تھے, وہ بار بار حضرت معاویہ رض کو اسی بات کی طرف متوجہ کرتے رھے کہ حضرت علی رض شرف داماد گی, خلافت موعودہ اور بکثرت صحابہ کرام کی تائید کی بناء پہ آپ سے بڑی فضیلت کے حقدار ھیں. علامہ ابو حنیفہ الدینوری نے اپنی کتاب "الاخبار الطوال" کے اندر یہ تفصیلات جمع کی ھیں. باقی ان مباحث میں فشارِ خون کے دائمی مریض جو گستاخ گستاخ کی رَٹ لگا رھے ھیں. یہ محض نسوانی طعنے ھیں. اور اگر واقعی اصل گستاخوں سے نقاب اٹھانا ضروری ھے تو پھر کسی موقع پہ ان شاءاللہ ھم وہ واقعات درج کر دیں گے جس میں ماضی قریب کے ناصبیوں نے خاندان نبوت اور اھل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کیسا تھ خود جناب امیر معاویہ رض کی شان والا تبار میں بھی بے حد توھین کی ھے. اور ایک یہ بات کہ ھم اس محاذ پہ کسی کو مدد کے لئے نہیں پکار رھے. بلکہ ھم اپنے ھی ذی استعداد دوستوں کو دعوت فکر دے کر ناموس صحابہ کرام رض اور رد رفض والحاد کی جانب متوجہ کر رھے ھیں. رہ گئے, یہ ناصبی ! تو ان کے لئے ھمارے دو نفل ھی کافی ھیں. علم, شعور, عقل, اخلاق, مروت, تمیز, اور ذوقِ تحقیق سے عاری ان یزیدانِ عصر نو نے تنظیمی تعلیمی اور علمی میدان میں کب کوئی ایسا انوکھا کام کیا ھے کہ ان کا سر کُچلنے کے لئے ھمیں اپنے دوستوں کو المدد المدد کہہ کے پکارنا پڑے ؟ سو یہ خام خیالی اور بھونڈی دلالی آپکو ھی نامبارک ھو. والسلام

تو دوستو! اب چونکہ "سبائی بلی" بلکہ "بلا" تھیلے سے باہر آ گیا ہے، تو اب ہمارے لیے کوئی مانع نہیں کہ ہم حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام نہ لیں، لہٰذا اب مندرجہ بالا بیان پر ہم اپنی معروضات لکھتے ہیں... سلفی صاحب کی مزید غلط ... بیانیوں کو بھی اب آشکار کرنا ضروری ہے

(جاری ہے)

حافظ عبیداللہ

14 September2018

بسلسلۂ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

"من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو"

تتمہ ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل" (قسط: 2)

جیسا کہ "کتاب دوست" نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی توہین و تنقیص صحابہ کرام پر مشتمل کتاب پر ماہنامہ حق چار بابت ماہ ستمبر 2018 میں تبصرہ لکھنے والے حافظ عبدالجبار سلفی صاحب خود ہیں، اور "کتاب دوست" نے باقاعدہ سلفی صاحب کی طرف منسوب ایک نیا بیان بھی جاری کیا ہے تو اس بناء پر اب ہم صریح طور پر حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کا نام لے کر اس نئے بیان پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں.

ان صاحب کا محبوب مشغلہ دوسروں کی پگڑیاں اچھالنا ہے، اور غلط بیانی و کذب بیانی کے عادی ہیں، اور جب کوئی ان کی غلطی پکڑتا ہے تو یہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور جو اول فول قلم پر آتا ہے بے دھڑک لکھ دیتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ "فشار خون کے دائمی مریض" کی جملہ علامات خود موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہوئے یہ دوسروں کو طعنے دیتے ہیں، ہمیشہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر "ناصبی" اور "یزیدی" کے آوازے کستے ہیں، اور کبھی یہ بھڑک مارتے ہیں کہ "ان ناصبیوں کے لیے تو ہمارے دو نفل ہی کافی ہیں" (یعنی اپنے آپ کو کوئی پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں)... ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام صحابہ کرام کو بھی "یزیدی" لکھ دیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کی تجویز سے اتفاق کیا اور پھر بعد میں یزید کی بیعت کی، کیونکہ یہ آج چودہ سو سال بعد ہونے والے جن حضرات کو "یزیدی" لکھتے ہیں ان میں سے تو کوئی بھی اُس وقت موجود نہ تھا، نہ ان میں سے کسی نے یزید کی ولی عہدی پر صاد کہا اور نہ ہی یزید کی بیعت کی، اور نہ ہی اس کی بیعت توڑنے والوں کو وعیدیں سنا کر اس کام سے روکا... بلکہ اس "جدید سبائی" ٹولے کا اگر بس چلے تو یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی "یزیدی" کا

خطاب دے دیں کہ آپ نے بھی صحیح روایات کے مطابق کربلا میں ایک تجویز یہ بھی دی تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں.... لیکن چونکہ اس گروہ نے لیبل "اہل سنت" کا لگا رکھا ہے اس لئے یہ براہ راست ان تمام صحابہ کو "یزیدی" نہیں کہہ سکتے تو اپنے دل کا غبار ان پر نکالتے ہیں جنہوں نے نہ یزید کا زمانہ پایا اور نہ اس کی بیعت کی، نہ انہوں نے حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی اور نہ کسی اور صحابی پر تنقید کے نشتر چلائے... اس لیے سلفی صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ جب "یزیدی یزیدی" کی گردان پڑھیں تو ابتداء ان صحابہ کرام سے کیا کریں جنہوں نے یزید کی ولی عہدی پر آمین کہا اور پھر اس کی بیعت بھی کی.... (یہ مشورہ ان کے اس مشورے کے جواب میں فری میں دیا جا رہا ہے جو جناب نے اپنے تبصرے دیا ہے کہ ہاشمی صاحب کو ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء ان صحابہ سے کرنی چاہیے تھی جو اُس وقت حضرت علی رضی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے).

ہم سلفی صاحب کی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جب کسی چور کی چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ ایسا ہی بدحواس ہو جاتا ہے، ہم نے تو مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر تبصرے میں انکی دو غلط بیانیاں پکڑی ہیں تو ان کا آپے سے باہر ہونا تو بنتا ہے، اس لیے ہم انہیں "معذور" سمجھتے ہوئے ان کے قلم سے نکلے مندرجہ ذیل الفاظ کا جواب ادھار رکھتے ہیں جو انہوں نے لکھے ہیں کہ: "علم، شعور، عقل، اخلاق، مروت، تمیز اور ذوق تحقیق سے عاری یزیدان عصر نو"... وغیرہ..، وجہ یہ نہیں کہ ہم ان کی زبان میں جواب نہیں دے سکتے، بلکہ ہم اس حالت کو سلفی صاحب کی مجبوری سمجھتے ہیں، ظاہر ہے ان کی غلط بیانی پکڑی گئی ہے، اور ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ ہم بقول سلفی صاحب "نسوانی طعنے" دیں... ہم دلیل سے بات کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور سبائیانِ عصرِ نو کے دجل و فریب سے پردہ اٹھاتے رہیں گے.

اب آیئے، سلفی صاحب کے نئے بیان کی طرف، موصوف نے اپنے تبصرے میں یہ الفاظ لکھے تھے:

"میرا خیال ہے کہ جناب ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ملا علی قاری سے کرکے بھی زبردست غلطی کی ہے، بلکہ انہیں ناقدین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابتداء خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لینی چاہیے تھی" (صفحہ 47، ماہنامہ حق چار یار، ستمبر 2018).

قارئین محترم! آپ ان تین سطروں کو دوبارہ پڑھیں اور پھر غیر جانبدار ہو کر بتائیں کہ ان الفاظ کا سیدھا سادا مطلب یہ نہیں کہ:

1. ہاشمی صاحب نے ناقدین کی ابتداء امام ابو حنیفہ اور ملا علی قاری (رحمہما اللہ) سے کی ہے.
2. ایسا کرکے ہاشمی صاحب نے سخت غلطی کی ہے.

جس آدمی نے ہاشمی صاحب کی کتاب نہیں پڑھی، کیا وہ ان الفاظ سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سب سے پہلا نام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور پھر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا لکھا ہے؟؟

یہ سراسر غلط بیانی اور جھوٹ ہے جو سلفی صاحب نے ہاشمی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، آپ کو کسی سے لاکھ اختلاف سہی لیکن اپنے آپ کو اہل سنت کا ٹھیکیدار کہنے والوں کو یہ شیوہ نہیں دیتا کہ وہ یوں غلط بیانی کریں...

اب نئے بیان میں سلفی صاحب نے بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ ان سے یہ سہو ہو گیا، الٹا اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کی ہے کہ:

"دوسرا مغالطہ دیا گیا کہ میں نے شاید کتاب پڑھی نہیں اس لئے مولانا ھاشمی صاحب کی طرف امام ابو حنیفہ رح کو بطور ناقدِ معاویہ رض منسوب کر دیا. گزارش ھے کہ میں نے اس کتاب کا اس وقت ھی مکمل مطالعہ کر لیا تھا جب اسکا پہلا اڈیشن طبع ھوا. یہ ستمبر 2013ء کی بات ھے. اس لئے میں نے اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" پر اختصار کیساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا. رہ گیا یہ اعتراض کہ پھر امام صاحب علیہ الرحمہ کا نام کیوں لکھا گیا تو عرض ھے کہ ملا علی قاری, امام جصاص, برہان الدین مرغینانی, ملا جیون, شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی, اور علماء دیوبند جو جہابذہء روزگار تھے اور فقہ حنفی کے مایہء ناز ترجمان اور وکلاء ھیں, انکو نام بہ نام ناقدین میں شمار کر دیا گیا تو اب پیچھے امام صاحب کا نام لینے کی کیا کسر رہ گئی تھی"

قارئین محترم! اپنے اس بیان میں سلفی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے ہاشمی صاحب کی کتاب تو 2013 میں ہی پڑھ لی تھی، اور پھر اپنی کتاب "دفاع حضرت حسین رض" میں اس پر اختصار کے ساتھ تبصرہ درج کر دیا تھا (واضح رہے کہ جناب نے "یزیدی فتنہ" کے نام سے مضامین لکھے تھے، جب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا نام "یزیدی فتنہ" سے بدل کر "دفاع حضرت حسین" رکھ دیا گیا)، اب انہوں نے اپنی غلط بیانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں بہت سے حنفی علماء کو بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہی ہیں

....

اب اس منطق پر ہم کیا کہیں؟ سلفی صاحب یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی بھی مقلد اگر کوئی بھی غلط بات کہے یا لکھے گا تو یہ سمجھا جائے کہ وہ بات حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہی ہے، اور اس کی بات پر نقد کرنا گویا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر نقد کرنا شمار ہوگا...

میرا یہاں سوال ہے کہ امام جصاص نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ التوبۃ کی آیت "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کے تحت لکھا ہے کہ:

"(صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا_ ناقل) وہم الطلقاء من نحو ابی سفیان واحزابہ ممن لم ینق قلبہ من الکفر.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابو سفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے"

انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ینال عہدی الظالمین" (البقرۃ:124) کے تحت لکھا ہے کہ:

"عرب اور آل مروان میں عبد الملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"

اب سلفی صاحب فرمائیں کہ کوئی رافضی اس سے یوں استدلال کرے کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابو سفیان نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کا دل کفر سے پاک نہیں ہوا تھا، نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک "عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کافر تھے" تو سلفی صاحب اس بات کو تسلیم کریں گے؟؟؟ جواب صاف اور واضح درکار ہے... کیونکہ سلفی صاحب نے یہ منطق پیش کی ہے کہ کسی بھی معروف حنفی ہستی کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا درحقیقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف ہوتا ہے...

امید ہے عقل رکھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ سلفی صاحب نے یہ لکھ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرفداری کی ہے یا امام صاحب پر طعن و تشنیع کے مزید دروازے کھولے ہیں...

سلفی صاحب اور آج کا جدید سبائی ٹولہ، یہ واویلا کرتا ہے کہ "فلاں فلاں امام، ناصبت کے نشانے پر"، جبکہ اصل مسئلہ یہ نہیں، بلکہ اصل مسئلہ بعض علماء کی وہ عبارات ہیں جن سے صحابہ کرام یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص یا ان پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا کسی بھی غیر صحابی امام کا معاملہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام اور ادب کا معاملہ ہے، صحابہ کرام کے درمیان آپس میں جو کچھ بھی ہوا، ان میں سے کسی نے دوسرے کو اگر کچھ کہا تو اسے دلیل بنا کر ہم غیر صحابہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ چونکہ فلاں صحابی نے اپنے ہی ساتھی صحابی کو یہ یہ

کہا تھا لہٰذا اب ہم بھی اس صحابی کو یہ یہ کہیں گے . . . اگر اس کو اصول بنا لیا جائے تو پھر بات بہت آگے تک جائے گی .
لہٰذا سلفی صاحب کی یہ تاویل کہ چونکہ فلاں فلاں حنفی عالم کی عبارات کے بارے میں ہاشمی صاحب نے یہ لکھا کہ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفیہ رحمہ اللہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں سے ہیں، سراسر ایک غیر معقول اور غلط سوچ ہے اور توجیہ القول بمایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے .
پھر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے، امام جصاص، صاحب ہدایہ، ملا جیون وغیرہ کے مقلدین کو نہیں .

(جاری ہے)